آگ

اقبال کاظمی

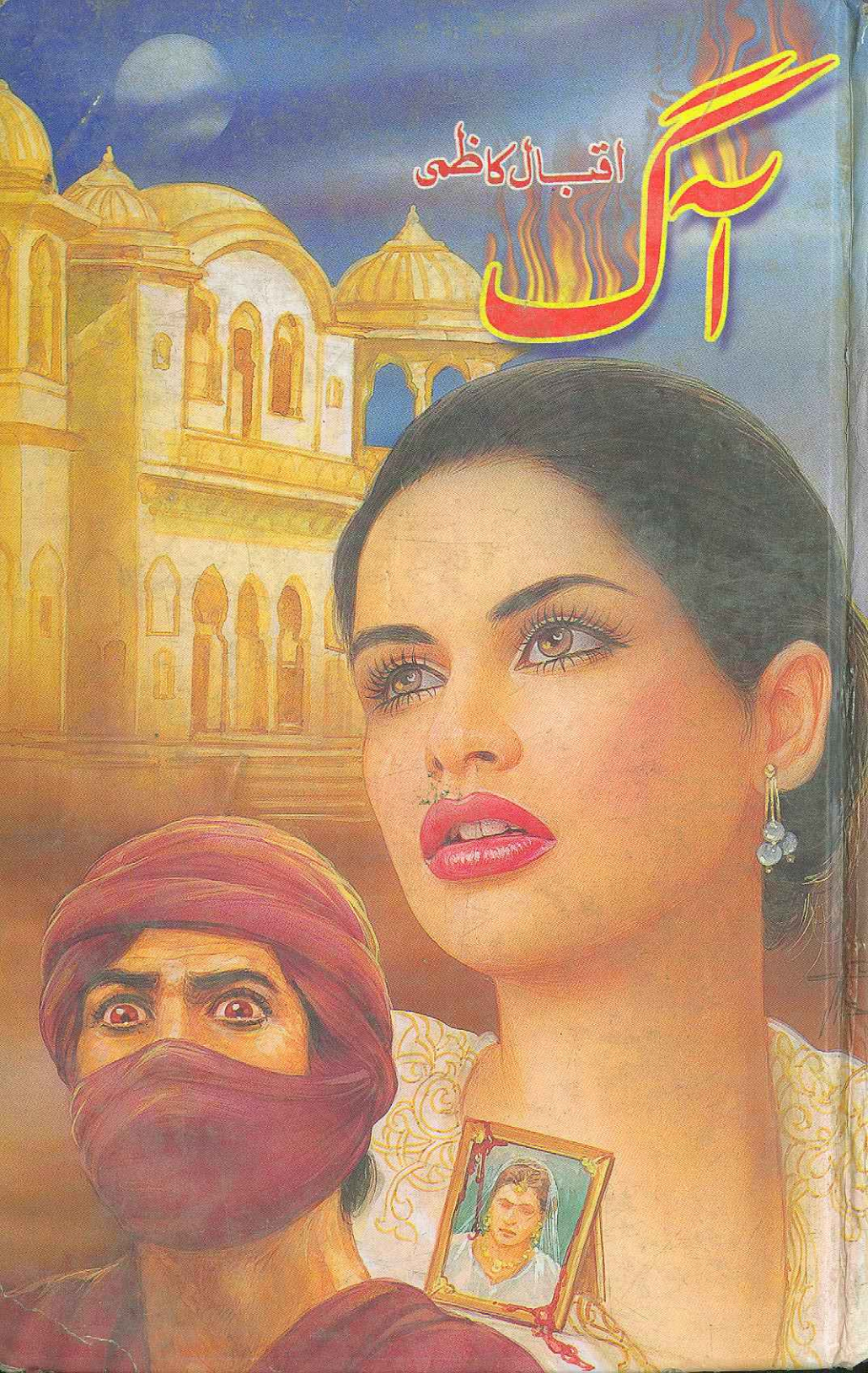

جرم و سزا اور تجسس و اسرار کا حسین امتزاج

آگ

اقبال کاظمی

ندیم

اشاعت :-
مکتبہ القریش سرکلر روڈ
اُردو بازار، لاہور-۲

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بچوں کی آنکھیں اور گاؤں کے راستے شام ہوتے ہی بند ہو جاتے ہیں۔ زریاب کو اس کہاوت پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔ وہ شہر کی پروردہ تھی جہاں شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی برقی قمقمے جگمگا اٹھتے تھے۔ ہر گھر میں ٹیلی ویژن چلتے رہتے ہیں اور بچے کبھی رات گیارہ بارہ بجے سے پہلے آنکھیں بند نہیں کرتے۔ زمانہ بہت ترقی کر گیا تھا۔ اب گاؤں دیہات بھی برقی روشنیوں سے منور ہو گئے تھے۔ دور دراز کے علاقوں تک پختہ سڑکیں بن چکی تھیں جن پر بڑی بڑی بسوں اور دیگر ہر قسم کے ٹریفک کی آمد و رفت دن رات جاری رہتی تھی، اس طرح یہ کہاوت بھی بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ آج کل نہ تو بچوں کی آنکھیں سر شام بند ہوتی تھیں اور نہ ہی شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد گاؤں کے راستے بند ہوتے تھے۔ یوں بھی یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ ایک طرف انسان زمین کی گہرائیوں کے راز دریافت کر رہا ہے تو دوسری طرف خلا کی بے کراں وسعتوں میں نئی نئی کہکشائیں دریافت کر رہا ہے۔ پرانی کہاوتیں اور محاورے اب دم توڑ چکے ہیں۔

لیکن اس شام جب زریاب پہاڑ گنج ریلوے سٹیشن پر ٹرین سے اتری تو اچانک ہی یہ کہاوت ذہن میں ابھر آئی تھی کہ بچوں کی آنکھیں اور گاؤں کے راستے شام ہوتے ہی بند ہو جاتے ہیں۔ اس ویران اور سنسان ریلوے سٹیشن پر قدم رکھنے کے بعد اسے اس کہاوت کی سچائی کا احساس ہونے لگا تھا۔

یہ مسافر ٹرین عام طور پر پانچ بجے یہاں پہنچا کرتی تھی لیکن بیس بائیس میل پیچھے انجن خراب ہو گیا تھا اور ٹرین ویرانے میں رک گئی تھی۔ برانچ لائنوں پر چلنے والی ٹرینوں کا حال وہی لوگ جانتے ہیں جو ان پر سفر کرتے ہیں۔ صدیوں پرانے سٹیم انجن جنہیں یورپی ممالک عجائب گھروں کی زینت بنا چکے تھے یہاں اب بھی استعمال ہو رہے تھے۔ برانچ لائن پر کسی سفر کی کامیابی کا انحصار سٹیم انجن کے موڈ پر ہوتا ہے۔ یہ بھوتوں جیسے کالے انجن بھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بڑے من موجی تھے۔ موڈ ہوا تو خراماں خراماں چلتے رہے، موڈ بگڑا تو مسافروں کے موڈ کی پراہ کئے بغیر کہیں بھی رک گئے۔ اس کالے انجن کا موڈ بھی شاید بگڑ گیا تھا اور ٹرین ویرانے میں رک گئی تھی۔

اس وقت تین بجے تھے۔ چلچلاتی دھوپ اور شدت کی گرمی میں ٹرین کے مسافر بدحال ہو رہے تھے۔ بعض لوگ کھل کر ریلوے انتظامیہ کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ ٹرین کی بوگیوں کی حالت انجن سے بھی بدتر تھی۔ نہ پانی تھا اور نہ پنکھے چل رہے تھے۔ گرمی اور پیاس کی شدت سے بچوں نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ بہت سے لوگ بچوں کو لے کر ٹرین سے اتر گئے تھے..... ریل کی پٹڑی سے چند گز دور درختوں کے سائے میں بیٹھے ریلوے انتظامیہ کو کوس رہے تھے۔

زریاب جس بوگی میں بیٹھی تھی اس میں عورتیں اور بچے بھیڑ بکریوں کی طرح بھرے ہوئے تھے۔ زریاب کی سیٹ اگرچہ کھڑکی کے ساتھ تھی، جب تک ٹرین چلتی رہی تھی ہوا لگتی رہی تھی مگر اب وہ تیز دھوپ کی زد میں تھی۔ جسم جھلس رہا تھا اور دھوپ سوئیوں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ پسینہ کیچوؤں طرح اس کے جسم پر رینگ رہا تھا۔ پسینے میں بھیگی ہوئی لان کی قمیص اس کے جسم سے چپکی ہوئی تھی۔

اس کمپارٹمنٹ میں بھری ہوئی تمام عورتیں دیہاتی تھیں۔ بچوں کے ساتھ یہ عورتیں بھی چیخ چلا رہی تھیں۔ زریاب کے ساتھ والی سیٹ پر ایک نوجوان دیہاتی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے شوخ رنگوں اور بڑے بڑے پھولوں کے پرنٹ والا ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی عمر اگرچہ سولہ سال سے زیادہ نہیں تھی لیکن وہ شادی شدہ تھی اور اس کی گود میں پانچ چھ ماہ کی ایک بچی بھی تھی۔ گرمی سے بچی کا برا حال ہو رہا تھا اور وہ مسلسل رو رہی تھی۔ اس عورت کے ایک ہاتھ میں کھجوری پنکھا تھا جسے وہ مسلسل جھل رہی تھی۔

راستے میں اس عورت سے زریاب کا تعارف ہو چکا تھا۔ وہ چند ہفتے اپنے میکے میں رہنے کے بعد سسرال جا رہی تھی۔ اس کی منزل پہاڑ گنج سے دو سٹیشن آگے تھی۔ اس معصوم بچی کی حالت دیکھ کر زریاب کو ترس آ رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے بھی بچی کو گود میں لے کر بہلانے کی کوشش کی تھی مگر بچی کا رونا بند نہیں ہوا تھا۔

"بچی گرمی سے رو رہی ہے۔ اسے لے کر ان درختوں کے نیچے چلی جاؤ۔ وہاں اور

لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔" زریاب نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "چلو! میں بھی چلتی ہوں۔ گرمی کے مارے برا حال ہو رہا ہے۔"

وہ دونوں ٹرین سے اتر آئیں اور چند گز دور ٹاہلی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ اس عورت نے دوپٹہ اپنے جسم پر پھیلا لیا اور بچی کو دودھ پلانے لگی۔ گرمی کے ساتھ بچی کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔

ڈرائیور اور دو فائر مینوں کے ساتھ ٹرین کا گارڈ بھی انجن کی خرابی تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شاید خرابی کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہت سے مسافر ٹرین سے اتر کر انجن کے قریب جمع ہو چکے تھے۔

بالآخر دو گھنٹوں کے بعد انجن ٹھیک ہو گیا۔ ایک فائر مین وسل بجانے لگا۔ وسل کی آواز سن کر درختوں کے نیچے بیٹھے ہوئے مسافر ٹرین پر سوار ہونے لگے۔ گارڈ ٹرین کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آوازیں دے کر پوچھ رہا تھا کہ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ اور جب اسے اطمینان ہو گیا کہ تمام مسافر ٹرین میں سوار ہو چکے ہیں تو وہ بھی اپنے ڈبے پر چڑھ گیا۔ دروازے میں لٹک کر اس نے سیٹی بجائی اور ہری جھنڈی لہرانے لگا۔

پہاڑ گنج سٹیشن پر یہ ٹرین پانچ کی بجائے سوا سات بجے پہنچی تھی۔ اس سٹیشن پر زریاب کے علاوہ صرف ایک مسافر اترا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جس نے ایک گٹھڑی سر پر اٹھا رکھی تھی۔ ٹرین ایک منٹ رکنے کے بعد آگے روانہ ہو گئی۔ وہ آدمی بھی ریلوے لائن پار کر کے سٹیشن کے دوسری طرف کھیتوں میں پگڈنڈی کی طرف چلا گیا تھا۔

زریاب اکیلی رہ گئی۔ وہ متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ بہت چھوٹا سٹیشن تھا۔ پلیٹ فارم نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ریل کی پٹڑی کے ساتھ زمین ہموار کر کے اسے پلیٹ فارم کا نام دیا گیا تھا جس کے دونوں سروں پر پہاڑ گنج نام کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ زریاب کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اس سٹیشن کو پہاڑ گنج کا نام کیوں دیا گیا تھا جبکہ میلوں دور تک یہاں کسی پہاڑ تو کیا ٹیلے تک کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

چاروں طرف تاریکی اور سناٹا تھا۔ ریلوے لائن کے ایک طرف کھیتوں کا سلسلہ تھا۔ وہ آدمی ادھر ہی گیا تھا۔ یقیناً اس طرف کوئی بستی ہو گی۔ جبکہ دوسری طرف جنگل سا نظر آ رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سٹیشن پر کسی ذی روح کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا جبکہ پلیٹ فارم کی لمبائی کے وسط میں دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت نظر آ رہی تھی۔ یہی اس ریلوے سٹیشن کی عمارت تھی۔ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے لالٹین کی زرد روشنی جھلکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

چاروں طرف تاریکی اور سناٹا تھا۔ زریاب کے دل پر اب ہلکا سا خوف طاری ہونے لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے یہاں آ کر غلطی تو نہیں کی۔ اس کی منزل پہاڑ گنج ریلوے سٹیشن نہیں تھا۔ اسے سندس محل جانا تھا۔

یہ دراصل ایک قدیم حویلی تھی جس کے بارے میں وہ بالکل نہیں جانتی تھی کہ ریلوے سٹیشن سے کس طرف اور کتنے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ جب وہ ٹرین سے اترے گی تو ایک آدمی اس کا منتظر ہو گا جو اسے سندس محل پہنچا دے گا لیکن یہاں کوئی نہیں تھا۔ ریلوے سٹیشن سنسان پڑا تھا۔

زریاب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو صدیوں پہلے اس علاقے میں آ کر آباد ہوا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ جب سکندر اعظم کا لشکر دنیا کو اپنے پیروں تلے روندتا ہوا ایران میں خوزستان کے مقام پر پہنچا تو اس کا ایک دستہ بچھڑ کر راستہ بھول گیا اور بھٹکتا ہوا افغانستان میں ہرات کی طرف نکل گیا۔ ہرات پہنچنے تک اس یونانی فوجی دستے کے بہت سے سپاہی راستے کی کٹھنائیوں کو برداشت نہ کرتے ہوئے یا حادثات کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے تھے۔ صرف سات آدمی ہرات پہنچ سکے تھے جہاں انہوں نے شہر سے دور پہاڑی غاروں میں پناہ لی۔ وہ کئی سال تک ان پہاڑی غاروں میں پڑے رہے اور قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں لوٹ مار کر کے آباد ہوتے چلے گئے۔ ان میں سندس نامی ایک سپاہی کچھ عرصہ ہرات میں آباد رہا۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے بلوچستان کے دشوار گزار پہاڑوں سے ہوتا ہوا اس میدانی علاقے میں نکل آیا اور ایک چھوٹی سی بستی میں آباد ہو گیا۔ اس نے اس بستی کی ایک عورت سے شادی کر لی اور اس کی نسل پھلتی پھولتی رہی۔ یہ خاندان سندس خاندان کے نام سے مشہور ہو گیا۔

سندس خاندان کے مرد بڑے گھبرو جوان تھے۔ ان کا جدامجد ایک جنگجو تھا۔ نار و ہاڑان کی فطرت میں بھی شامل تھی۔ وہ طاقت کے بل بوتے پر اس علاقے پر چھاتے چلے گئے اور

پورے علاقے کی زمینوں پر قابض ہو گئے۔

زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ سندس خاندان کے افراد کھیتی باڑی چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنے لگے..... پھر پتہ نہیں کیسے یہ خاندان سمٹنے لگا۔ ان کی نسل ناپید ہونے لگی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس نسل کے ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

زریاب کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر ایک روز اس کا باپ ایک سیاسی ہنگامے میں گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہو گیا۔

زریاب اور اس کی ماں اکیلی رہ گئیں۔ روپے پیسے کی ان کے پاس کمی نہیں تھی۔ زریاب کے باپ کا لمبا چوڑا کاروبار تھا جسے ملازم سنبھالے ہوئے تھے۔ ایک روز کسی کتاب میں زریاب نے سندس خاندان کے بارے میں پڑھا۔ مصنف نے اس خاندان کے بارے میں بڑی الجھی ہوئی باتیں کہی تھیں۔ ایک جگہ اس نے لکھا تھا کہ اس خاندان کے جدامجد کا تعلق سکندر اعظم کے لشکر سے تھا اور دوسری جگہ اس کا تعلق تاتاریوں سے بھی جوڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن وہ کوئی ایسا مستند حوالہ پیش نہیں کر سکا تھا جس سے ثابت ہوتا کہ اس خاندان کا تعلق دراصل سکندر اعظم سے تھا یا تاتاریوں سے۔ البتہ اس نے آخر میں یہ اندیشہ ضرور ظاہر کیا تھا کہ یہ قدیم نسل کہیں ختم نہ ہو جائے۔

زریاب نے اپنے خاندان کے بارے میں تحقیق کرنے کی ٹھان لی اور یہ عہد کر لیا کہ وہ سندس خاندان کی حقیقی تاریخ کو سامنے لائے گی۔ اس نے لوگوں سے رابطے شروع کر دیئے۔ اخبارات میں اشتہار دیئے کہ قدیم سندس خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد اس سے رابطہ قائم کریں۔ لائبریریوں میں کتابیں تلاش کرنے لگی۔ شروع میں تو اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی لیکن پھر اس کی محنت رنگ لانے لگی اور اسے آگے بڑھنے کا راستہ مل گیا۔

تقریباً پندرہ دن پہلے اسے ایک خط ملا تھا۔ یہ خط نمران نامی کسی شخص نے لکھا تھا۔ اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ وہ اس قدیم خاندان کے بارے میں تحقیق کر رہی ہے۔ نمران نے لکھا تھا کہ اس خاندان کے بارے میں اس کے پاس کچھ قدیم دستاویزات موجود ہیں جن سے اسے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ وہ خود اس سے ملنے کے لئے آتا لیکن وہ نہ صرف بوڑھا ہو چکا ہے بلکہ بیمار بھی ہے اور طویل سفر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے اگر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زریاب چاہے تو خود آ جائے۔ وہ اس طرح اس خاندان کی ایک قدیم حویلی بھی دیکھ لے گی۔ نمران نے لکھا تھا کہ وہ جب بھی آنا چاہے خط کے ذریعے اطلاع کر دے۔ اس کا ایک آدمی ریلوے سٹیشن پر موجود رہے گا جو اسے حویلی لے آئے گا۔

سندس خاندان کے بارے میں ریسرچ، زریاب نے اپنا مشن بنالیا تھا۔ نمران کا یہ خط اس کے لئے اندھیرے میں امید کی کرن ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی نمران سے ملنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک ہفتے پہلے اسے خط کے ذریعے اپنے پروگرام کی اطلاع بھی دے دی۔

اپنے شہر سے تقریباً دو سو میل دور پہاڑ گنج تک کا یہ سفر بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ اور یہاں کسی کو اپنے استقبال کے لئے موجود نہ پا کر اسے نہ صرف مایوسی ہوئی تھی بلکہ وہ کچھ خوف بھی محسوس کرنے لگی تھی۔ اس نے ایک ہفتہ پہلے نمران کو خط لکھ دیا تھا۔ اصولی طور پر کسی نہ کسی کو سٹیشن پر موجود ہونا چاہئے تھا۔ پھر دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ممکن ہے خط نمران کو ملا ہی نہ ہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ زریاب آج آ رہی ہے۔

لیکن..... اب ہو گا کیا.....؟ یہ خیال بار بار اسے پریشان کر رہا تھا۔ ریلوے سٹیشن کی چھوٹی سی عمارت کے علاوہ یہاں کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ رات کہاں گزارے گی؟ اس کے چاروں طرف ویرانہ تھا۔ جو مسافر اس کے ساتھ ٹرین سے اترا تھا وہ بھی دیر ہوئی کہیں غائب ہو چکا تھا۔ زریاب اس طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ بستی قریب ہو اور کوئی روشنی اس کی نشان دہی کر دے لیکن اس طرف گہری تاریکی تھی۔

زریاب کھڑی یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ اپنے قریب ہی ہلکی سی غراہٹ کی آواز سن کر بدحواس ہو گئی۔ مارے خوف کے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ آواز کی سمت دیکھنے لگی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر ریل کی پٹڑیوں کے درمیان ایک کتا اس کی طرف دیکھتے ہوئے غرا رہا تھا۔ اس نے کتے کو ہشکارا اور جھک کر اپنا سوٹ کیس اٹھانے لگی۔ وہ کتا دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور اب وہ غرانے کی بجائے بھونکنے لگا تھا۔

زریاب سوٹ کیس اٹھائے سٹیشن کی عمارت کی طرف چلنے لگی۔ کتا بھی بھونکتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا اور زریاب بار بار خوفزدہ انداز میں مڑ کر اسے ہشکار رہی تھی۔ ریلوے سٹیشن کی عمارت وہاں سے تقریباً پچاس گز دور تھی۔ زریاب کو اندازہ نہیں تھا کہ اس عمارت میں کتنے آدمی موجود ہوں گے اور وہ کس قسم کے لوگ ہوں گے۔ لیکن اسے

بہرحال یہ امید تو تھی کہ اس چھوٹے سے ریلوے سٹیشن کے ملازم ایک اجنبی خاتون کے ساتھ بدسلوکی نہیں کریں گے۔ وہ تقریباً دس گز آگے بڑھی تھی کہ ایک آدمی سٹیشن کی عمارت سے نکل کر اس طرف آنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں لالٹین تھی جس کی روشنی سامنے کی طرف پڑ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" وہ آدمی قریب آ کر رک گیا۔

"میں مسافر ہوں۔ ٹرین سے اتری ہوں۔" زریاب نے جواب دیا۔

نسوانی آواز سن کر وہ آدمی چونک سا گیا۔ اس نے لالٹین اوپر اٹھا کر روشنی اس کے چہرے پر ڈالی پھر لالٹین کو اوپر سے نیچے حرکت دیتا ہوا اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ کون ہیں بی بی اور کہاں جانا ہے آپ کو؟" اس شخص نے پوچھا۔

"میں اس ٹرین سے اتری تھی۔ مجھے دراصل سندس محل جانا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ مجھے لینے کے لئے کوئی نہ کوئی آدمی سٹیشن پر موجود ہو گا مگر ٹرین لیٹ ہونے کی وجہ سے شاید وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا ہو۔" زریاب نے جواب دیا۔

"سندس محل؟" وہ ایک بار پھر چونک گیا۔ "سندس محل سے کوئی آدمی یہاں نہیں آیا۔ آئیے آپ میرے ساتھ آئیے۔"

زریاب اس کے ساتھ اس چھوٹے سے کمرے میں آ گئی۔ یہاں ٹوٹی پھوٹی میز پر ایک اور لالٹین جل رہی تھی۔ زریاب کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ایک طرف ایک بہت بڑا مخصوص ساخت کا آہنی صندوق پڑا ہوا تھا۔ ایسے آہنی صندوق صرف ریلوے سٹیشنوں پر ہی نظر آتے ہیں۔ ایک دیوار کی کھونٹی پر آہنی تاروں کا ایک رنگ ٹنگا ہوا تھا جس سے چمڑے کا ایک چھوٹا سا پاکٹ منسلک تھا۔ اس رنگ کو ریلوے کی اصطلاح میں گولا کہا جاتا ہے۔ ایکسپریس ٹرینیں چھوٹے سٹیشنوں پر نہیں رکتیں۔ اس رنگ کے چرمی پاکٹ میں میمو ڈال کر ریلوے لائن کے قریب ایک سٹینڈ پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ ایکسپریس ٹرین کے انجن کا ڈرائیور یا فائرمین اسے اچک لیتا ہے۔ اس رنگ کے علاوہ ایک نقشہ آویزاں تھا جس پر اس سٹیشن کی ریل کی پٹڑیوں کی پوزیشن واضح کی گئی تھی۔ مختلف چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے زریاب کی نظریں اس شخص کی طرف اٹھ گئیں جو اسے یہاں لایا تھا۔ وہ نیلی وردی پہنے ہوئے تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس سٹیشن کا پوائنٹ مین یا نچلے درجے کا ملازم تھا۔ لیکن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زریاب کی نظریں جیسے ہی اس کے چہرے پر پڑیں مارے خوف کے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

عجیب سی شکل تھی اس شخص کی۔ پچکی ہوئی ناک، ابھرے ہوئے رخسار، بھدے موٹے موٹے ہونٹ، ٹھوڑی بے حد چوڑی اور چپٹی سی۔ سب سے حیرت انگیز اس کی آنکھیں تھیں۔ ترچھی آنکھیں زریاب نے آج تک کسی انسان کے چہرے پر نہیں دیکھی تھیں۔ البتہ ایک انگریزی فلم میں خلائی مخلوق کی آنکھیں اس طرح ترچھی تھیں۔

"میرا نام شگن ہے اور میں اس سٹیشن پر پوائنٹ مین ہوں بی بی جی۔" اس شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "آپ یہاں بیٹھئے۔ میں سٹیشن ماسٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔"

زریاب نے ادھر ادھر دیکھا۔ میز کے سامنے لکڑی کی ایک پرانی سی کرسی پڑی تھی جس کی سیٹ کی بیشتر تاریں ٹوٹ کر لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اس کرسی پر اس طرح بیٹھ گئی کہ سیٹ پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ شگن نامی عجیب و غریب ہیئت کا مالک وہ شخص کمرے سے باہر نکل گیا۔ زریاب کرسی پر بیٹھی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ دروازے کی طرف دیکھتے ہی چونک گئی۔ وہی کتا دروازے کے سامنے کھڑا تھوتھنی اٹھائے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زریاب کے دل و دماغ پر ایک بار پھر خوف سا طاری ہونے لگا۔ کتا چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہولے ہولے غرانے لگا۔ اس کے نوکیلے دانت اور سرخ زبان دیکھ کر زریاب کانپ اٹھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ میز کے قریب دیوار کے ساتھ ایک ڈنڈا پڑا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر وہ ڈنڈا اٹھا لیا۔ کتا اس کے ہاتھ میں ڈنڈا دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔

"اوئے چل بھاگ یہاں سے۔" باہر سے کسی آدمی کی آواز سنائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی کتے کی چیاؤں چیاؤں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شگن اندر داخل ہوا۔

"سٹیشن ماسٹر صاحب تو کھانا کھانے کے لئے اپنے کوارٹر میں چلے گئے ہیں۔ آیئے! آپ ان کے کمرے میں بیٹھ جایئے۔ میں کچھ دیر بعد انہیں بلا لاؤں گا۔" شگن نے کہا۔ بد ہیئت ہونے سے قطع نظر اس کے لہجے میں بڑی شائستگی تھی۔

زریاب نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا میز پر رکھ دیا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر اس کے ساتھ اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آگئی۔ یہ سٹیشن ماسٹر کا کمرہ تھا۔ یہاں بھی

ایک لالٹین روشن تھی۔ یہ کمرہ سٹیشن ماسٹر کا دفتر بھی تھا اور بکنگ آفس بھی۔ ایک کھڑکی کے قریب کاؤنٹر کی طرح لکڑی کا چوڑا سا تختہ لگا ہوا تھا جس کے ایک طرف الماری کی طرح کھلنے والا وہ آہنی صندوق رکھا تھا جس میں ٹکٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ٹکٹوں پر تاریخ پنچ کرنے والی مشین بھی تھی۔ کھڑکی بند تھی۔ اس کے باہر کی طرف غالباً برآمدہ بھی تھا۔ کمرے میں دوسری طرف ایک میز تھی جس پر دو تین رجسٹر رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف وہ آلہ نصب تھا جس میں دوسرے سٹیشنوں سے بات کی جا سکتی تھی۔ اس کمرے میں دو کرسیاں تھیں۔

"آپ بیٹھئے بی بی جی۔" شگن نے کہا۔ "پیاس لگ رہی ہے تو پانی پلاؤں؟"

"ہاں..... ایک گلاس پانی مل جائے تو بہت شکر گزار ہوں گی۔" زریاب نے کہا۔

شگن نے میز پر رکھا ہوا شیشے کا گلاس اٹھایا اور باہر رکھے ہوئے مٹکے سے پانی لے آیا۔ زریاب ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی۔ موسم گرم ہونے کے باوجود پانی ٹھنڈا تھا۔

"سندس محل یہاں سے کتنی دور ہے؟" زریاب نے خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تقریباً چار کوس کا فاصلہ ہے۔ پورا راستہ جنگل میں سے گزرتا ہے۔" شگن نے جواب دیا۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "آپ اس حویلی میں کیوں جانا چاہتی ہیں بی بی جی.....؟ معاف کیجئے یہ ایک ذاتی سا سوال ہے مگر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔"

"وہ ہماری خاندانی حویلی ہے۔" زریاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہاں ہمارے ایک بزرگ رہتے ہیں نمران سندس، میں ان سے ملنے کے لئے آئی ہوں۔ تم نے یہ نام سنا ہوگا۔ دیکھا بھی ہوگا۔"

"صرف نام سنا ہے۔ کبھی دیکھا نہیں۔" شگن نے جواب دیا۔

"یہاں قرب و جوار میں کوئی بستی نہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

"سٹیشن کے دوسری طرف تقریباً دو کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ مگر اس گاؤں والے اس طرف بہت کم آتے ہیں۔ اگر انہیں کبھی ٹرین میں سفر کرنا ہو تو اس سے آگے والے سٹیشن پر جاتے ہیں۔ وہ سٹیشن اس گاؤں سے تقریباً پانچ کوس کے فاصلے پر ہے۔ سٹیشن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے ساتھ ایک قصبہ بھی ہے اور وہاں سے گاؤں آنے جانے کے لئے تانگے اور ریڑھے مل جاتے ہیں۔ اس گاؤں کے علاوہ ہمارے اس سٹیشن کے قرب وجوار میں کوئی اور بستی نہیں ہے۔ البتہ جنگل میں وہ قدیم حویلی ہے جسے آپ سندس محل کہہ رہی ہیں۔ لیکن کوئی اس طرف نہیں جاتا۔ اس حویلی کے بارے میں بڑی عجیب وغریب داستانیں مشہور ہیں۔ لوگ اس طرف جاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یوں بھی اس طرف کوئی بستی تو ہے نہیں۔"

"عجیب وغریب داستانیں!" زریاب نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں سمجھی نہیں؟"

"وہ حویلی نمران نامی ایک جاگیردار کی ملکیت ہے۔" شگن نے کہا۔ "بڑی لمبی چوڑی جاگیر ہے اس کی۔ یہ ریلوے لائن بھی اس کی جاگیر سے گزرتی ہے۔ حکومت سالانہ ٹیکس دیتی ہے اسے.... میلوں میں پھیلی ہوئی ہے اس کی جاگیر..... سنا ہے کسی زمانے میں یہ جاگیر بڑی زرخیز ہوا کرتی تھی لیکن نمران کے دادا کے زمانے سے زمینیں ویران ہونا شروع ہو گئیں۔ کاشتکار زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ لہلہاتی فصلوں کی جگہ خودرو کانٹے، جھاڑیاں اور درخت پھیلتے چلے گئے۔ نمران کے باپ نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ پھر نمران نے یہ کوشش جاری رکھی۔ سنا ہے جوانی میں وہ بڑا ظالم آدمی تھا۔ بچے کھچے کاشتکار بھی بھاگ گئے۔ نمران کے ظلم نے اپنی ہی جاگیر میں بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیں۔ جاگیر ویران ہوتی چلی گئی۔ اب چند مربع رہ گئے ہیں جن پر کاشت ہوتی ہے باقی زمینوں پر جنگل پھیل گئے ہیں۔ یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ نمران ظالم ہونے کے ساتھ عیاش بھی تھا۔ اس کے لئے شہر سے خوبصورت عورتیں بلائی جاتی تھیں۔ اکثر عورتوں کے بارے میں یہ سنا ہے کہ وہ حویلی میں داخل ہونے کے بعد واپس نہیں گئیں۔ ان کا کوئی سراغ نہیں ملا کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ مجھے اس سٹیشن پر کام کرتے ہوئے چھ سال ہو چکے ہیں لیکن میں نے جاگیردار نمران کو کبھی نہیں دیکھا۔ سنا ہے وہ گزشتہ ایک سال سے بیمار ہے۔ مہینے میں ایک دو مرتبہ شہر سے ڈاکٹر آکر اسے دیکھ جاتا ہے۔ البتہ اس کے ملازم کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ شہر آنے جانے کے لئے یہیں سے ٹرین پر سوار ہوتا ہے اور یہیں اترتا ہے۔ وہ بھی بڑا عجیب آدمی ہے۔ اسے کبھی کسی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔"

"تم کہنا چاہتے ہو کہ وہ حویلی پراسرار ہے۔" زریاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ویسے اس حویلی اور نمران کے بارے میں باتیں سن کر اس کے دل میں ایک عجیب سا خوف بیٹھتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں اسے بھی تو دھوکے سے نہیں بلایا جا رہا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ وہ بھی ایک مرتبہ حویلی میں داخل ہونے کے بعد باہر کی دنیا نہ دیکھ سکے گی؟ لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ نمران نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور طویل عرصے سے بیمار ہے۔ شگن کی باتوں سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ بھلا ایک بیمار بوڑھے سے اسے کیا خطرہ ہو سکتا تھا؟ اور پھر وہ ایک مشن لے کر نکلی تھی۔ اپنے خاندان کی حقیقی تاریخ مرتب کرنے کے لئے وہ چھوٹے موٹے خطرات سے با آسانی نمٹ سکتی تھی۔ تعلیم کے دوران اس نے مارشل آرٹس کی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ بلیک بیلٹ حاصل کرنے کے بعد اس نے سیکنڈ ڈان اور پھر تھرڈ ڈان کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ اس نے کئی بڑے بڑے مقابلے جیتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں سے نمٹنا خوب جانتی تھی، اور پھر حویلی میں اسے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو نمران کے پاس موجود اس خاندان سے متعلق دستاویزات دیکھنے جا رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ بی بی جی؟"

"اوہ..... کچھ نہیں۔" زریاب شگن کی آواز سن کر چونک گئی۔ "یہاں اگلی ٹرین کب آتی ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"اگلی گاڑی اب صبح چار بجے درویش پور کی طرف سے آئے گی۔ اس سے پہلے کوئی مسافر گاڑی نہیں۔ البتہ دو بجے کے لگ بھگ ایک مال گاڑی آنے والی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو مال گاڑی رکوا کر آپ کو گارڈ کی بریک میں بٹھایا جا سکتا ہے۔" شگن نے کہا۔

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" زریاب نے کہا۔ "میں تو بہت دور سے آئی ہوں۔ نمران سے ملاقات کئے بغیر واپس نہیں جا سکتی۔ کیا اس وقت وہاں جانے کا کوئی بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"[illegible] بی بی جی۔" شگن نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس سٹیشن پر صرف تین آدمی ہیں۔ ایک سٹیشن ماسٹر، ایک میں اور تیسرا ایک اور پوائنٹ مین۔ میرا خیال ہے ہم تینوں میں سے کوئی بھی [illegible] نہیں کر سکتا۔ راستہ بھی خطرناک ہے۔ جنگل میں

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بھیڑیوں اور سوروں کا بھی خطرہ ہے۔"

"لیکن میں اسی وقت وہاں جانا چاہتی ہوں۔" زریاب نے کہا۔

"میں سٹیشن ماسٹر صاحب کو دیکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ کھانا کھا چکے ہوں گے۔" شگن کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

زریاب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ پونے آٹھ بجے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد شگن سٹیشن ماسٹر کے ساتھ واپس آ گیا۔ ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس نے بھی نیلی وردی پہن رکھی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا پاجامہ اور ڈھیلی ڈھالی قمیص، سٹیشن ماسٹر نے سفید پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ ایک نوجوان آدمی تھا۔

"بی بی.... آپ اس وقت حویلی کیوں جانا چاہتی ہیں؟" وہ زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ شگن نے غالباً اسے زریاب کے بارے میں بتا دیا تھا۔ "میرا مشورہ ہے کہ آپ اس وقت حویلی کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ رات میرے کوارٹر میں گزار لیں۔ صبح ہم میں سے کوئی بھی آپ کو وہاں چھوڑ آئے گا۔ ویسے بہتر تو یہی ہے کہ آپ حویلی جانے کا خیال ہی ذہن سے نکال دیں۔ اگر آپ کہیں تو آپ کو دو بجے والی مال گاڑی سے بھجوایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں۔" زریاب نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میں خالی ہاتھ واپس جانے کے لئے تو نہیں آئی۔ اگر آپ لوگوں میں سے کوئی میرے ساتھ جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تو مجھے راستہ بتا دیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے پیروں کے قریب رکھا ہوا سوٹ کیس بھی اٹھا لیا تھا۔

"اگر آپ اس وقت جانا بہت ہی ضروری سمجھتی ہیں تو میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چند منٹ رک جائیے میں آتا ہوں۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ اس کا نام کمال تھا وہ تیزی سے دفتر سے نکل گیا۔ اس کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ ہوائی چپل اتار کر جوتے پہن آیا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی بھی تھی جس کے سرے پر گنڈاسے کی طرح تقریباً ایک فٹ لمبا اور ایک بالشت چوڑا کلہاڑی کا پھل لگا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر دوسرے ہاتھ میں زریاب کا سوٹ کیس پکڑ لیا۔

"چلئے بی بی جی۔" اس نے کہا۔ پھر سٹیشن ماسٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں سال

گاڑی کے وقت سے پہلے واپس پہنچ جاؤں گا۔"

سٹیشن ماسٹر نے زریاب کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی کمال کے ساتھ دفتر سے باہر نکل آئی۔

سٹیشن کی عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر تین چار کوارٹرز تھے جن کے گرد سوکھی ہوئی جھاڑیوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ وہ ان کوارٹرز کی پشت سے ہوتے ہوئے ایک پگڈنڈی پر چلنے لگے۔

اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ ہلکی سی چاندنی میں ماحول کچھ اور پراسرار اور خوفناک ہو گیا تھا۔ قد آور درخت بھوتوں کی طرح جھومتے ہوئے لگ رہے تھے۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جنگل شروع ہو گیا۔ یہاں راستہ بھی کسی حد تک کشادہ ہو گیا تھا۔ درختوں کی شاخوں سے ٹکرا کر سنسناتی ہوئی ہوا اور حشرات الارض کی آوازیں زریاب کے دل پر خوف طاری کر رہی تھیں۔ وہ کمال کے ساتھ قدم ملا کر چلتی رہی۔ کمال بھی خوفزدہ تھا۔ وہ دونوں اپنا خوف زائل کرنے کے لئے اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ کمال اسے اپنے بارے میں بتا رہا تھا کہ وہ پندرہ سال سے اس چھوٹے سے سٹیشن پر کام کر رہا ہے۔ اس کا گھر درویش پور میں ہے اور مہینے میں ایک آدھ بار گھر چلا جاتا ہے۔ ان پندرہ برسوں کے دوران اس نے جاگیردار نمران کو صرف دو مرتبہ دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے مہمانوں کو لینے کے لئے سٹیشن آیا تھا اور دوسری مرتبہ انہیں چھوڑنے کے لئے۔ یہ بھی کئی سال پہلے کی بات تھی۔ نمران کے پاس موٹر کار تھی۔ اگر اسے کہیں آنا جانا ہوتا تو موٹر کے ذریعے جنگل کے اوپر والے راستے سے درویش پور چلا جاتا اور وہاں سے کسی ایکسپریس ٹرین پر سفر کرتا۔ پچھلے ایک سال سے وہ یہی سنتا آیا تھا کہ نمران بیمار ہے۔

وہ باتیں کرتے ہوئے تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کر چکے تھے۔ کمال خاموش ہوا تو زریاب کو اچانک ہی یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو۔ اس نے تیزی سے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے قدموں کی چاپ صاف طور پر سن لی تھی۔ وہ اسے اپنا واہمہ سمجھ کر کمال کے ساتھ دوبارہ تیز تیز چلنے لگی۔

تقریباً نصف میل کا فاصلہ اور طے ہو گیا اور پھر اچانک اپنے قریب کسی کتے کے رونے کی آواز سن کر وہ اچھل کر کمال کے قریب ہو گئی۔ اس کا دل اس تیزی سے دھڑکنے لگا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جیسے سینے کی ہڈیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل جائے گا۔

"کوئی بھیڑیا ہے۔" کمال نے کہا۔ "تم اس طرف آجاؤ اور تیز تیز چلنے کی کوشش کرو اور یہ سوٹ کیس سنبھال لو تاکہ اگر بھیڑیا حملہ آور ہو تو میں اس کا مقابلہ کر سکوں۔"

اس نے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ سوٹ کیس میں اگرچہ دو تین جوڑے کپڑے اور ایک ڈائری تھی۔ مگر زریاب کو یہ سوٹ کیس اس وقت منوں وزنی لگ رہا تھا۔ وہ کمال کے ساتھ تیز قدم اٹھا کر چلنے کی کوشش کرتی رہی۔ بھیڑیے کے رونے کی آواز اب دور ہوتی جا رہی تھی۔

زریاب کو ایک بار پھر اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن نجانے کیوں زریاب کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس تاریک جنگل میں کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ کوئی جانور نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی قدموں کی آواز وہ پہچانتی تھی۔ اس کے دل پر خوف کچھ اور گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

"اور کتنی دور جانا ہو گا کمال؟" زریاب نے کپکپائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ وہ کمال کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"تقریباً دو میل۔" کمال نے جواب دیا۔ "ڈرو مت۔ میرے ساتھ چلتی رہو۔"

وہ تیز تیز چلتے رہے۔ کمال نے خوف کا اثر زائل کرنے کے لئے ٹپے گانا شروع کر دیئے۔ اس کی آواز بڑی پاٹ دار تھی۔ کچھ ہی دیر بعد کسی بھیڑیئے کے رونے جیسی آواز بھی اس کی آواز میں شامل ہو گئی۔ خوفزدہ ہونے کے باوجود زریاب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

تقریباً نصف میل کا فاصلہ اور طے ہونے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی ندی پر پہنچ گئے۔ وہاں چھوٹی سی پلیا تھی۔ پلیا پر سے گزرتے ہوئے زریاب نے ندی کی طرف دیکھا۔ گدلے پانی میں چاند کا دھندلا سا عکس لرزتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس لمحے زریاب پھر اچھل پڑی۔ بائیں طرف ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے کسی نے چھلانگ مار کر ندی پار کی ہو۔ "دھب" کی آواز اس نے صاف طور پر سنی تھی۔

"کمال!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ قدموں کی آواز سنی تھی۔ ابھی ابھی ایسی آواز سنائی دی ہے جیسے کسی نے چھلانگ لگا کر

ندی پار کی ہو۔"

"دھب کی آواز میں نے بھی سنی تھی۔" کمال نے کہا۔ "ممکن ہے کوئی جانور ہو۔ ویسے یہ بھیڑیے بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ دور تک اپنے شکار کا پیچھا کرتے ہیں اور غافل پا کر حملہ کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی بھیڑیا ہو لیکن اسے ہم پر حملہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"نہیں! وہ کوئی جانور نہیں ہو سکتا۔" زریاب کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ "حویلی اب کتنی دور رہ گئی ہے؟"

"اب زیادہ دور نہیں۔ تیز تیز چلتی رہو۔" کمال نے جواب دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں وہ راستہ دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ کمال نے ایک بار پھر اونچی آواز میں ٹپے گانا شروع کر دیئے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد درخت چھدرے ہونے شروع ہو گئے اور پھر اچانک ہی زریاب کے قدم رک گئے۔ کمال بھی رک گیا تھا۔ زریاب سامنے دیکھ رہی تھی جہاں اونچی جگہ پر وہ حویلی نظر آ رہی تھی۔ حویلی خاصے فاصلے پر تھی۔ چاندنی میں اس کا ہیولہ بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ اس حویلی کو دیکھ کر نجانے کیوں زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

"ہاں.... وہی جاگیردار نمران کی حویلی ہے۔" کمال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زریاب کے خیال میں حویلی کا فاصلہ اب بھی دو تین فرلانگ سے کم نہیں تھا۔ وہ دونوں چند لمحے وہاں کھڑے رہے۔ اسی لمحے بائیں طرف سے جھاڑیوں کی خشک شاخیں چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسے لگا جیسے کوئی بہت محتاط ہو کر جھاڑیوں میں چلنے کی کوشش کر رہا ہو اور سوکھی ہوئی شاخیں پیروں کے نیچے آ کر دب رہی ہوں۔

"چلو کمال!" زریاب خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "جلدی چلو یہاں سے۔"

وہ دونوں ایک بار پھر تیز تیز چلنے لگے۔ ابھی انہوں نے تقریباً بیس گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ بائیں طرف ایک بار پھر جھاڑیوں میں خشک شاخوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ کمال بھی سہم گیا۔ اسے بھی شبہ ہوا کہ یہ کوئی جانور نہیں ہو سکتا۔

"کک.... کون ہے؟ اس طرف کون....."

اس کا جملہ مکمل نہیں ہو سکا۔ ٹے کی آواز کے ساتھ کوئی چیز جھاڑیوں کی طرف

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے آئی۔ مدھم چاندنی میں وہ چیز اس طرح چمکی جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ زریاب اس کی زد میں تھی مگر غیر ارادی طور پر وہ تیزی سے نیچے جھک گئی۔ بجلی کا سا کوندا اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ اس کے ساتھ ہی کمال کی ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔

کمال چیخ کر نیچے گرا تھا اور بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر زریاب کے منہ سے بھی ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور کمال کی طرف دیکھنے لگی جو زمین پر پڑا ہاتھ پیر پٹخ رہا تھا۔ زریاب ابھی تک سمجھ نہیں سکی تھی کہ کمال کو کیا ہوا تھا۔ وہ تو اسے چیخ کر گرتے دیکھ کر خود بھی خوفزدہ ہو کر چیخی تھی۔

زریاب آہستہ آہستہ کمال کے اوپر جھک گئی۔ کمال بے حس و حرکت ہو گیا تھا اور اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"کمال.... کیا ہوا؟" زریاب نے ہولے سے پکارا اور پھر اسے پکڑ کر سیدھا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خنجر کو دیکھ رہی تھی جو کمال کے حلق میں پیوست تھا۔

خوف کی شدت سے زریاب کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور مڑ کر ان جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگی جہاں سے وہ خنجر پھینکا گیا تھا۔ جھاڑیوں میں ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی اور زریاب وحشیانہ انداز میں چیختی ہوئی حویلی کی طرف دوڑنے لگی۔

زریاب کو جھاڑیوں میں بھی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ کوئی شروع ہی سے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ انتہائی خوفزدہ ہونے کے باوجود یہ خیال زریاب کے لئے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا کہ وہ کون ہو سکتا تھا؟

دوڑتے ہوئے راستے میں پڑی ہوئی ایک شاخ سے اس کا پیر الجھا اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ہوا سے ہلتی ہوئی جھاڑیاں اور درختوں کی شاخیں بڑا خوفناک تاثر دے رہی تھیں۔

دفعتاً کسی بھیڑیے کے رونے کی سی آواز سن کر وہ کچھ اور بدحواس ہو گئی۔ اسی وقت دائیں طرف سے جھاڑیاں ہلنے کی آواز سنائی دی۔ زریاب نے اس طرف دیکھا اور

کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک سائے نے جھاڑیوں سے نکل کر اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔

وہ تیزی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ کوئی بھیڑیا تھا جس نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ وہ اگر ایک طرف نہ ہٹ جاتی تو اس کی زد میں آ جاتی لیکن اس کے ایک طرف ہٹ جانے سے بھیڑیا اپنی ہی جھونک میں آگے نکل گیا۔ لیکن پھر وہ دوسرے ہی لمحے سنبھل کر پلٹا۔

زریاب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ درخت کی ٹوٹی ہوئی موٹی سی شاخ اس کے قریب پڑی تھی جس سے الجھ کر وہ گری تھی۔ اس نے جلدی سے ڈنڈے جیسی وہ شاخ اٹھالی اور اسے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ بھیڑیا اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا غرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بلور کی طرح تاریکی میں چمک رہی تھیں۔ پھر دفعتاً بھیڑیے نے چھلانگ لگا دی۔ زریاب نے دونوں ہاتھوں سے ڈنڈا گھما دیا۔ ڈنڈا بھیڑیے کی کھوپڑی پر لگا۔ پہلے وہ زمین پر گرا، پھر اٹھ کر چیختا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔

زریاب نے ڈنڈا پھینک دیا اور ایک بار پھر حویلی کی طرف دوڑنے لگی۔ اب اگرچہ اسے اپنے ساتھ کسی اور کے دوڑنے کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں لیکن اسے یقین تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس کے آس پاس ہی کہیں موجود ہے اور اس پر حملہ آور ہونے کے لئے موقع کی تلاش میں ہے۔

زریاب کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے ایک بار پھر گر گئی۔ وہ دونوں ہاتھ زمین سے ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کا سانس لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ منہ سے کف بہہ رہا تھا۔ اس پر دہشت طاری تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بائیں طرف خشک جھاڑیاں چٹخنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے پورے جسم پر خوف کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ زور زور سے چیخنا چاہتی تھی مگر اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر یہ سوال اُبھرا کہ وہ کون ہو سکتا ہے جو اسے حویلی تک جانے سے روکنا چاہتا ہے۔ اس کے ذہن میں سٹیشن ماسٹر اور بدہیئت شکن کا خیال ابھرا تھا۔ لیکن یہ ان میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے رہے تھے۔ ان کا حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اس کے دشمن کیوں ہونے لگے۔

خشک جھاڑیوں کے چٹخنے کی آواز پھر سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شخص اس کے آس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پاس ہی موجود ہو۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے بھیڑیوں کے رونے جیسی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں اس طرف سے آ رہی تھیں جہاں وہ کمال کی لاش چھوڑ کر آئی تھی۔

وہ ایک بار پھر اٹھ کر بھاگنے لگی۔ وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئی۔ قلعہ نما یہ حویلی ایک اونچے ٹیلے پر تھی۔ اس کا دروازہ بھی خاصا بلندی پر تھا اور دروازے تک پہنچنے کے لئے ایک کشادہ راستہ تھا۔ وہ اسی راستے پر دوڑتی چلی گئی۔ اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کے قدموں کی آوازیں بھی اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔

حویلی کے دروازے سے چند گز کے فاصلے پر اچانک ہی ایک انسانی ہیولے نے اس کا راستہ روک لیا۔ زریاب سنبھلنے کی کوشش میں گر گئی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ انسانی ہیولا اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔ چاندنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ پچکی ہوئی ناک اور ترچھی آنکھیں۔ زریاب کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ وہ تیورا کر گری اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆

زریاب کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک مسہری پر پڑے ہوئے پایا۔ پرانے طرز کی یہ مسہری کافی کشادہ تھی۔ جب یہ بنائی گئی ہو گی تو اس پر کینوس بھی ہو گی لیکن اب کینوس نہیں تھی۔ چاروں پایوں پر اوپر کی طرف پتلے بانس کے ڈنڈے لگے ہوئے تھے۔ یہ ڈنڈے غالباً مچھر دانی تاننے کے لئے لگائے گئے تھے لیکن اس وقت ان ڈنڈوں پر مچھر دانی بھی نہیں تھی۔

زریاب مسہری پر چت لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ چھت خاصی اونچی تھی۔ اس پر ستارے سے جھلملا رہے تھے۔ وہ پہلے تو یہی سمجھی تھی کہ آسمان کے نیچے پڑی ہے لیکن جب اس کے حواس کسی قدر بحال ہوئے تو اسے احساس ہوا کہ اس کے سر پر کھلا آسمان نہیں چھت ہے۔ جب یہ حویلی تعمیر کی گئی تھی تو چھت پر شیشے کے ٹکڑوں سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ امتداد زمانہ سے شیشے کے بیشتر ٹکڑے گر گئے تھے اب چھت پر کہیں کہیں شیشے کا کوئی ٹکڑا اٹکا رہ گیا تھا اور شیشے کے یہ ٹکڑے اس طرح چمک رہے تھے جیسے آسمان پر بہت دور ستارے جھلملا رہے ہوں۔

زریاب کا سر بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس نے سر کو ہلکے ہلکے دو تین جھٹکے دیئے اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے اور وہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔ جب اس کے حواس پوری طرح بحال ہوئے تو اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ وہ ریلوے سٹیشن کے ایک ملازم کمال کے ساتھ حویلی کی طرف آ رہی تھی۔ جنگل میں کسی پراسرار آدمی نے اسے خنجر مار کر قتل کر دیا تھا اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتی ہوئی کسی نہ کسی طرح حویلی کے گیٹ کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ لیکن حویلی کے گیٹ تک پہنچنے سے پہلے کسی نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ ریلوے ملازم بد ہیئت ترچھی آنکھوں والا شگن تھا جسے دیکھ کر اس کا خوف اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور اس کا ذہن تاریکی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں ڈوبتا چلا گیا۔ لیکن اسے یہاں کون لایا؟ وہ اپنے جسم کے مختلف حصوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگی۔ وہ ٹھیک ٹھاک تھی۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔

زریاب مسہری سے اتر آئی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ یہ کمرہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ آتش دان کے کارنس پر ایک لیمپ روشن تھا۔ اتنے بڑے کمرے کے لئے یہ لیمپ ناکافی تھا لیکن بہر حال اس کی روشنی ڈھارس بندھانے کے لئے کافی تھی۔ آتش دان کے قریب ایک ٹیبل پر اپنا سوٹ کیس رکھا ہوا دیکھ کر وہ چونک گئی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب جنگل میں کمال کو خنجر سے حملہ کر کے قتل کیا گیا تھا تو وہ خوفزدہ ہو کر بھاگی تھی اور سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر وہیں گر گیا تھا۔ یہ سوٹ کیس یہاں کیسے آیا؟ پھر خود ہی اس نے اپنے سوال کا جواب بھی گھڑ لیا۔ شاید شگن لے کر آیا ہو۔ اسے بھی شاید شگن ہی اٹھا کر حویلی کے اندر لایا ہو گا۔ لیکن دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا۔ کیا یہ واقعی حویلی تھی یا کوئی اور جگہ تھی؟

اس نے سوٹ کیس کی طرف دیکھا۔ اس پر مٹی لگی ہوئی تھی اور پھر تالے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔ تالا کھلا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اپنی چیزیں چیک کرنے لگی۔ کپڑوں کے تین چار جوڑے، ڈائری اور ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ سوٹ کیس کی زپ والی جیب میں وہ رقم بھی جوں کی توں موجود تھی جو اس نے حفاظت کے خیال سے وہاں رکھی تھی۔ اس نے ڈائری اٹھا کر کھولی اور پھر دوسرے لمحہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

گھر سے روانگی سے پہلے اس نے اپنے خاندان کے بعض بزرگوں کی چند تصویریں براؤن رنگ کے ایک لفافے میں ڈال کر وہ لفافہ ڈائری میں رکھا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تصویریں نمران کو دکھا کر کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گی، شاید کوئی قریبی تعلق نکل آئے۔ لیکن اب تصویروں والا لفافہ غائب تھا۔

اس نے ڈائری رکھ کر سوٹ کیس بند کر دیا اور سوچنے لگی کہ وہ لفافہ کس نے نکالا ہو گا۔ لیکن اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب اس کے ذہن میں نہیں آ سکا۔ اگر وہ واقعی حویلی میں تھی تو ابھی تک کوئی آدمی اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ کسی کے بارے میں کیا سوچ سکتی تھی۔ البتہ شگن کا خیال بار بار اس کے ذہن میں آ رہا تھا۔ حویلی کے گیٹ کے سامنے

اس کا راستہ شگن ہی نے روکا تھا۔ ہو سکتا ہے سوٹ کیس بھی جنگل سے وہی اٹھا کر لایا ہو اور تصویروں والا لفافہ بھی اسی نے نکالا ہو۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس نے تصویریں کیوں نکالی تھیں؟ حالانکہ سوٹ کیس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ وہ یہ رقم نکال سکتا تھا۔

شگن کے بارے میں زریاب کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ وہ ریلوے کا ملازم تھا اور بقول اس کے وہ گزشتہ چھ سال سے اس چھوٹے سے سٹیشن پر کام کر رہا تھا۔ اس کا اس حویلی سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ شگن نے تو اس کے سامنے نمران کی بہت برائی کی تھی۔ نمران اور اس قدیم حویلی کے حوالے سے اس کے دل میں خوف بٹھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے نمران جیسے شخص سے شدید نفرت تھی۔ لیکن وہ اس کے تعاقب میں حویلی تک کیوں پہنچ گیا تھا اور اس نے اپنے ساتھی کمال کو قتل کیوں کر دیا تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ وہ خنجر خود اسے قتل کرنے کے لئے تو نہیں پھینکا گیا تھا؟ وہ پھرتی سے نیچے جھک کر بچ گئی تھی اور خنجر کمال کے حلق میں پیوست ہو گیا تھا۔ اگر وہ جھک نہ جاتی تو خنجر اس کے سینے میں پیوست ہوتا۔ یہ سوچتے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔ اس پر ایک بار پھر خوف طاری ہونے لگا۔ اس نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی محرابی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن یہ جان کر اس کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی کہ دروازہ باہر سے بند تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس کمرے میں قید کر دی گئی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آمنے سامنے کی دیواروں میں دو روشن دان تھے لیکن یہ روشن دان اتنے اونچے تھے کہ وہاں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔ روشن دانوں کے باہر تاریکی تھی۔

زریاب گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ بائیں طرف دیوار پر ایک بہت بڑی پینٹنگ آویزاں تھی۔ لیمپ کی روشنی پوری طرح وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ کارنس سے لیمپ اٹھا کر لے آئی اور اس کی روشنی میں وہ پینٹنگ دیکھنے لگی۔ وہ لینڈ سکیپ تھا۔ مصور جو کوئی بھی تھا اس نے تصویر کشی میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ چاندنی رات میں کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر ایک حسین عورت گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے اداس سی بیٹھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی۔ چاندنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اداس ہونے کے باوجود وہ بڑا پر کشش چہرہ تھا۔ موٹی موٹی غزالیں آنکھوں میں بھی ویرانی جھلک رہی تھی۔ پس منظر میں ایک قلعہ نما حویلی تھی۔ چاندنی کے حوالے سے حویلی کی عمارت میں جو تاثر پیدا کیا گیا تھا وہ بہت ہی پراسرار تھا۔ مصور نے بڑی خوبصورتی سے اس تصویر میں حقیقت کا رنگ بھرا تھا۔ وہ یقیناً اس حویلی کی تصویر تھی۔ لیکن کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر بیٹھی ہوئی وہ عورت کون تھی؟ کیا حقیقت میں اس عورت کا کوئی وجود تھا یا محض تصویر بنانے والے کا تصور تھا؟

زریاب سامنے والی دیوار کے قریب آ گئی۔ وہاں بھی ایک پینٹنگ آویزاں تھی۔ یہ بھی ایک لینڈ سکیپ تھا لیکن اس میں زیادہ کشش نہیں تھی۔ وہ وہاں سے ہٹ کر آتش دان کی طرف آ گئی۔ آتش دان کے اوپر بھی دیوار پر ایک پینٹنگ آویزاں تھی۔ وہ سنہری فریم میں ایک پورٹریٹ تھا۔ سائز تین بائی تین فٹ رہا ہوگا۔ اس دیوار پر روشنی ٹھیک سے نہیں پڑ رہی تھی جس سے وہ پورٹریٹ واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ زریاب لیمپ ہاتھ میں پکڑے دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی اور لیمپ کو قدرے اوپر اٹھا کر اس پورٹریٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ لیمپ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال سکی تھی۔

اس کے سوٹ کیس سے تصویروں والا جو لفافہ چوری ہوا تھا ان میں ایک تصویر اس شخص کی بھی تھی جس کا وہ اس وقت پورٹریٹ دیکھ رہی تھی۔ اپنے باپ کے انتقال کے بعد جب اس نے سندس خاندان کے بارے میں ریسرچ کا فیصلہ کیا تھا تو خاندان کے بزرگوں کی وہ تصویریں اسے اپنے باپ کے سٹڈی روم کی میز کی ایک دراز سے ملی تھیں۔ یہ تصویریں بڑی احتیاط سے سیاہ رنگ کے ایک موٹے کاغذ میں لپیٹ کر رکھی گئی تھیں۔ اس نے اپنی والدہ سے ان تصویروں کے بارے میں پوچھا تھا۔ بعض تصویروں کے بارے میں تو اس نے بتا دیا تھا اور بعض کے بارے میں وہ بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس تصویر کے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ اس کے باپ کے آباؤ اجداد میں سے تھا لیکن وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

زریاب کو اس جھٹکے سے سنبھلنے میں چند منٹ لگ گئے۔ وہ لیمپ اوپر اٹھا کر اس تصویر کو

غور سے دیکھنے لگی۔ اس پورٹریٹ کے بارے میں بھی مصور نے اپنی بے پناہ مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ چہرہ خالص جاگیر دارانہ تھا۔ یہ تصویر اس شخص کی جوانی کے دور کی تھی۔ تصویر سے اس کی عمر کا اندازہ تیس پینتیس تک کا لگایا جا سکتا تھا۔ مچرب چہرہ، بڑی نوک دار مونچھیں، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں۔ سر پر مخصوص طرز کی بنی ہوئی ٹوپی اور ٹھوڑی پر مسور کے برابر نیلے رنگ کا تل۔ یہ تل ٹھوڑی کے عین وسط میں تھا۔ وہ بڑا وجیہہ و شکیل آدمی تھا۔ زریاب غور سے اس پورٹریٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں ٹھوڑی کے اس تل پر مرکوز تھیں۔ اسے یاد آ گیا کہ اس کے باپ کی ٹھوڑی پر بھی نیلے رنگ کا ایسا ہی تل تھا۔ وہ بھی بڑا خوبرو اور حسین آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں بھی ایسی ہی موٹی اور سیاہ تھیں۔ زریاب نے باپ کی آنکھوں میں اکثر ستاروں کی سی چمک دیکھی تھی۔ اور اس شخص کی آنکھوں میں بھی ایسی ہی چمک نظر آ رہی تھی۔ زریاب آنکھوں اور ٹھوڑی کے تل سے قطع نظر اس تصویر اور اپنے باپ کے چہرے پر کوئی اور مشابہت تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا باپ کلین شیو تھا اور صاحب تصویر کے چہرے پر بڑی بڑی نوک دار مونچھیں نظر آ رہی تھیں۔

زریاب اس پورٹریٹ کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ کمرے کی چھت پر کسی کے دوڑنے کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ یوں لگا تھا جیسے دو آدمی بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے ہوں۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے ہوں اور ان میں اٹھا پٹخ ہو رہی ہو۔

زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔ اس نے لیمپ روشندان کے کارنس پر رکھ دیا اور مسہری پر بیٹھ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔ اٹھا پٹخ کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے جسم میں خوف کی لہریں پھیلتی چلی گئیں۔ چھت پر دھینگا مشتی کی آوازیں کچھ دیر تک سنائی دیتی رہیں۔ پھر ایک کرب ناک چیخ سنائی دی جیسے کسی کو قتل کیا جا رہا ہو اور اس کے فوراً بعد ہی صرف ایک آدمی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

زریاب کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ خوف کی شدت سے اس پر ہلکا سا لرزہ طاری تھا۔ وہ بزدل نہیں تھی لیکن پے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

در پے پیش آنے والے واقعات اور پراسرار حالات نے اس کے دل ودماغ پر خوف طاری کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش اس نے سٹیشن ماسٹر کا کہنا مان لیا ہوتا اور رات وہیں رہ جاتی۔ اگر وہ سٹیشن ماسٹر کا کہنا مان کر وہیں رک جاتی تو اسے ان خوفناک اور پراسرار قسم کے حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا اور نہ ہی کمال کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ اسے کمال کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ وہ بے چارہ تو ہمدرد بن کر اس کے ساتھ آیا تھا اور مفت میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

زریاب اب کسی اور پہلو پر سوچ رہی تھی۔ وہ اپنے خاندان کے بارے میں حقیقی تاریخ مرتب کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے اس نے لوگوں سے تعاون کے لئے اخبارات میں اشتہار دیا تھا۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلا تھا۔ بہت سے لوگوں نے ٹیلی فون کالز اور خطوط کے ذریعے اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ نمران نے بھی اس سلسلے میں خط لکھ کر اسے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ حویلی میں آنا چاہتی تھی لیکن راستے میں ہی عجیب و غریب اور پراسرار حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے یہاں قید کر دیا گیا تھا۔ اس وسیع و عریض کمرے کی منقش چھت، پینٹنگ اور وہ پورٹریٹ دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ کمرہ بھی اسی حویلی ہی کا حصہ تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اسے یہاں قید کیوں کیا گیا تھا اور قید کرنے والے کون تھے؟ اگر نمران نے اسے قید کیا تھا تو کیوں؟ وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟

سٹیشن پر شگن اور پھر راستے میں کمال کی باتوں سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ نمران کا تعلق سندس خاندان ہی سے تھا۔ کمرے میں آویزاں پورٹریٹ اور اس کے پاس سے چوری ہونے والی تصویر سے بھی یہ ثابت ہو گیا تھا کہ نمران کی اس حویلی اور اس کے باپ میں کوئی تعلق ضرور ہے۔ لیکن اس کے باپ نے کبھی نمران یا کسی جاگیر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کے باپ کے پاس اس تصویر کی موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

زریاب جیسے جیسے سوچتی اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ یہ الجھن نمران سے ملاقات اور گفتگو کے بعد ہی ختم ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے نمران صبح اس کے سامنے آئے لیکن اس کمرے کی چھت پر آپس میں لڑنے والے کون تھے؟ ان میں غالباً ایک آدمی مارا گیا تھا۔ اس کربناک چیخ سے تو کم از کم یہی تاثر ملتا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کا دماغ چکرا گیا اور سر دکھنے لگا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ دروازہ اب صبح سے پہلے نہیں کھلے گا۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا۔ تین بجنے والے تھے۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔ پراسرار اور خوفناک صورتحال سے دوچار ہونے کے باوجود اس کی پلکیں جھکنے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

☆

ایک خوفناک دھماکہ کی آواز سے زریاب کی آنکھ کھل گئی۔ وہ بدحواس سی ہو کر اٹھ گئی۔ اس کے دماغ میں ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ وہ زور زور سے سر جھٹکنے لگی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا۔ لیکن وہ خواب نہیں تھا۔ دھماکے کی اس زوردار آواز کے بعد کچھ ایسی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی عمارت گر رہی ہو۔ اس نے چھت کی طرف دیکھا۔ وہ ڈر گئی تھی کہ کہیں چھت اس پر نہ آن گرے۔

اور پھر اس پر ایک اور حقیقت کا انکشاف ہوا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر سر جھٹکتے ہوئے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے نو بجنے والے تھے۔ وہ تقریباً چھ گھنٹے سوئی تھی۔ اگر دھماکے کی آواز سنائی نہ دیتی تو شاید وہ اور بھی دیر تک سوئی رہتی۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھی رہی۔ پھر مسہری سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ دروازے کی دہلیز کے باہر قدم رکھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ اس کے ذہن پر عجیب سا خوف طاری تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اسے دوبارہ اندر دھکیل دیا جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

دروازے کے باہر کوئی نہیں تھا۔ دائیں بائیں ایک طویل برآمدہ تھا جس کے آگے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ برآمدے کے ستون اتنے بڑے تھے کہ دو آدمی مل کر بھی اسے اپنی باہوں کے حصار میں نہیں لے سکتے تھے۔ وہ ایک ستون کے پاس آ کر رک گئی اور خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

سامنے ایک وسیع میدان تھا جس کے وسط میں ایک دو منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس عمارت کے پچھلی طرف خاصے فاصلے پر ایک مستطیل دو منزلہ عمارت تھی۔ اس کے سامنے بھی ایک طویل برآمدہ تھا جس کے آگے محرابیں بنی ہوئی تھیں۔

دائیں طرف بھی ایک دو منزلہ عمارت تھی اور بائیں طرف خاصی دُور فصیل نما دیوار میں حویلی کا اونچا گیٹ تھا۔ گیٹ کے سامنے طویل و عریض پورچ تھا۔ اور دائیں بائیں ایک ایک کمرہ تھا۔ اس کمروں کا ایک ایک دروازہ گیٹ کی طرف بھی کھلتا تھا۔ زریاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جب یہ قلعہ نما حویلی آباد ہوگی تو گیٹ کے دونوں طرف محافظ کھڑے رہتے ہوں گے۔

حویلی چھوٹی سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی تعمیر میں چونا اور سفید رنگ کا کوئی مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔ وہ ستون کے پاس کھڑی بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اینٹوں کے اندر کہیں کہیں سے مسالہ نکل رہا تھا لیکن مجموعی طور پر وہ ستون خاصا مضبوط نظر آرہا تھا۔

زریاب متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے ابھی تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ کمرے کا دروازہ کس نے کھولا تھا اور دروازہ کھولنے والا کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اسے حویلی کا کوئی ایسا حصہ بھی دکھائی نہیں دیا تھا جو کچھ دیر پہلے زمین بوس ہوا ہو۔ لیکن پھر کسی عمارت کے گرنے کی وہ آواز کیسی تھی؟

زریاب کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اس کے باپ کا اس حویلی سے کوئی تعلق تھا تو اس نے کبھی اس کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی بائیں طرف برآمدے کے ساتھ آگے کو نکلے ہوئے کشادہ پورچ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ برآمدے میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی پورچ کی طرف چلنے لگی۔ وہ پورچ اس عمارت کے درمیان میں تھا۔ چند کمرے دائیں طرف تھے اور چند کمرے بائیں طرف۔ پورچ میں ایک طرف اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی تھیں۔

زریاب نے پورچ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رُکی اور پھر چھت پر آگئی۔

دھوپ تیز ہو رہی تھی اور اس میں خاصی چمک تھی۔ زریاب چھت پر سیڑھیوں کے قریب کھڑی دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ بہت لمبی چوڑی چھت تھی۔ اس ایک چھت کے نیچے

کئی کمرے تھے۔ دفعتاً اسے یاد آگیا کہ رات کو اس نے چھت پر دھینگا مشتی اور پھر کسی کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔ وہ اس طرف دیکھنے لگی جس طرف اس کا کمرہ تھا۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ وہاں کوئی لاش نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید لاش کسی وقت اٹھالی گئی ہوگی لیکن اگر اس شخص کو قتل کیا گیا تھا تو وہاں خون ضرور ہونا چاہئے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چھت کے اس حصے پر آگئی جہاں اس کا کمرہ ہو سکتا تھا لیکن اسے خون کا دھبہ یا معمولی سا نشان بھی دکھائی نہیں دیا۔ پوری چھت پر دھول کی ہلکی سی تہہ جمی ہوئی تھی اور کہیں پر کسی کے قدموں کے نشان بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ یہ اس کا واہمہ یا خواب نہیں تھا۔ رات جب یہ آوازیں سنائی دی تھیں تو وہ پوری طرح جاگ رہی تھی۔ لیکن پھر یہ سب کیا تھا؟ وہ چلتی ہوئی چھت کے دوسرے کنارے پر پہنچ گی۔ سامنے تاحد نگاہ گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل کے دوسری طرف کہیں وہ چھوٹا سا ریلوے سٹیشن تھا جہاں سے ان عجیب و غریب اور پراسرار واقعات کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ چھت کے کنارے پر آکر نیچے جھانکنے لگی۔ یہ چھت زمین کی سطح سے تقریباً بیس فٹ اونچی تھی۔ عمارت کے پچھلی طرف دس فٹ کے لگ بھگ جگہ خالی تھی اور اس کے بعد فصیل نما دیوار تھی۔

چھوٹی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی وہ دیوار اتنی چوڑی تھی کہ اس پر چھوٹی کار بے خوفی سے چلائی جاسکتی تھی۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ حویلی کتنی پرانی تھی لیکن اس کی تاریخ صدیوں پر محیط ہو سکتی تھی۔ اس کی تعمیر قلعہ نما تھی۔ پرانے زمانے میں نواب اور جاگیردار قسم کے لوگ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس قسم کی قلعہ نما عمارتیں تعمیر کیا کرتے تھے جن میں محافظ یا فوج کے چند دستے بھی رکھے جاسکتے تھے۔ اور اس قسم کی عمارتوں میں کئی کئی مہینوں کا اناج بھی جمع کر لیا جاتا تھا تاکہ دشمن کے محاصرے کی صورت میں عمارت میں محصور ہونے والے فاقہ کشی سے بچے رہیں۔

زریاب فصیل کے دوسری طرف نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ یہ فصیل کم سے کم پچاس فٹ اونچی ضرور ہوگی۔ زریاب کے خیال میں اس حویلی سے فرار ہونا اس کے لئے ممکن نہیں تھا اور غالباً اسی لئے اس کے کمرے کا دروازہ بھی کھول دیا گیا تھا۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تیز دھوپ سوئیوں کی طرح اس کے جسم میں چبھ رہی تھی۔ وہ چھت کے کنارے سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف چلنے لگی۔ اب اسے پیاس اور بھوک کا احساس بھی ہونے لگا تھا۔ اس نے کل دوپہر بارہ بجے کے لگ بھگ ٹرین میں کھانا کھایا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

وہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی کہ نیچے پورچ میں بھاری قدموں کی آواز سن کر چونک گئی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ قدموں کی وہ آواز برآمدے میں دائیں طرف چلی گئی۔ زریاب سیڑھیوں سے اتر کر پورچ سے ہوتی ہوئی برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گئی۔ اس نے جھانک کر دیکھا تو لمبے قد کا ایک آدمی ایک کمرے کے دروازے میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔ زریاب تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کمرے کی طرف بڑھی جہاں اس نے رات گزاری تھی۔

زریاب کا سانس پھولا ہوا تھا اور ایک عجیب سا خوف طاری تھا۔ وہ مسہری کی پٹی پر بیٹھ گئی اور اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ برآمدے میں قدموں کی آواز پھر سنائی دینے لگی۔ اس مرتبہ یہ آواز اسی طرف آ رہی تھی۔ قدموں کی یہ آواز جیسے جیسے قریب آتی جا رہی تھی زریاب کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر قدموں کی آواز دروازے کے قریب آ کر رک گئی۔ زریاب نے سر اٹھا کر دیکھا۔ دروازے میں ایک طویل قامت آدمی کھڑا تھا۔ باہر کی روشنی کے پس منظر میں اس شخص کا چہرہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ شخص چند لمحے دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر اندر آ گیا۔ اب زریاب اسے واضح طور پر دیکھ سکتی تھی۔

وہ لمبے قد کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ سیاہ پتلون اور سفید شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بازو کسے بھرے ہوئے مسل اس کے طاقت ور ہونے کی غمازی کر رہے تھے۔ وہ کلین شیو تھا۔ اس کے چہرے میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور بائیں آنکھ میں کسی حد تک بھینگا پن تھا۔ بال سیاہ لہریے دار تھے جو پیچھے کی طرف بنے ہوئے تھے۔

"مس زریاب!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا..... "حویلی میں آپ کے ساتھ جو زیادتی ہوئی اس کا مجھے افسوس ہے۔ دراصل خامس کو آپ کے بارے میں معلوم نہیں

تھا۔ اگر آپ کی آمد کی اطلاع ہو جاتی تو میں خود آپ کو لینے کے لئے سٹیشن پر آتا اور آپ کو تکلیف دہ صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"تم کون ہو؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ اس شخص کی شائستگی سے اسے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں بڑی مدد ملی تھی۔

"میرا نام گوپانگ ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "جاگیر کے معاملات کی دیکھ بھال کے علاوہ اس حویلی کی دیکھ بھال بھی میرے فرائض میں شامل ہے۔ میں کل رات حویلی میں موجود نہیں تھا۔ درویش پور گیا ہوا تھا۔ آج صبح سویرے واپس آیا تو خامس نے آپ کے بارے میں بتایا۔ اس احمق نے آپ کو کمرے میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ رات کو وہ چیخ کی آواز سن کر باہر نکلا تھا۔ حویلی کے گیٹ کے سامنے آپ بے ہوش پڑے دیکھ کر اندر لے آیا اور کمرے میں مسہری پر ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ آپ کون ہیں تو یقیناً آپ کی دیکھ بھال کرتا۔ لیکن بہرحال، وہ اپنے کئے پر نادم ہے۔"

"عجیب سے نام ہیں، خامس..... گوپانگ۔" زریاب بڑبڑائی۔ "کیا اس علاقے میں اسی قسم کے نام ہوتے ہیں؟"

"ناموں میں کیا رکھا ہے؟ یہ الفاظ تو کسی چیز کی شناخت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ آپ کسی کی شناخت کے لئے کوئی بھی لفظ استعمال کر لیں۔ خامس اس حویلی کا نگران ہے۔ حویلی کے امور کی دیکھ بھال کے علاوہ کھانا پکانا اور جاگیردار نمران کی خدمت بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔"

"اس حویلی میں کتنے لوگ رہتے ہیں؟" زریاب نے پوچھا۔ "تم پہلے آدمی ہو جو دکھائی دیئے ہو۔ تمہارے علاوہ تو مجھے یہاں اور کوئی نظر نہیں آیا۔"

"حویلی میں زیادہ لوگ نہیں ہیں۔" گوپانگ نے جواب دیا۔ "جاگیردار نمران، خامس اور ایک نرس جو جاگیردار نمران کی دیکھ بھال کے لئے وقتی طور پر یہاں لائی گئی ہے اور میں زیادہ تر حویلی سے باہر ہی رہتا ہوں۔ مہینے میں دو مرتبہ ڈاکٹر آتا ہے جو جاگیردار نمران کا چیک اپ کر کے ایک رات حویلی میں گزارنے کے بعد واپس چلا جاتا ہے۔ آپ دراصل حویلی کے اس حصے میں ہیں جو غیر آباد ہے۔ جاگیردار نمران حویلی کے دوسرے حصے میں رہائش پذیر ہے۔ نرس بھی وہیں رہتی ہے اور خامس اس طرف مصروف رہتا ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"شگن کا اس حویلی سے کیا تعلق ہے؟ کمال کو کیوں قتل کیا گیا؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"شگن.... کمال...." وہ بڑبڑایا۔ "یہ دونوں نام میرے لئے اجنبی ہیں۔ لیکن آپ کس کے قتل کی بات کر رہی ہیں مس زریاب؟"

"تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بننے کی کوشش کر رہے ہو مسٹر گوپانگ!" زریاب نے اسے گھورا۔ "شگن اور کمال اس چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر ملازم ہیں جو اس جاگیر میں واقع ہے۔ گزشتہ شام ٹرین لیٹ تھی۔ میں نے ایک ہفتہ پہلے خط کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی لیکن حویلی کا کوئی آدمی مجھے لینے کے لئے سٹیشن نہیں پہنچا تھا۔ کمال مجھے چھوڑنے کے لئے آیا تھا۔ اسے راستے میں جنگل میں قتل کر دیا گیا یا شاید مجھے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن وہ بدقسمت زد میں آ گیا۔ مجھے شبہ ہی نہیں یقین ہے کہ اسے شگن نے قتل کیا تھا اور وہ مجھے حویلی کی طرف آنے سے روکنا چاہتا تھا۔ اس کا حویلی سے کیا تعلق ہے؟"

"میں ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا۔" گوپانگ نے کہا۔ "دراصل چھوٹے لوگوں سے میل ملاقات میں بعض اوقات مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مجھے کمال نامی اس شخص کے قتل کے بارے میں بھی کوئی علم نہیں جس کا ابھی ابھی آپ نے ذکر کیا ہے۔ میں خامس سے اس سلسلے میں پوچھوں گا۔"

زریاب الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ گوپانگ کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے جن سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا۔ لیکن زریاب کو یقین تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور جھوٹ بول رہا ہے۔

"تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ میرا نام کیسے معلوم ہوا تمہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

گوپانگ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "غالباً تین دن پہلے۔" وہ زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جاگیردار نمران نے آپ کا ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ آپ یہاں آنے والی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ جیسے ہی آپ کی طرف سے آنے کی اطلاع ملے میں آپ کو لینے کے لئے خود سٹیشن چلا جاؤں یا خامس کو بھیج دوں۔ لیکن آپ کا خط کل شام کے وقت مجھے درویش پور میں ملا۔"

"درویش پور میں؟" زریاب کے لہجے میں حیرت تھی۔ "خط پر تو میں نے یہاں کا پتہ لکھا تھا اور وہ خط بھی تقریباً ایک ہفتہ پہلے پوسٹ کیا گیا تھا۔ دو سو میل کا فاصلہ طے کرنے میں ایک ہفتہ؟"

"آپ ڈاک کے نظام سے بخوبی واقف ہیں۔" گوپانگ نے جواب دیا۔ "بعض اوقات قریب ترین منزل کے خطوط بھی ایک ایک مہینے بعد پہنچتے ہیں اور بعض خطوط تو اپنی منزل پر پہنچ ہی نہیں پاتے۔ رہا یہ سوال کہ اس پتے پر لکھا جانے والا خط درویش پور کیسے پہنچ گیا تو اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ مین پوسٹ آفس درویش پور ہی میں ہے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہاتوں کی ڈاک وہیں سے تقسیم ہوتی ہے۔ درویش پور میں جاگیر کے مینیجر کا دفتر ہے۔ ڈاک خانے والے اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے وہ خط وہیں پہنچا دیا گیا۔ پوسٹ مین صرف ایک خط کے لئے پندرہ بیس میل کا فاصلہ کیسے طے کرتا؟ ویسے بھی حویلی کے پتے پر کبھی ڈاک نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے یہ خط کل دن میں دفتر پہنچا ہو لیکن میں نے شام کو دیکھا تھا۔ اس وقت ظاہر ہے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں صبح سویرے ہی یہاں چلا آیا۔ یہاں پہنچ کر صورت حال کا علم ہوا تو مجھے آپ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا بہت افسوس ہوا۔ خامس پتہ نہیں کیا سمجھا تھا کہ اس نے آپ کو کمرے میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا حالانکہ آپ ہوش میں بھی ہوتیں تو آپ جیسی خاتون سے کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔

"ابھی تم نے بتایا تھا کہ جاگیر کی دیکھ بھال تم کرتے ہو، لیکن یہ مینیجر....."

"میں اسسٹنٹ ہوں۔" گوپانگ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مینیجر کا نام رکھیل شاہ ہے۔ وہ آپ ہی کے شہر میں رہتے ہیں۔ مہینے میں چند روز کے لئے درویش پور آتے ہیں تو حویلی کا بھی چکر لگا لیتے ہیں۔ ویسے جاگیر کی تمام تر دیکھ بھال کی ذمہ داری میرے ہی سپرد ہے اور میں زیادہ تر باہر ہی رہتا ہوں۔"

"کیا یہ جاگیر صرف خوفناک جنگلوں پر مشتمل ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"یہ واقعی بڑی بدقسمتی کی بات ہے۔" گوپانگ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "سنا ہے کسی زمانے میں یہ جاگیر اناج کی پیداوار کے سلسلے میں پورے ملک میں پہلے نمبر پر ہوا کرتی تھی۔ لیکن پھر نجانے کیا ہوا کہ فصلیں تباہ ہوتی گئیں اور جنگل پھیلتے چلے گئے۔ اب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

صرف بیس بائیس مربعے ایسے ہیں جن پر اناج کی کاشت ہوتی ہے۔ جاگیر کے مینجر رکھیل شاہ اس کوشش میں ہیں کہ حکومت کے تعاون سے جنگل صاف کر کے ان زمینوں کو دوبارہ کاشت کاری کے قابل بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے کروڑوں روپے کی رقم درکار ہے۔"

"کیا یہ حویلی آسیب زدہ ہے؟" زریاب نے یہ سوال اچانک ہی کیا تھا۔

"میں سمجھا نہیں مس زریاب؟" گوپانگ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"ریلوے سٹیشن سے حویلی کے لئے روانگی کے بعد سے لے کر کچھ دیر پہلے تک عجیب و غریب اور پراسرار قسم کے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ تاریک جنگل میں کوئی ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ پھر کمال کو قتل کر دیا گیا۔ اس حویلی کے گیٹ پر میں نے ریلوے سٹیشن کے ملازم شکن کو دیکھا تو خوف کی شدت سے بے ہوش ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو میں حویلی کے اس کمرے میں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کمرے کی چھت پر دو آدمیوں کی بھاگ دوڑ اور دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ایسی چیخ سنائی دی جیسے آپس میں لڑنے والے دونوں میں سے کوئی ایک قتل ہو گیا ہو۔ پھر شاید میں سو گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے دھماکے کی آواز سے میری آنکھ کھلی۔ دھماکہ ایسا تھا جیسے کوئی عمارت گری ہو۔ ابھی میں چھت پر گئی تھی۔ میرا خیال تھا وہاں کوئی لاش پڑی ہو گی یا ہر طرف خون بکھرا ہوا ہو گا، مگر چھت پر کچھ نہیں تھا۔ دھول کی تہہ پر کسی کے قدم کے نشان بھی نہیں تھے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

زریاب خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے ٹرین کے طویل اور تکلیف دہ سفر اور تاریک جنگل نے آپ کے ذہن کو متاثر کیا ہے۔" گوپانگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کے ساتھ آنے والے کمال نامی کسی شخص کو کر دیا گیا ہوتا تو مجھے اس واقعے کا پتہ چل جاتا لیکن خامس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا اور پھر آپ نے بعض سوالوں کا جواب خود ہی دے دیا ہے۔ مثلاً چھت پر دھینگا مشتی والا واقعہ، مگر جب آپ چھت پر گئیں تو کچھ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے یہاں آنے سے پہلے آپ کو اس حویلی کے بارے میں کچھ پراسرار، ہیبت ناک اور خوفناک قسم کی کہانیاں سنائی گئی ہیں۔ ایسی قدیم عمارتوں کے سلسلے میں اس قسم کی کہانیاں مشہور ہو

جاتی ہیں جن میں حقیقت کم اور مبالغہ آرائی زیادہ ہوتی ہے۔ ان سنی سنائی کہانیوں نے بھی آپ کے ذہن کو متاثر کیا ہو گا۔"

"اور وہ دھماکہ جو کچھ دیر پہلے میں نے سنا تھا؟" زریاب نے اسے گھورا۔

"وہ دھماکہ میں نے بھی سنا تھا۔ اور یہ کوئی خوفناک یا پراسرار بات نہیں ہے۔" گوپانگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جاگیر کے مینجر رکھیل شاہ کا ارادہ ہے کہ حویلی سے دروازہ پور تک پختہ سڑک تعمیر کی جائے۔ اس کے لئے پتھر باہر سے منگوانے کی ضرورت پڑتی جس پر اچھی خاصی لاگت آتی۔ یہاں سے نصف میل دور دو تین چٹانیں ہیں۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ ان چٹانوں کو توڑ کر پتھر حاصل کیا جائے۔ کئی روز پہلے اس منصوبے پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے ان چٹانوں کو ڈائنامائٹ سے اڑایا جا رہا ہے۔ آپ نے وہی دھماکہ سنا ہو گا۔"

گوپانگ کے خاموش ہوتے ہی فضا میں ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔

"دیکھا..... دیکھا آپ نے.... میرے بیان کی تصدیق ہو گئی اور آپ کا وہم دور ہو گیا۔" گوپانگ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ نے باتوں میں اکثر جاگیر کے مینجر کا ذکر کیا ہے۔ مالک کا تذکرہ ایک بار بھی....."

"بات دراصل یہ ہے۔" گوپانگ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جاگیردار نمران بوڑھا ہو چکا ہے۔ اس کی عمر پچاسی کے لگ بھگ ہے۔ وہ گزشتہ ایک سال سے بستر پر پڑا ہے۔ میں اور مینجر رکھیل شاہ جو بھی کام کرتے ہیں جاگیر کے مفاد میں کرتے ہیں۔ اگر میں نے اپنی باتوں میں جاگیردار نمران کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تو اس میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں یہاں جاگیردار نمران سے ملنے آئی ہوں۔ یہ ملاقات کب ہو سکے گی؟" زریاب نے پوچھا۔

"پرسوں ڈاکٹر ان کے چیک اپ کے لئے آنے والا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ کی ملاقات ہو سکے گی۔ یہ بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ڈاکٹر آپ کو نمران سے ملاقات کی اجازت دیتا بھی ہے یا نہیں۔" گوپانگ نے جواب دیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں اتنی دور سے صرف جاگیردار سمران سے ملاقات کے لئے آئی ہوں اور یہ ملاقات ہونا بہت ضروری ہے۔" زریاب نے کہا۔

"آپ جاگیردار سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں؟" گوپانگ نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

زریاب کو اس کی نظریں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"یہ ایک خاندانی معاملہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تفصیل بعد میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔" گوپانگ نے کہا۔ "باتوں میں اتنا وقت نکل گیا میں تو آپ کو ناشتہ کے لئے بلانے آیا تھا۔ آپ نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ بھوک لگ رہی ہوگی۔ چلئے.... ناشتہ ہو جائے۔ پھر مجھے بھی ایک کام سے حویلی سے باہر جانا ہے۔"

"یہ....." زریاب نے اٹھتے ہوئے اپنے سوٹ کیس کی طرف دیکھا۔

"اسے چھوڑ دیں۔" گوپانگ نے کہا۔ "یہ اس کمرے میں پہنچا دیا جائے گا جہاں آپ رہائش اختیار کریں گی۔ آپ کی تمام چیزیں محفوظ رہیں گی۔"

زریاب نے اسے تصویروں والے لفافے کی چوری کے بارے میں کچھ بتانا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئی۔ نجانے کیا بات تھی کہ یہ شخص اسے پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے گوپانگ کی کسی بات پر یقین بھی نہیں کیا تھا۔ وہ بظاہر بہت خوش اخلاقی اور شائستگی سے گفتگو کر رہا تھا مگر زریاب کو اس کی باتوں سے مکاری اور ریا کی بو آ رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ کمرے سے نکل آئی۔ وہ دونوں طویل برآمدے کے اختتام پر ایک سرنگ نما زیر زمین راستے میں داخل ہوگئے۔ زریاب نے قدیم حویلیوں اور قلعوں میں خفیہ راستوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا مگر یہ کوئی خفیہ راستہ نہیں تھا۔

یہ سرنگ زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اختتام پر وہ ایک وسیع و عریض کمرے میں نکل آئے اور پھر مختلف غلام گردشوں سے ہوتے ہوئے ایک اور کمرے میں داخل ہوگئے۔ یہ بھی بڑا وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے وسط میں کھانے کی ایک بہت طویل میز لگی ہوئی تھی۔ اس کے گرد کم از کم بیس کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بڑی بڑی محرابی کھڑکیوں کی وجہ سے کمرہ روشن تھا اور دھوپ بھی اندر آ رہی تھی۔ کمرے کی

دوسری طرف ایک اور دروازہ تھا جہاں سے اشتہا آمیز خوشبو آ رہی تھی۔ اس سے زریاب کی بھوک کچھ اور چمک اٹھی۔ لمبی میز کے ایک کونے پر برتن آراستہ تھے۔ پانی کا جگ اور گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ زریاب نے بے تکلفی سے ایک گلاس پانی انڈیلا اور پینے لگی۔ گوپانگ سامنے والے دروازے میں چلا گیا۔ اس کی واپسی دو منٹ بعد ہوئی۔

"بیٹھئے مس زریاب!" اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "ابھی ناشتہ آ رہا ہے۔"

زریاب کونے والی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ گوپانگ بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اس میز پر کبھی بیس سے کم مہمانوں نے بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا تھا۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "لیکن جاگیر کے ساتھ ساتھ یہ میز بھی اجڑ گئی۔ یہاں دور دور سے مہمان آتے تھے اور حویلی میں کئی کئی روز رونق رہتی تھی۔ لیکن..... اب....." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ اس حویلی میں شاید اب آسیب ہی نے ڈیرے جما لئے ہیں۔"

کچھ ہی دیر بعد ایک آدمی بڑی سی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر زریاب کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ایسا بھیم شکیم آدمی اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ سات فٹ سے نکلتا ہوا قد، بھاری بھرکم اور ٹھوس جسم۔ اس نے خاکی رنگ کی پتلون اور بنیان پہن رکھی تھی۔ بازو کے مسل ابھرے ہوئے تھے۔ گنجا سر، کلین شیو، دائیں کان میں سونے کی بالی تھی جو کان کی لو سے چپکی ہوئی تھی۔ تانبے جیسی رنگت اور آنکھوں میں خون جیسی سرخی۔ زریاب کے خیال میں اس حویلی کا سب سے بڑا آسیب یہی تھا جسے دیکھ کر ہی خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ خامس ہے۔" گوپانگ نے اس کا تعارف کرایا۔ "اس حویلی کا نگران اور آپ کا میزبان۔"

"میرا میزبان؟" زریاب نے اس کی طرف دیکھا۔

"جب تک جاگیردار سے ملاقات نہیں ہوتی آپ کی میزبانی کے فرائض یہی انجام دے گا۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسے بتا دیجئے۔ لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے! یہ صرف مطلب کی بات کرنا جانتا ہے۔ فضول اور بیکار باتوں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں ناشتہ کرتے ہی رخصت ہو جاؤں گا اور یہ آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دے گا۔ آپ حویلی میں آزادی سے گھوم پھر سکتی ہے۔ لیکن لیفٹ ونگ کی طرف جانے سے گریز کریں۔" گوپانگ نے کہا۔

خامس ٹرے میں رکھی ہوئی پلیٹیں اٹھا اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے لگا۔ وہ عجیب سی نظروں سے زریاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زریاب کو اس کی نظریں اپنے جسم کے اندر تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

ناشتہ کے بعد گوپانگ چلا گیا۔ زریاب کو پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ کس طرف سے اور کس طرح گیا تھا۔ خامس زریاب کو مختلف راہداریوں میں گھماتا ہوا ایک وسیع و عریض کمرے میں لے آیا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ایک آرام دہ مسہری کے علاوہ دیگر ضروری فرنیچر موجود تھا۔ ایک ایزی چیئر بھی تھی۔ بڑی بڑی محرابی کھڑکیوں کی وجہ سے یہ کمرہ بھی روشن اور ہوادار تھا۔

خامس اسے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔ زریاب ایک کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو کر باہر دیکھنے لگی۔ تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر حویلی کی وہ عمارت تھی جسے لیفٹ ونگ کہا گیا تھا اور گوپانگ نے اسے اس طرف جانے سے منع کیا تھا۔

حویلی کی فضا پر سناٹا طاری تھا اور اس سناٹے میں عجیب سی پراسراریت تھی۔ زریاب گھوم پھر کر اس حویلی کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب سا خوف طاری تھا اور وہ اس کمرے سے نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

دوپہر کے قریب خامس اس کا کھانا کمرے ہی میں لے آیا۔ وہ اس وقت بھی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سنا ہے اس حویلی میں ایک اور عورت بھی ہے، میرا مطلب ہے نرس۔ کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟" زریاب نے کہا۔ کمرے میں خامس کی موجودگی سے اس کے خوف میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

"نہیں....." خامس نے مختصر سا جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

زریاب کھانے کے بعد آرام کرسی پر بیٹھ گئی اور پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اور جب وہ بیدار ہوئی تو شام ڈھل رہی تھی۔ اس نے کمرے میں ادھر اُدھر دیکھا۔ کھانے

کے برتن غائب تھے اور میز پر اس کا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ زریاب اٹھ کر انگڑائی لیتی ہوئی کھڑکی کے سامنے آ گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی عمارت پر مرکوز تھیں۔ دفعتاً اسے یوں لگا جیسے کوئی عورت اس عمارت کی راہداری سے گزری ہو۔ اس نے سفید آنچل سا لہراتا ہوا دیکھا تھا۔

زریاب نے دروازے کے قریب آ کر باہر جھانکا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کھڑکی کے قریب آ گئی۔ اس نے چوکھٹ پر ہاتھ رکھے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ بڑی آہستگی سے کھڑکی سے باہر کود چکی تھی۔

اسے یقین تھا کہ جاگیر دار نمران اسی لیفٹ ونگ کے کسی کمرے میں موجود تھا اور جس عورت کا آنچل اس نے دیکھا تھا وہ اس کی دیکھ بھال پر مقرر نرس ہو گی۔ زریاب تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس عمارت میں داخل ہو گئی۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

راہداری میں داخل ہو کر وہ رک گئی۔ ماحول نیم تاریک تھا۔ راہداری میں چلتے ہوئے اس نے پہلے دو کمروں کے دروازے کھول کر دیکھے وہ خالی تھے۔ وہ گھوم کر دوسری راہداری میں آ گئی۔ اب اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ عورت کس طرف گئی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑی رہی۔ پھر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ کمرہ نیم تاریک تھا۔ وہ جیسے ہی دو قدم آگے بڑھی اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ دائیں طرف دیوار کے ساتھ ایک بڑی ہوئی کرسی پر ایک انسانی ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس پر اس طرح رسیاں لپٹی ہوئی تھیں جیسے اسے کرسی سے باندھ کر رکھا گیا ہو۔

زریاب پلٹ کر دروازے کی طرف دوڑی۔ دروازے میں وہ کسی سے ٹکرا کر گری۔ اس کے حلق سے ایک خوف ناک چیخ نکلی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے دیو قامت خامس کھڑا تھا۔ اندھیرے میں بھی اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے سے برستے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ زریاب انتہائی دہشت زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے اپنے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس کسی چٹان کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ زریاب اس کے سامنے زمین پر پڑی دہشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا اور دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ ٹانگوں میں بھی ہلکی ہلکی کپکپاہٹ تھی۔ اس نے کوئی چوری نہیں کی تھی، کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ البتہ گوپانگ کی ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حویلی کے اس حصے میں آ گئی تھی جس طرف آنے کے لئے اسے منع کیا گیا تھا اور یہ کوئی ایسا جرم تو نہیں تھا اور پھر وہ اس حویلی کے مالک کی مہمان تھی۔ اس کی دعوت پر یہاں آئی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے راستے میں کچھ عجیب و پراسرار حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ صبح ناشتے کے بعد وہ دیر تک سوچتی رہی تھی کہ جب نمران سے ملاقات ہو گی تو وہ اس سے حویلی کے ان ملازموں کی شکایت ضرور کرے گی۔ لیکن اب اسے یہاں کی صورت حال ایک نیا رُخ اختیار کرتی نظر آ رہی تھی۔

زریاب نے ایک بار پھر خامس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا البتہ تاریک ماحول میں اس کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آنکھوں کی جگہ دو دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے گئے ہوں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بائیں طرف کرسی پر وہ ڈھانچہ پہلے سے کچھ زیادہ ہی خوف ناک لگ رہا تھا۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ اس کی نظریں بدستور خامس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

خامس ایک قدم آگے بڑھا۔ زریاب بدستور پیچھے ہٹ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ دفعتاً وہ کسی چیز سے ٹکرا کر پشت کے بل گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ خامس آگے بڑھ آیا۔ اس کا ایک پیر زریاب کے دائیں طرف تھا اور دوسرا بائیں طرف۔ وہ آگے کو جھکا، اس نے زریاب کو دونوں

بانہوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ زریاب تھر تھر کانپ رہی تھی۔ خامس نے اس کا ایک ہاتھ چھوڑ دیا، دوسرا بازو اپنی گرفت میں رکھا اور تقریباً کھینچتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ زریاب اس کے ساتھ چل نہیں رہی تھی، گھسٹ رہی تھی۔ وہ مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے اس عمارت سے باہر نکل آئے اور سائبان قسم کی ایک راہداری میں چلتے ہوئے اس عمارت میں پہنچ گئے جہاں اسے رہائش کے لئے کمرہ دیا گیا تھا۔ خامس نے ابھی تک ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا تھا۔ اس کا انداز بالکل کسی روبوٹ جیسا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے زریاب کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ زریاب نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ آنکھوں کی سرخی اور چہرے کے خوفناک تاثرات سے قطع نظر اس کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جسے خلاف تہذیب یا غیر اخلاقی کہا جا سکے۔ زریاب کے بازو پر اس کی گرفت بھی نرم تھی لیکن اس کی ہیئت کا خوف زریاب کے دل پر طاری تھا۔

"تمہیں حویلی کے اس حصے کی طرف جانے سے منع کیا گیا تھا مس زریاب۔" خامس نے گھورتے ہوئے کہا۔

زریاب اس کی آواز سن کر اچھل پڑی۔ وہ دیو قامت جسم کا مالک تھا۔ زریاب کا خیال تھا کہ اس کی آواز بھی اسی کی طرح بھاری بھرکم اور گونج دار ہو گی لیکن وہ آواز ایسی تھی جیسے گیارہ بارہ سال کی عمر کا کوئی لڑکا بات کر رہا ہو۔

"وہ..... وہ دراصل...." زریاب ہکلائی، خامس کے نرم رویے سے اسے کچھ حوصلہ ملا تھا۔ "میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس سے باتیں کر کے کچھ وقت گزر جائے گا۔"

"وہاں کوئی عورت نہیں ہے۔" خامس نے جواب دیا۔

"لیکن میں نے کسی عورت کو راہداری میں مڑتے دیکھا تھا۔ اس کا سفید آنچل مجھے نظر آیا تھا۔" زریاب نے کہا۔

"وہاں کوئی عورت نہیں ہے۔" خامس نے وہی الفاظ دہرائے۔ "آئندہ تم اس طرف نہیں جاؤ گی۔ تم نے گوپانگ کی بات نہیں سنی تھی؟ حویلی کے کسی بھی حصے میں جانے پر پابندی نہیں ہے لیکن لیفٹ ونگ میں نہیں جاؤ گی۔"

"جاگیر دار نمران کہاں ہے؟ مجھے اس سے ملنے کیوں نہیں دیا جاتا؟" زریاب نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نہیں جانتا۔" خامس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میرے پاس تمہارے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" اس نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے پتلون کی جیب سے ماچس نکالی اور سنبھلے قدم اٹھاتا ہوا آتش دان کے قریب پہنچ گیا جہاں لیمپ رکھا ہوا تھا۔ اس نے لیمپ کا شیشہ اتار کر ایک طرف رکھا پھر دیا سلائی جلا کر لیمپ روشن کیا اور شیشہ اوپر رکھ دیا اور ماچس جیب میں رکھتے ہوئے زریاب کی طرف مڑ گیا۔

"ایک گھنٹے بعد کھانا تیار ہو جائے گا۔ میں کھانا یہیں لے آؤں گا۔ تمہیں ڈائننگ روم کی طرف آنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔ زریاب کچھ دیر تک اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ پھر دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ عجیب سی صورت حال سے دوچار ہو گئی۔ اسے اگرچہ لیفٹ ونگ کے علاوہ حویلی کے کسی بھی حصہ میں آنے جانے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ یہاں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اسے نمران سے کیوں نہیں ملنے دیا جا رہا۔ گوپانگ اس جاگیر دار کا اسسٹنٹ منیجر تھا۔ اس سے اگرچہ زیادہ باتیں نہیں ہو سکی تھیں لیکن مختصر سی گفتگو سے ہی زریاب نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس حویلی میں کوئی سازش ہو رہی ہے۔ اس سازش کا تعلق شاید حویلی کے لیفٹ ونگ سے تھا اسی لئے زریاب کو اس طرف جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس نے جب اس عمارت کی راہداری میں ایک سفید آنچل لہراتے دیکھا تو معلوم کرنے کے لئے اس طرف چلی گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نرس ہو گی جسے بیمار نمران کی دیکھ بھال کے لئے رکھا گیا تھا۔ لیکن وہ اس نرس کو تو تلاش نہیں کر سکی تھی البتہ ایک ایسے کمرے میں پہنچ گئی تھی جہاں ایک انسانی ڈھانچہ کرسی پر بندھا ہوا تھا۔

زریاب اس ڈھانچے کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی تھی اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ اس ڈھانچے کو کرسی پر باندھے رکھنے کی کوئی تک نہیں تھی۔ کسی ڈھانچے کے بھاگنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً کسی زندہ انسان کو کرسی پر باندھا گیا ہو گا جو اسی کرسی پر ڈھانچے میں بدل گیا تھا۔ لیکن وہ کون تھا؟ اسے اس طرح موت کے گھاٹ کیوں اتارا گیا تھا؟ اور پھر اس طرح اچانک خامس کا وہاں پہنچ جانا بھی ایک حیرت انگیز بات تھی۔ اگر وہ

اس وقت حویلی کے کسی اور حصے میں تھا اور اس کی چیخ سن کر اس طرف آیا تھا تو اسے کچھ وقت لگنا چاہئے تھا لیکن وہ تو اس طرح اچانک ہی دروازے میں نمودار ہوا تھا جیسے پہلے سے وہاں موجود ہو۔

زریاب کرسی پر بیٹھی یہی کچھ سوچتی رہی۔ کمرے میں لیمپ کی زرد روشنی بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ باہر گہری تاریکی اور سناٹا تھا۔ کسی ذی روح کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اتنی بڑی حویلی میں وہ تھی اور خامس تھا۔ خامس شاید کچن میں مصروف تھا اور کچھ اتنا دور تھا کہ وہاں سے کوئی آواز یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

ماحول کی پراسراریت سے زریاب کے دل پر خوف کے سائے ایک بار پھر گہرے ہونے لگے۔ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ باہر گہری تاریکی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان بھی تاریک تھا۔ کہیں کوئی ایک ستارہ بھی چمکتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ محرابی کھڑکی کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھے سامنے والی عمارت کی طرف دیکھنے لگی۔ تاریکی میں اس عمارت کا ہیولہ بہت ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس عمارت میں کوئی ایسا راز ضرور تھا جس کی وجہ سے اسے اس طرف جانے سے روک دیا گیا تھا اور جب وہ چوری چھپے وہاں پہنچ گئی تھی تو خامس بھی بڑے پراسرار انداز میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ زریاب لیفٹ ونگ کا کم از کم ایک راز تو معلوم کر چکی تھی۔ کرسی پر بندھا ہوا وہ انسانی ڈھانچہ..... اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کسی مرد کا ڈھانچہ تھا یا عورت کا۔

زریاب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ لیفٹ ونگ میں روشنی دیکھ کر اچھل پڑی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملنے لگی۔ یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ عمارت کی سامنے والی راہداری میں وہ روشنی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ کوئی لیمپ تھا جو زمین کی سطح سے تقریباً چار پانچ فٹ کی بلندی پر تیرتا ہوا سا جا رہا تھا جیسے کوئی شخص لیمپ کو ہاتھ میں پکڑے اسے اپنے جسم سے ذرا آگے کئے چل رہا ہو۔ لیکن لیمپ اٹھانے والا ہاتھ یا اس کے جسم کا کوئی اور حصہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زریاب کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لیں۔ وہ دہشت زدہ سی نظروں سے اس لیمپ کو دیکھ رہی تھی جو اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

عمارت کی راہداری میں ہوا میں تیر رہا تھا۔

وہ لیمپ ایک اور راہداری میں مڑ گیا۔ وہ راہداری تاریک ہو گئی لیکن وہ لیمپ جیسے ہی راہداری میں مڑا تھا اس کے پیچھے زریاب نے یک سفید آنچل لہراتے ہوئے دیکھا تھا۔ زریاب کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی لیفٹ ونگ کی تاریک راہداری میں گھورتی رہی۔

تقریباً ایک منٹ بعد وہ لیمپ دوبارہ سامنے آ گیا۔ اس مرتبہ وہ مخالف سمت میں جا رہا تھا۔ لیکن چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ لیمپ واپس آنے لگا اور اسی جگہ واپس آ کر رُک گیا۔ زریاب کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز تھی لیکن وہ گہری نظروں سے اس لیمپ کو اور اس کے آس پاس دیکھ رہی تھی۔ لیمپ کو سہارا دینے والا کوئی ہاتھ یا اسے اٹھانے والے کے وجود کا کوئی حصہ اب بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیمپ اس طرح اِدھر اُدھر حرکت کر رہا تھا جیسے اسے اٹھانے والے کو کسی چیز کی تلاش ہو۔ پھر وہ لیمپ دوسری طرف کی راہداری میں غائب ہو گیا۔ زریاب نے ایک بار پھر سفید آنچل لہراتے دیکھا تھا۔

زریاب تقریباً پانچ منٹ کھڑکی میں کھڑی رہی لیکن لیمپ یا سفید آنچل اس کے بعد نظر نہیں آیا تھا۔ کیا حویلی کا وہ حصہ آسیب زدہ تھا؟ زریاب نے سوچا لیکن اسے تو یہ پوری حویلی ہی آسیب زدہ لگ رہی تھی اور وہ یہاں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ یہاں سے نکل بھی سکے گی یا نہیں؟

"کھانا کھالو لڑکی۔"

پشت پر کسی لڑکے کی آواز سن کر زریاب اچھل پڑی۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ دیو قامت خامس میز کے قریب کھانے کی ٹرے لئے کھڑا تھا۔ لکڑی کی یہ ٹرے خاصی بڑی تھی۔ اس میں پلیٹوں کے علاوہ پانی سے بھرا ہوا شیشے کا جگ اور ایک گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے برتن، جگ اور گلاس میز پر رکھ دیئے اور خالی ٹرے میز کے پائے کے ساتھ کھڑی کر دی۔

زریاب کو حیرت تھی کہ اس نے خامس کے قدموں کی آواز کیوں نہیں سنی تھی؟ کیا وہ اپنے خیالات میں اس قدر محو تھی کہ وہ اس کے قدموں کی آواز نہیں سن سکی تھی یا وہ جان بوجھ کر چوروں کی طرح دبے قدموں کمرے میں داخل ہوا تھا؟

زریاب کو اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں چند سیکنڈ لگ گئے۔ اس نے خامس کی طرف دیکھا۔ وہ میز کے قریب کھڑا عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ زریاب کو میز کی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ دروازے کی طرف مڑا اور روبوٹ کی طرح چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ زریاب اس کے پیروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے قدیم طرز کے چمڑے کے سینڈل پہن رکھے تھے۔ ایسے سینڈل زریاب نے سکندر اعظم پر بننے والی انگلش فلموں میں دیکھے تھے۔ پیر کے نیچے چمڑے کا تقریباً ایک انچ موٹا سول اور اس کے چاروں طرف لگے ہوئے چمڑے کے فیتے جنہیں پنڈلیوں تک لپیٹ کر گرہ لگالی جاتی تھی۔ خامس نے پتلون پہن رکھی تھی اور یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ چمڑے کے فیتے پنڈلیوں تک تھے یا ٹخنوں تک۔ لیکن وہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی اسے معلوم ہو گیا تھا۔ ان قدیم طرز کے سینڈلوں کی وجہ سے خامس کے قدموں کی ہلکی چاپ بھی نہیں ابھر رہی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور سوال بھی اس کے ذہن میں گردش کرنے لگا تھا۔ کیا خامس کا تعلق بھی اسی سندس خاندان سے ہے؟ بعض لوگ لکیر کے فقیر بن کر اپنی قدیم خاندانی روایات پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ انسان چاند کو تسخیر کرنے کے بعد اب مریخ اور بعض دوسرے سیاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے لیکن یہ قدامت پسند لوگ اب بھی صدیوں پرانی روایات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ان سے ہٹنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں۔ زریاب نے ایسے بہت سے لوگ دیکھے تھے جو جدید ترین ٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی اپنی قدیم خاندانی روایات کو ترجیح دیتے تھے۔ کوئی شادی بیاہ کی رسموں کے حوالے سے ان قدیم اور کہنہ روایات کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا، کوئی لباس کے حوالے سے۔ خاص خاص موقعوں پر یہ لوگ اپنا وہ لباس ضرور پہنتے تھے جو ان کی قدیم خاندانی روایات کی عکاسی کرتا ہو۔ خامس کے پیروں میں قدیم یونانی طرز کے ان جوتوں نے بھی زریاب کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا وہ بھی اسی قدیم خاندان کا ایک فرد ہے؟

زریاب یہی کچھ سوچتی ہوئی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ پہلے اس نے ایک گلاس پانی پیا اور پھر کھانا کھانے لگی۔ بھوک ہونے کے باوجود نوالہ اس کے حلق سے نیچے نہیں اُتر رہا تھا۔ لیکن پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اسے کچھ نہ کچھ تو زہر مار کرنا ہی تھا۔ کھانے کے بعد اس نے پانی کا ایک اور گلاس پیا اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اگرچہ دروازہ کھلا ہوا تھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور وہ کمرے کے سامنے بھی چہل قدمی کر سکتی تھی لیکن اس کمرے سے باہر نکلنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ خامس آکر برتن اٹھا لے جائے تو وہ لیٹ جائے لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا اور خامس نہیں آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈا لگا دیا اور ایک کھڑکی کی طرف بڑھی۔ وہ ابھی چند قدم دور ہی تھی کہ کھڑکی کا ایک پٹ دھڑ سے چوکھٹ سے ٹکرایا۔ زریاب کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مارے خوف کے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور وحشت زدہ سی نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔

اب دونوں کھڑکیوں کے پٹ زور زور سے دھڑ دھڑا رہے تھے۔ سائیں سائیں کی آواز بھی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ آندھی جیسی تیز ہوا سے کھڑکیوں کے پٹ زور زور سے دھڑ دھڑا رہے تھے۔ خوف زدہ ہونے کے باوجود اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک کھڑکی بند کر دی۔ وہ دوسری کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اس نے ایک پٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ آسمان سے ایک کوندا لپکا اور ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ بجلی اس زور سے کڑکی تھی کہ زریاب کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی تھی اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

زریاب کچھ دیر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی۔ آسمان پر بار بار روشنی کی لاتعداد شاخیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل جاتیں۔ ان کی خیرہ کن روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ زریاب نے بڑی مشکل سے کھڑکی بند کی اور پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

اسے حیرت تھی کہ اس قدر اچانک ایسی شدید آندھی کیوں آگئی تھی اور بجلی کیوں چمکنے لگی تھی؟ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے جب وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی تو آندھی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ہوا معمول کے مطابق بہت ہلکی رفتار سے چل رہی تھی لیکن اچانک اس تیز آندھی اور چمکتی ہوئی بجلی نے تو اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

وہ پلنگ کی پٹی پر سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ بار بار چمکتی ہوئی بجلی اس کی آنکھوں کو خیرہ کئے

دے رہی تھی۔ جب بجلی چمکتی تو یوں لگتا جیسے ایک لمحے کو اس کی آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی ہو۔ ان کھڑکیوں پر کوئی پردے نہیں تھے جنہیں پھیلا کر بجلی کی چمک سے بچا جا سکتا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک ہوا کی سائیں سائیں سنائی دیتی اور بجلی چمکتی رہی۔ پھر فضا جیسے ایک دم سکون پذیر ہو گئی تھی۔ یہ عجیب و غریب طوفان جس طرح اچانک شروع ہوا تھا اسی طرح اچانک ختم بھی ہو گیا۔ زریاب نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ اس کا خیال تھا کہ تیز آندھی اور بجلی کی چمک کے ساتھ بارش بھی ہوئی ہو گی لیکن آسمان سے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں برسا تھا۔

زریاب دوبارہ مسہری کے قریب آگئی۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ دس بجنے والے تھے۔ اس نے میز پر پھیلے ہوئے برتن سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے اور میز کو گھسیٹ کر مسہری کے قریب کر لیا اور آتش دان سے لیمپ اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس نے اپنے سوٹ کیس میں سے ڈائری نکالی اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کل آدھی رات تک وہ بے ہوش رہی تھی۔ پھر ہوش میں آنے کے بعد کچھ ایسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے تھے کہ وہ خوف کے سایوں میں گھری ہوئی تھی اور اب وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے ان تمام واقعات کو ڈائری کے صفحات پر محفوظ کر لینا چاہتی تھی۔ جس قسم کی صورت حال سے وہ دوچار تھی اس کے پیش نظر فوری طور پر نیند آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ماحول کے خوف سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنے آپ کو مصروف رکھے اور اس وقت ڈائری لکھنے سے بہت کوئی مصروفیت نہیں ہو سکتی تھی۔

لیمپ کی روشنی اگرچہ کم تھی لیکن وہ ڈائری لکھتی رہی۔ وہ ان تمام عجیب و پراسرار واقعات کو قلمبند کرنا چاہتی تھی جو پہاڑ گنج کے اس چھوٹے سے ریلوے سٹیشن پر اترنے کے بعد سے اب تک پیش آئے تھے۔ بعض اوقات کسی واقعے کی تفصیل لکھتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپ جاتا اور پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ جاتی۔ لیفٹ ونگ میں اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے اور پھر ہوا میں تیرتے ہوئے روشن لیمپ کے بارے میں لکھتے ہوئے بار بار اس کا قلم اس طرح رک جاتا جیسے کوئی نادیدہ قوت اس کا ہاتھ پکڑ لیتی ہو۔

لیمپ کی کانپتی ہوئی زرد روشنی میں وہ لکھتی رہی۔ اسے پیاس لگ رہی تھی۔ حلق خشک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو رہا تھا۔ اس نے ڈائری بستر پر رکھ دی اور میز کی طرف جھک کر گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔ پھر اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

وہ خالی گلاس میز پر رکھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ لیمپ کی لرزتی ہوئی روشنی میں ایک دیوار پر اپنا سایہ ہلتا ہوا نظر آیا تو خوف سے اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پایا اور ڈائری اٹھا کر دوبارہ لکھنے لگی۔

دفعتاً دروازے پر دستک کی آواز سن کر اس کا ہاتھ کانپ گیا۔ قلم سلپ ہوا تو کاغذ پر ایک آڑھی ترچھی لکیر سی بنتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز اس نے صاف طور پر سنی تھی۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ خاموشی تھی..... وہ مڑ کر کھڑکیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے دوسری طرف گہری تاریکی تھی۔ ایک بار پھر دستک کی آواز سن کر اس کے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کسی نے ہلکے ہاتھ سے بہت آہستگی سے دستک دی ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ دستک کی آواز حویلی میں کہیں اور نہ سن لی جائے۔ زریاب دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے بھاری دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا جا رہا ہو۔ زریاب نے چیخ روکنے کے لئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ باہر کوئی موجود تھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہونے لگی وہ دہشت زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے اپنے دفاع کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ بالآخر اس کی نظر میز پر پلیٹ میں پڑے ہوئے کانٹے پر پڑ گئی۔ کھانے کے برتنوں میں دو چمچوں کے ساتھ یہ کانٹا بھی تھا جسے اس نے استعمال نہیں کیا تھا۔ لیکن اب اس نے لپک کر وہ کانٹا اٹھا لیا۔

دروازے پر دستک کی آواز پھر ابھری۔ اس مرتبہ ایک سرگوشیانہ آواز بھی اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

"زریاب..... دروازہ کھولو..... پلیز! دروازہ کھولو زریاب.....!"

آواز نسوانی تھی۔ اس سرگوشیانہ لہجے میں التجا بھی تھی..... خوف کی شدت سے زریاب ہولے ہولے کانپنے لگی۔ وہ کسی عورت کی آواز تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس حویلی میں جاگیردار شمران کی دیکھ بھال کرنے والی نرس کے سوا کوئی عورت نہیں تھی اور وہ

نرس بھی نجانے حویلی کے کون سے حصے میں تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ ایک اور عورت اس ویران حویلی کی قیدی بنی ہوئی ہے۔ اور پھر اس نسوانی آواز نے اس کا نام لے کر پکارا تھا۔ جب وہ اس کے بارے میں جانتی ہی نہیں تھی تو اسے اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟ نہیں نہیں! یہ نرس نہیں ہو سکتی..... کوئی آسیب..... بدروح.....

وہ کانٹے کو چاقو کی طرح پکڑے خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ دروازے کو ایک بار پھر اندر کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔

"زریاب! دروازہ کھولو، پلیز! جلدی کرو....."

وہ سہمی ہوئی سی نسوانی سرگوشی ایک بار پھر سنائی دی۔

دفعتاً زریاب کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ آسیب یا بدروح اندر آنے کے لئے دروازہ کھلوانے کی محتاج نہیں ہو سکتی۔ آسیب اور بدروحیں تو بند دروازوں سے بھی اندر آ جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ وہی نرس ہو یا حویلی میں موجود کوئی اور عورت جس کے بارے میں اسے لاعلم رکھا گیا ہو لیکن اس عورت کو اس کے بارے میں پتہ چل گیا ہو اور وہ آدھی رات کو چوری چھپے اس سے ملنے آئی ہو۔

وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر مسہری سے اتر کر دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے ایک ہاتھ میں فولادی کانٹا پکڑ رکھا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی۔ دروازے سے کان لگا کر باہر کی کوئی آواز سننے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر بڑی آہستگی سے دروازے کا زنجیر والا کنڈا ہٹا دیا اور اس کا خیال تھا کہ کنڈا ہٹنے کی ہلکی سی آواز سن کر باہر سے دروازے کو دھکیلا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ چند لمحے انتظار کرتی رہی۔ پھر بڑی آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

باہر کوئی نہیں تھا۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور اسے جھرجھری سی آ گئی..... دستک اور وہ نسوانی آوازیں اس نے واضح طور پر سنی تھیں لیکن باہر کسی کو نہ پا کر اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ باہر تاریکی اور سناٹا تھا۔

دفعتاً اس تاریکی اور سناٹے میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔ اس نے باہر جھانکا۔ برآمدہ تاریک اور سنسان تھا۔ دوڑنے کی آوازیں سامنے کہیں سے آ رہی تھیں پھر دفعتاً فضا میں نسوانی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ زریاب نے جلدی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے دروازہ بند کر لیا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس لمحے برآمدے کے سامنے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ زریاب کے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ اس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔ اس کی قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ فولادی کانٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ گھٹنے آہستہ آہستہ دہرے ہونے لگے اور وہ دروازے کے سامنے ڈھیر ہو گئی۔

☆

زریاب مسہری پر پڑی تھی۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے اور نسیں پھٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں مسلتی رہی۔ پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور ایک بار پھر متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

رات کے واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگے۔ سب سے پہلے اس حویلی کے لیفٹ ونگ میں لیمپ کی پراسرار نقل و حرکت دیکھی تھی۔ لیمپ کے ساتھ سفید آنچل بھی لہراتا ہوا نظر آیا تھا۔ پھر اچانک طوفان شروع ہو گیا اور پھر دروازے پر دبی دبی سی دستک اور وہ سرگوشیانہ نسوانی آواز..... وہ عورت کون تھی جو اس کا نام بھی جانتی تھی؟ اور پھر وہ کہاں غائب ہو گئی تھی؟ بھاگ دوڑ اور چیخوں کی آوازیں!

زریاب زور زور سے سر جھٹکنے لگی۔ دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ وہ رات کو خوف و دہشت سے بے ہوش ہو کر دروازے کے قریب ہی گر گئی تھی لیکن اب وہ مسہری پر تھی۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ میز پر سے کھانے کے برتن غائب تھے اور لیمپ بھی میز کی بجائے آتش دان کے کارنس پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ڈائری بھی غائب تھی البتہ قلم بستر پر پڑا ہوا تھا۔ وہ مسہری سے اتر کر تیزی سے دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ دروازے کے دونوں پٹ بھڑے ہوئے تھے لیکن کنڈا نہیں لگا ہوا تھا۔

زریاب کا دماغ گھوم رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ رات کو اس نے دروازہ کھولا تھا لیکن نسوانی چیخوں اور بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا تھا اور دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ خوف اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ اس کے

ذہن پر تاریکی چھانے لگی تھی اور وہ وہیں گر گئی تھی لیکن آنکھ کھلنے پر اس نے اپنے آپ کو مسہری پر پڑے ہوئے پایا تھا۔

دروازہ کس نے کھولا تھا اور کمرے میں کون آیا تھا؟ اس سوال کا جواب اس کے خیال میں زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میز پر سے کھانے کے برتن غائب تھے۔ برتنوں سے دلچسپی صرف خامس ہی کو ہو سکتی تھی لیکن اس نے اندر آنے کے لئے دروازہ کیسے کھولا تھا؟ دل کو تسلی دینے کے لئے اس نے خود ہی اپنے اس سوال کا جواب بھی تلاش کر لیا۔ ممکن ہے رات کو بے پناہ خوف کی وجہ سے وہ کنڈا لگانا بھول گئی ہو یا کنڈا پوری طرح نہ لگا ہو اور باہر سے دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا ہو۔ لیکن اس دروازے کے قریب فرش سے اٹھا کر مسہری پر کس نے لٹایا تھا؟ خامس کا خیال ذہن میں آتے ہی وہ عجیب کراہت سی محسوس کرنے لگی۔

زریاب کچھ دیر تک وہیں کھڑی رہی۔ پھر ڈرتے ڈرتے اس نے آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔ باہر دن کا ہلکا سا اجالا پھیل رہا تھا۔ فضا خاموش اور پرسکون تھی۔ اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اور مسہری کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے کھڑکیوں کے قریب جا کر دیکھا۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ اس نے ایک کھڑکی کے پٹ کھول دیئے اور سامنے والے بلاک میں دیکھنے لگی۔ اگرچہ فضا میں اجالا پھیل رہا تھا لیکن لیفٹ ونگ کی راہ داریوں میں اندھیرا تھا۔ وہ کھڑکی کھلی چھوڑ کر دوبارہ مسہری کے قریب آ گئی۔

مسہری پر قلم کھلا پڑا تھا۔ سب چادر کو چھو رہی تھی اور سفید چادر پر اٹھنی کے برابر روشنائی کا نیلا دھبہ سا پھیل گیا تھا۔ اس نے قلم اٹھا کر بند کر دیا اور ڈائری کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگی۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے نئی ڈائری خریدی تھی جس پر گزشتہ رات اس نے پہلی مرتبہ کچھ لکھا تھا۔ گزشتہ رات والی تحریر کے علاوہ اس ڈائری میں اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ ابھی اس نے ڈائری پر اپنا نام تک تحریر نہیں کیا تھا۔ کمرہ میں لیمپ کی روشنی تھی۔ اس نے آتش دان کے کارنس پر دیکھا۔ لیمپ اٹھا کر مسہری کے نیچے بھی دیکھ لیا کہ شاید ڈائری گر کر مسہری کے نیچے پہنچ گئی ہو لیکن..... ڈائری کہیں نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں اب صرف ایک ہی نام آ رہا تھا، خامس..... رات کو یقیناً وہی اس کمرے میں آیا تھا اور کھانے کے برتنوں کے ساتھ اس کی ڈائری بھی اٹھا کر لے گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر وہ اس کے کمرے میں داخل کیوں ہوا تھا؟ اگر برتن اٹھانا تھے تو اس کے لئے دن چڑھنے کا انتظار کیا جا سکتا تھا۔ رات کو اس کو برتنوں کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔ برتنوں کے ساتھ وہ اس کی ڈائری بھی لے گیا تھا اور یہ ایک بڑی غیر اخلاقی حرکت تھی۔

دن کا اجالا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اب کمرے میں بھی دن کی روشنی آ رہی تھی۔ زریاب نے لیمپ بجھا دیا اور میز کی طرف آ گئی۔ اسے پیاس لگ رہی تھی لیکن میز پر پانی والا جگ اور گلاس بھی نہیں تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر برآمدے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ غسل خانہ اس برآمدے کے آخر میں تھا۔ دو غسل خانے تھے۔ ایک برآمدے کے دائیں سرے پر اور دوسرا بائیں سرے پر۔ وہ کمرے سے نکل کر دائیں طرف چلنے لگی۔ کمرے کا دروازہ اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔ غسل خانے میں آ کر اس نے ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پیا اور پھر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس غسل خانے کی ٹنکی میں پانی کہاں سے آتا تھا لیکن پانی ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ غسل خانے سے نکل کر وہ اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی برآمدے میں چلنے لگی اور پھر کمرے میں آنے کی بجائے سائبان نما اس برآمدے میں مڑ گئی جو ایک دوسری عمارت کی طرف چلا گیا تھا۔ حویلی کی مختلف عمارتوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے اس قسم کے سائبان نما برآمدے بنے ہوئے تھے تاکہ تیز دھوپ اور بارش میں بھی ایک عمارت سے دوسری عمارت تک آمد و رفت جاری رکھی جا سکے۔

وہ اس عمارت کی مختلف راہ داریوں سے ہوتی ہوئی وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں پہنچ گئی۔ ڈائننگ ٹیبل کے ایک کونے پر برتنوں کی ٹرے دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے کمرے میں آنے والا خامس ہی تھا۔

وہ ڈائننگ ہال میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دیواروں میں کئی گہری الماریاں بنی ہوئی تھیں جن پر شیشے کے دروازے لگے ہوئے تھے۔ بیشتر الماریوں میں چینی، تانبے اور چاندی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ ان خوبصورت برتنوں کو دیکھ کر اچھے وقتوں میں اس لمبی چوڑی ڈائننگ ٹیبل کی شان و شوکت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"خامس....." زریاب نے کچن کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے پکارا۔

دو تین مرتبہ پکارنے پر بھی کوئی جواب نہیں ملا تو وہ کچن میں داخل ہو گئی۔ بڑا وسیع اور شاندار کچن تھا۔ دو فل کوکنگ رینج لگے ہوئے تھے۔ دونوں کے اطراف میں بڑے گیس سلنڈر بھی نظر آ رہے تھے۔ تمام برتن بڑے صاف ستھرے اور سلیقے سے آراستہ تھے۔ یہ سب کچھ دیکھتی ہوئی زریاب ایک اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ یہ کمرہ بھی کچن کی طرح وسیع تھا اور پینٹری کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ شیلف بنے ہوئے تھے اور ضروریات کی چیزیں وافر مقدار میں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں گیس کے دو سلنڈر بھی موجود تھے۔ دوسری چیزوں کی طرح شاید گیس کے یہ سلنڈر بھی ریزرو رکھے جاتے تھے۔ زریاب دوبارہ کچن میں آ گئی۔ پرانے زمانے میں یہ کچن نجانے کیسا ہو گا؟ لیکن اب اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بنایا گیا تھا..... البتہ چولہوں کے اوپر تقریباً تین فٹ کی بلندی پر ٹین کا بنا ہوا وہ لمبا چوڑا شیڈ اب بھی موجود تھا جو اوپر سے پائپ کی صورت میں چھت سے باہر نکل گیا تھا۔ پہلے یہاں چولہوں میں لکڑی جلتی ہو گی اور اوپر یہ شیڈ اور پائپ دھوئیں کے اخراج کے لئے لگایا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے بائیں طرف شیلف پر پڑی ہوئی ماچس اٹھا کر ایک چولہا جلایا اور چائے بنانے لگی۔ چند منٹ میں چائے تیار ہو گئی۔ وہ چائے کپ میں انڈیلنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اپنی پشت پر یہ آواز سن کر وہ اچھل پڑی۔ کیتلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی جو کپ سے ٹکراتی ہوئی الٹ گئی اور چائے نیچے بہنے لگی۔ وہ تیزی سے مڑ گئی۔ کچن کے دروازے میں دیو قامت خامس کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے برستے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

"وہ..... مم..... میں چائے بنا رہی تھی....." زریاب ہکلائی اور الٹی ہوئی کیتلی اور کپ کی طرف دیکھنے لگی۔ چائے نیچے بہہ رہی تھی۔

"میں اپنے کاموں میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔" خامس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "آئندہ کچن میں داخل مت ہونا۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں چائے لے آؤں گا۔"

زریاب نے بڑی مشکل سے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا اور گھورتی ہوئی نگاہوں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے خامس کو دیکھنے لگی۔ اسے خامس کا طرز عمل پسند نہیں آیا تھا۔ پہلی مرتبہ جب خامس سے آمنا سامنا ہوا تھا تو اس نے اسے مس زریاب کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اس کے بعد وہ اسے تم کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا۔ وہ حویلی کا معمولی سا ملازم تھا مگر زریاب سے اس کا رویہ بڑا توہین آمیز تھا۔

"میں جاگیردار نمران کی مہمان ہوں اور تمہیں اس طرح بدتمیزی سے مجھ سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" زریاب نے کہا۔ اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"میں اپنے کاموں میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔" خامس نے بدستور سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

زریاب چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ پھر پیر پٹختی ہوئی کچن سے نکل کر ڈائننگ روم سے ہوتی ہوئی راہداریوں میں چکرانے لگی۔

اپنے کمرے میں آکر وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اس نے دوسری کھڑکی بھی کھول دی تھی۔ خامس کی اس بدتمیزی پر وہ بری طرح تلملا کر رہ گئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ جب نمران سے ملاقات ہوگی تو وہ اس کی شکایت ضرور کرے گی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ نمران سے ملاقات کب ہوگی؟ اسے اس قدر پراسرار کیوں بنایا جا رہا تھا؟ وہ بیمار تھا اور اس حویلی کے کسی حصہ میں موجود تھا لیکن اس سے ملنے نہیں دیا جا رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد خامس چائے لے کر آگیا۔ زریاب اس وقت کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ خامس کے قدموں کی چاپ اس وقت بھی اس نے نہیں سنی تھی۔ وہ میز پر کپ رکھنے کی آواز سن کر چونکی تھی۔ وہ پیچھے مڑی تو خامس واپس جا رہا تھا۔

"ایک منٹ رک جاؤ خامس۔" زریاب نے اسے آواز دی۔

خامس دروازے کے قریب رک گیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے کمرے سے برتن تم لے کر گئے تھے؟" زریاب نے پوچھا۔

خامس نے زبانی جواب دینے کی بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"رات کے پچھلے پہر تمہیں برتنوں کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی اور تم کمرے میں کس طرح داخل ہوئے تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا کس طرح کھولا تھا تم نے دروازہ؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس طرح کسی عورت کے کمرے میں داخل ہونا نہایت غیر اخلاقی

حرکت ہے؟" زریاب اسے گھور رہی تھی۔

"میں نے کوئی غیر اخلاقی حرکت نہیں کی۔" خامس نے بھی ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔ "میں تمہارے چیخنے کی آواز سن کر اس طرف آیا تھا۔ تم شاید نیند میں ڈر گئی تھیں اور چیختی ہوئی کمرے سے باہر نکلنا چاہتی تھیں۔ تم نے دروازے کا کنڈا تو کھول دیا تھا لیکن باہر نہیں نکل سکی تھیں اور بے ہوش ہو کر دروازے کے اندر کی طرف گر گئی تھیں۔ میں نے تمہیں اٹھا کر مسہری پر لٹا دیا تھا اور واپس جاتے ہوئے برتن بھی لے گیا تھا۔"

"میں چیخی تھی؟" زریاب نے اسے گھورا۔

"ہاں! آواز تمہارے کمرے سے آئی تھی۔ اور پھر میں نے تمہیں یہاں بے ہوش پڑے دیکھا تھا۔" اس نے دروازے کے قریب اشارہ کیا۔ "میرا خیال ہے رات کو تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا اور نیند میں دوڑ کر کمرے سے نکلنا چاہتی تھیں لیکن....."

"حویلی میں دوسری عورت کون ہے؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"دوسری عورت؟" خامس کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن چہرے کے تاثرات اس کے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ "حویلی میں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔"

"میں نے رات کو اس کے چیخنے کی آوازیں سنی تھیں۔ یہاں اپنے کمرے کے سامنے۔" زریاب نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ "مجھے یاد آگیا۔ میں اس کی چیخوں کی آواز سن کر اٹھی تھی اور جب میں نے دروازہ کھولا تو تم اس عورت کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور پھر شاید مجھے چکر آگیا تھا اور میں گر گئی تھی۔ کون تھی وہ عورت؟"

"اوہ۔" خامس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "میں نے کہا نا کہ حویلی میں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔"

"اور وہ نرس؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا وہ عورت نہیں ہے؟"

"وہ جاگیردار کی دیکھ بھال پر مامور ہے۔ وہ حویلی کے اس حصہ میں نہیں آتی۔"

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس نے جواب دیا۔

"جاگیر دار کہاں ہے؟ مجھے اس سے ملنے کیوں نہیں دیا جاتا؟" زریاب نے کہا۔ "آج اگر مجھے اس سے نہ ملایا گیا تو میں خود اسے تلاش کروں گی۔"

"حویلی کے معاملات میں مداخلت کی کوشش مت کرنا۔" خامس نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"رک جاؤ!" زریاب نے کرخت لہجے میں کہا۔

خامس رک گیا۔ "میری ڈائری کہاں ہے؟"

"ڈائری!" خامس تیزی سے اس کی طرف مڑ گیا۔ "کیسی ڈائری؟"

"میں رات کو بستر پر بیٹھی ڈائری لکھ رہی تھی۔" زریاب نے کہا۔ "وہ ڈائری یہیں بستر پر تھی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ ڈائری غائب تھی۔ کمرے میں صرف تم آئے تھے۔ برتن لے کر تم گئے تھے اور وہ ڈائری....." وہ خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "بقول تمہارے اس حویلی میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی تیسری ہستی کا وجود نہیں ہے۔ جاگیر دار اور اس کی تیمار دار نرس کو میں شمار نہیں کر رہی۔ انہیں نجانے کہاں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے میں خود اپنی ڈائری غائب نہیں کر سکتی۔ صرف تم رہ جاتے ہو اور رات کو تم میرے کمرے میں آئے تھے۔"

"تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔" خامس نے اسے گھورا۔ "میں تمہاری ڈائری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ تیزی سے مڑا اور کمرے سے نکل گیا۔

زریاب اسے دروازے سے باہر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر وہ میز کی طرف آ گئی اور چائے کا کپ اٹھا کر کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ خشک دودھ کی بنی ہوئی چائے ٹھنڈی ہو کر بدمزہ ہو گئی تھی۔ اس نے دو چار گھونٹ بھرے اور کپ میز پر رکھ دیا۔

اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ رات اس نے کوئی خوفناک خواب نہیں دیکھا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا سب کچھ حقیقت تھا۔ اس نے دروازے پر دستک کی آواز اور کسی عورت کی سرگوشی سنی تھی جو اس کا نام لے کر اسے پکار رہی تھی اور جب اس نے دروازہ کھولا تھا تو وہ عورت کسی طرف بھاگ گئی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو اور اس کی چیخوں کی آواز بھی اس نے صاف طور پر سنی تھی۔ اور

خامس کہہ رہا تھا کہ حویلی میں کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دھوپ پھیل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد خامس ناشتہ لے کر آ گیا۔ اس نے ناشتہ میز پر لگا دیا۔ خالی ٹرے میز کے پائے کے ساتھ کھڑی کر دی اور میز پر پہلے سے رکھا ہوا کپ اٹھا کر چلا گیا۔ زریاب بڑی گہری نظروں سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس وقت نہ تو وہ کچھ بولی تھی اور نہ ہی خامس نے کچھ کہا تھا۔

زریاب میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی اور ناشتہ کرنے لگی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ بڑا ہی بھیانک خیال تھا۔ اسے ناشتے یا کھانے میں زہر نہ دے دیا جائے۔ یہ خیال آتے ہی اس کا ہاتھ رک گیا۔ منہ کا نوالہ حلق سے اترنا مشکل ہو گیا۔ لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ ان سے اس کی کیا دشمنی تھی۔ وہ لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ جاگیر دار سے ملنے کیوں آئی تھی؟ اس نے سر جھٹک دیا اور اطمینان سے ناشتہ کرنے لگی۔

ناشتے کے بعد وہ کبھی کھڑکی کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور کبھی برآمدے میں آ جاتی۔ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ خامس برتن لینے نہیں آیا تھا۔ وہ اس وقت برآمدے میں کھڑی تھی۔ چڑھتی ہوئی دھوپ میں فضا بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ حویلی میں کسی طرف کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی کسی طرف سے کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

گوپانگ نے حویلی کے لیفٹ ونگ کی طرف جانے سے منع کیا تھا لیکن کسی اور طرف جانے کے لئے اس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آج حویلی کے باقی حصوں کا معائنہ کر لیا جائے۔

وہ برآمدے سے نکل کر سامنے والے میدان کی طرف بڑھ گئی۔ میدان میں خودرو جھاڑیاں تھیں جو سوکھ چکی تھیں۔ اس میدان کے دوسری طرف ایک طویل بلاک تھا۔ زریاب میدان عبور کر کے اس بلاک میں داخل ہو گئی۔ کئی کمرے تھے۔ سب کے سب خالی تھے۔ تمام کمروں کے فرش پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ وہ ایک راہداری میں سے ہوتی ہوئی پچھلی طرف نکل آئی۔ چند گز کے فاصلے پر ایک اور دو منزلہ چوکور عمارت تھی۔ وہ اس عمارت میں داخل ہو گئی۔ درمیان میں ایک بڑا ہال تھا۔ اس کے اطراف میں تین کمرے تھے اور چوتھی سمت اوپر جانے کیلئے زینہ تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زریاب ان کمروں کو کھول کر دیکھتی رہی۔ ایک کمرے میں کچھ کاٹھ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ دوسرے کمرے کے فرش پر گھاس پھونس بکھرا ہوا تھا۔ اس کمرے کی ایک دیوار پر کوئی پینٹنگ صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

وہ تیسرے کمرے سے نکل کر چوتھے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ چھت پر کسی کے چلنے کی آواز سن کر چونک گئی۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی اوپر والے کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہو۔ وہ زینے کی طرف بڑھ گئی۔ دبے قدموں سیڑھیاں چڑھتی ہوئی وہ اوپر والے ہال میں پہنچ گئی۔ اس نے تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن کسی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اوپر بھی ہال کے اطراف میں اسی طرح کمرے بنے ہوئے تھے جن کے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ کھڑکیوں سے آنے والی تیز ہوا سے سائیں سائیں کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

وہ واپس جانے کے لئے مڑ رہی تھی کہ وہی آواز سن کر ٹھٹھک گئی۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کوئی اس کے آگے دو قدم چلا ہو۔ وہ خوفزدہ سی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اور پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ گتے کا ڈبہ تھا۔ جوتے والے ڈبے سے ذرا چھوٹا تھا اور ہوا سے اِدھر اُدھر لڑھکنے لگتا تھا۔

زریاب اوپر والے کمرے دیکھنے کے بعد نیچے آ گئی۔ وہ باہر جانا چاہتی تھی کہ زینے کے نیچے ایک چھوٹا سا دروازہ دیکھ کر چونک گئی۔ دروازے پر کنڈا لگا ہوا تھا۔ اس نے کنڈا کھول دیا۔ اندر تاریکی تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس عمارت سے نکل کر کچن والے بلاک میں آ گئی۔ اس طرف خامس سے سامنا ہونے کا اندیشہ تھا۔ لیکن اسے خامس کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے کچن سے ماچس اٹھائی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دوبارہ اسی بلاک میں پہنچ گئی۔

زینے کے نیچے دروازے میں داخل ہو کر اس نے دیا سلائی جلائی۔ دائیں طرف دیوار کے ساتھ ہک میں ایک مشعل ٹنگی ہوئی تھی۔ اس نے مشعل ہک سے نکال کر روشن کر لی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگی۔

یہ ایک تنگ سا ڈھلانی راستہ تھا۔ قدیم قلعوں اور حویلیوں میں اس قسم کے خفیہ راستے ضرور ہوا کرتے تھے۔ زریاب آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ خفیہ راستہ اسے

حویلی سے باہر لے جائے گا۔ لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ ڈھلانی راستہ ایک بہت بڑے ہال نما کمرے پر ختم ہو چکا تھا۔ اس ہال میں بہت سی قدیم طرز کی ٹوٹی پھوٹی کرسیاں بکھری ہوئی تھیں۔ بالکل سامنے ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس چبوترہ پر بھی چند ٹوٹی پھوٹی کرسیاں پڑی تھیں۔ چبوترے کے پیچھے دیوار پر ایک بہت بڑی پینٹنگ آویزاں تھی۔

زریاب چبوترے پر چڑھ گئی اور مشعل اوپر اٹھا کر اس پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔ یہ دراصل ایک عورت کا بہت بڑا پورٹریٹ تھا۔ سفید لباس اور چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی جیسے ایک طرف گھونگھٹ سا کاڑھ رکھا ہو۔ اس کا نصف چہرہ بالکل واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ زریاب غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ چہرہ اس نے پہلے بھی دیکھا ہو..... اور پھر اسے یاد آ گیا۔ پچھلی رات جس کمرے میں اس کی آنکھ کھلی تھی وہاں ایک ایسی پینٹنگ بھی آویزاں تھی جس میں چاندنی رات میں کسی قلعہ نما حویلی اور کھیتوں کا منظر دکھایا گیا تھا۔ کھیتوں میں پگڈنڈی پر ایک خوبصورت عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی اور یہ پورٹریٹ..... یہ اسی عورت کا چہرہ تھا۔

زریاب مشعل اٹھائے بڑے غور سے اس پورٹریٹ کو دیکھ رہی تھی کہ اپنے کندھے پر ہلکا سا دباؤ محسوس کر کے اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا لگا۔ بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ ہاتھ زیادہ بھاری نہیں تھا اس لئے وہ خامس نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پیچھے مڑنے لگی۔ اور پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی۔ وہی حسین عورت اس کے سامنے کھڑی تھی جس کا پورٹریٹ دیوار پر آویزاں تھا۔ زریاب کے منہ سے ایک اور چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ سے مشعل چھوٹ کر ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر گری اور وہ خود لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹتی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس عورت نے سیدھا ہاتھ اٹھا دیا جیسے اسے پر سکون رہنے کا اشارہ کر رہی ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ دو قدم آگے بھی بڑھی تھی۔

زریاب بدستور چیختی اور لڑکھڑاتی الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی اور بالآخر دیوار سے جا لگی۔ اس کا سر دیوار پر آویزاں پینٹنگ کے فریم کے نچلے حصے سے ٹکرایا۔ اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ اس کے سر کے اوپر دیوار پر وہ تصویر آویزاں تھی جو اس کے خیال میں کم از کم سو یا ڈیڑھ سو سال پہلے پینٹ کی گئی تھی اور سامنے وہ عورت تھی جس کی وہ تصویر تھی۔ یہ زندہ عورت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً بدروح تھی۔

وہ عورت سیدھا ہاتھ سامنے کو اٹھائے آگے بڑھتی رہی۔ اور بالآخر زریاب سے دو تین قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ مشعل کرسی پر اس طرح گری تھی کہ اس کا جلتا ہوا سرا سیٹ کے کنارے پر تھا اور مشعل کے پیالہ نما حصے میں کسی جانور کی چربی یا جو بھی چیز تھی سیٹ پر گر گئی تھی اور سیٹ نے بھی آگ پکڑ لی تھی۔ شعلے اٹھنے لگے تھے۔ اس عورت نے مڑ کر دیکھا اور لپک کر مشعل اٹھا لی۔ اس نے کرسی کی آگ بجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کرسی ویسے بھی قدرے الگ تھلگ پڑی تھی اور اس سے دوسری کرسیوں کو آگ لگنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس نے مشعل اپنے سامنے کر لی اور دوبارہ زریاب کے قریب آ گئی۔

"ڈرو نہیں..... میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔" اس کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی۔

زریاب کے چہرے پر خوف کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے۔ آنکھوں میں وحشت بڑھ گئی۔ یہ سرگوشیانہ آواز..... بالکل وہی آواز تھی جو گزشتہ رات اس نے اپنے کمرے

کے دروازے پر سنی تھی۔ اس نے چیخ روکنے کے لئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

جلتی ہوئی کرسی کے شعلوں اور مشعل کی کپکپاتی ہوئی روشنی میں وہ عورت بہت ہی پراسرار لگ رہی تھی۔ سفید لباس اور سر پر سفید چادر اس طرح پڑی تھی کہ ایک طرف گھونگھٹ سا نکل آیا تھا۔ جبکہ چہرے کا دوسرا رخ روشنی کی زد میں تھا۔ بالکل وہی پوز تھا جو اس کے سر کے اوپر آویزاں تصویر میں تھا۔ انتہائی خوفزدہ ہونے کے باوجود زریاب کو دل ہی دل میں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ وہ بے حد حسین تھی۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری دوست ہوں۔" اس عورت نے کہا۔ لہجہ اس مرتبہ بھی دوستانہ تھا۔

"کیا روحیں بھی کسی کی دوست ہو سکتی ہیں؟" زریاب کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"روح!"

اس عورت کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔ نقرئی قہقہہ کی کھنک پورے ہال میں پھیل گئی۔ "میں کوئی روح نہیں ہوں۔ تمہاری طرح گوشت پوست کی انسان ہوں۔ لو..... مجھے چھو کر دیکھو۔ تمہیں میری بات کا یقین آ جائے گا۔" اس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"نہیں نہیں....." زریاب اپنی جگہ پر سمٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

خامس نے جاگیردار نمران کی دیکھ بھال کرنے والی نرس کے علاوہ حویلی میں کسی بھی عورت کے وجود سے انکار کیا تھا۔ لیکن پھر اسے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ کوئی عورت اس کا نام لے کر اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتی رہی تھی۔ وہ آواز اس عورت کی آواز سے مشابہہ تھی۔ اور پھر رات کو جب اس نے دروازہ کھولا تھا تو وہ عورت غائب ہو گئی تھی اور پھر فضا میں دوڑتے ہوئے قدموں اور نسوانی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ کیا یہ وہی عورت یا روح تھی جس نے رات کو اس کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کی تھی؟

"اوہ!" عورت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "تمہارے دل میں خوف بیٹھا ہوا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ لیکن..... مجھ سے ڈرو نہیں۔ میں تمہاری دوست ہوں۔"

"دوست.....؟ کون ہو تم؟" زریاب نے خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا۔ وہ اس کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کا پورا جسم سفید لباس میں چھپا ہوا تھا۔ صرف چہرہ اور ہاتھ برہنہ تھے۔ اس کے حسن میں کوئی کلام نہیں تھا۔ رنگت ایسی جیسے میدے میں ہلکا سا گلابی رنگ ملا دیا جائے۔ غزال جیسی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں۔ لیکن ان آنکھوں میں بڑی اداسی تھی۔ ہاتھوں کی مخروطی انگلیاں بہت خوبصورت تھیں۔ زریاب کے اندازے کے مطابق اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔

"میں کندن ہوں۔" اس عورت نے زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں زریاب....."

"تت..... تم..... میرا نام بھی جانتی ہو....." زریاب ہکلا گئی۔ "کل رات....."

"ہاں!" کندن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہارے کمرے کے دروازے پر دستک میں نے ہی دی تھی۔ میں نے ہی تمہیں سرگوشیوں میں آواز دی تھی۔ لیکن تم شاید اس وقت سو گئی تھیں۔"

"نہیں! میں جاگ رہی تھی۔" زریاب نے جواب دیا۔ "میں نے جب دروازہ کھولا تو باہر کوئی نہیں تھا۔ البتہ چیخوں کی آوازیں....."

"ہاں..... میں ہی جان بچانے کے لئے بھاگی تھی۔" کندن نے کہا۔

"جان بچانے کے لئے.....؟" زریاب کے لہجے میں حیرت تھی۔ دوستانہ انداز میں باتوں سے اس کا خوف زائل ہو رہا تھا۔ "کیا روحوں کو بھی جان کا خوف ہوتا ہے؟"

کندن نے ایک بار پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "تمہیں شاید میرے انسان ہونے کا یقین نہیں آ رہا۔ ٹھیک ہے۔ تم جن حالات سے دوچار ہو ان کے پیش نظر تم کسی بات کا بھی یقین نہیں کر سکتیں۔"

"یہ..... یہ تصویر.....؟" زریاب نے اپنے سر کے اوپر دیوار پر آویزاں تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ایک طویل داستان ہے۔ پھر کسی وقت سناؤں گی۔" کندن نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔ تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ اور میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"چند روز پہلے میں نے چھپ کر گوپانگ اور جاگیر کے منیجر رکھیل شاہ کی باتیں سن لی تھیں۔ رکھیل شاہ عام طور پر درویش پور ہی میں رہتا ہے۔ گوپانگ کو یہ بتانے کے لئے اس روز خاص طور پر یہاں آیا تھا کہ زریاب نام کی ایک لڑکی جاگیردار سے ملنے کے لئے آنے والی ہے۔ اسے جاگیردار سے دور ہی رکھا جائے اور اگر وہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تو....."

"تو کیا.....؟" کندن کے خاموش ہونے پر زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم خطرے میں ہو..... میں تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔" کندن نے جواب دیا۔

"لیکن..... میری ان سے کیا دشمنی ہے؟ زریاب نے کہا۔ "میں تو ان لوگوں کو جانتی تک نہیں۔ یہ لوگ مجھے کیوں نقصان پہنچائیں گے؟"

"میرے ساتھ آؤ..... میں بتاتی ہوں۔" کندن نے کہا اور ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔

زریاب کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی نظریں کندن کے قدموں پر تھیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ روحوں کے پیر زمین پر نہیں لگتے۔ اگر وہ زمین پر چلتی ہوئی نظر بھی آئیں تو پیروں کے نشان نہیں بنتے۔ لیکن کندن نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ ایک لبادے کی طرح تھا۔ اس کے پیر چھپ گئے تھے اور لبادہ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ..... ڈرو نہیں۔" کندن نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

زریاب بے خودی کی سی کیفیت میں اس کے پیچھے چلنے لگی۔ کرسی ابھی تک جل رہی تھی۔ زرد لرزتی ہوئی روشنی میں متحرک سفید لبادہ بہت ہی پراسرار لگ رہا تھا۔ ایک لمحے کو تو زریاب کے دل میں آیا کہ وہ اس تنگ سے راستے کی طرف بھاگ کھڑی ہو جس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف سے آئی تھی لیکن وہ اپنے اس ارادے پر عمل نہ کر سکی۔ چبوترے سے اتر کر کشاں کشاں کندن کے پیچھے چلتی رہی۔

اس وسیع و عریض ہال میں صرف اسی جگہ روشنی تھی جہاں وہ کرسی جل رہی تھی یا جس طرف کندن مشعل لے کر چل رہی تھی۔ ہال کا باقی حصہ تاریکی میں چھپا ہوا تھا۔ ہال کے دائیں طرف آخری سرے پر ایک تنگ سا راستہ تھا۔ کندن اس راستے میں داخل ہو چکی تھی۔ اس نے مشعل اس طرح اٹھا رکھی تھی کہ پیچھے آنے والی زریاب کو بھی راستہ دکھائی دیتا رہے۔ وہ تنگ راستہ دس بارہ گز سے زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ ایک دروازہ اس تنگ سی راہداری کے دائیں طرف تھا اور ایک بائیں طرف لیکن کندن ان دونوں میں سے کسی دروازے میں داخل نہیں ہوئی۔ راہداری کے اختتام پر سرخ اینٹوں کی دیوار کے قریب رک کر مشعل کی روشنی میں نیچے بیٹھ کر دیوار کے اندر ایک سوراخ میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس سوراخ کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کوئی اینٹ اکھڑ کر نکل گئی ہو۔

صرف تین سیکنڈ بعد کندن اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ تقریباً اسی لمحہ سامنے والی دیوار شق ہو گئی۔ اس میں اتنا راستہ بن گیا کہ ایک بھاری بھر کم آدمی بھی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ کندن اس راستے میں داخل ہو گئی۔ زریاب آگے بڑھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"آؤ..... ڈرو نہیں۔" کندن نے مڑ کر کہا۔

زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ کچھ دیر تک عجیب سی نظروں سے کندن کی طرف دیکھتی رہی پھر اندر داخل ہو گئی۔ کندن نے دیوار کے دوسری طرف لگی ہوئی لکڑی کی ایک کھونٹی کو پکڑ کر گھما دیا۔ دیوار برابر ہو گئی۔

یہ حویلی پتہ نہیں کب تعمیر ہوئی تھی لیکن اس کے خفیہ راستوں کے مکینزم اب بھی بہترین حالت میں ہیں۔

کندن نے کہا۔ "تم نے قدیم زمانے کی حویلیوں، قلعوں اور محلات کے بارے میں ضرور پڑھا ہو گا۔ نواب جاگیر دار اور حکمران اپنے محلات اور قلعوں میں اس قسم کے خفیہ راستے ضرور بناتے تھے تاکہ کسی مشکل وقت میں اپنی جان بچانے کے لئے ان راستوں کو استعمال کر سکیں۔ آؤ..... میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

زریاب کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ خفیہ راستہ اسی [illegible]

ہوا تھا۔ یہ تو وہ اس روز بھی دیکھ چکی تھی کہ حویلی کی دیواریں بہت چوڑی تھیں اور یہ انکشاف خاصا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ ان دیواروں کے اندر خفیہ راستے بنے ہوئے تھے۔ وہ کندن کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی دل ہی دل میں اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی۔ اگر اسے اس تنگ سرنگ میں ہی ختم کر دیا گیا تو دنیا اس کے بارے میں کبھی کچھ نہیں جان سکے گی۔

وہ اس تنگ راستے میں آگے پیچھے چلتی رہیں۔ یہ راستہ شیطان کی آنت کی طرح طویل ثابت ہوا تھا اور اس میں کئی موڑ آئے تھے۔ کبھی یہ راستہ ہموار ہوتا کبھی ڈھلوان اور کبھی بلندی کی طرف جاتا ہوا..... زریاب کے لئے یہ بات بڑی حیرت انگیز تھی کہ اس قدیم حویلی کی چوڑی دیواروں کے اندر اور اس کے نیچے سرنگوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ بالآخر وہ ایک کشادہ کمرے میں نکل آئیں۔ زریاب کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ حویلی کا کون سا حصہ تھا۔

کندن نے مشعل بجھا کر کمرے کے ایک کونے میں رکھ دی۔ وہ سرنگوں سے باہر آ گئی تھیں اور یہاں دن کی روشنی میں انہیں مشعل کی ضرورت نہیں تھی۔ کندن کمرے سے نکل کر اسے مختلف راہداریوں میں گھماتی ہوئی ایک دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس نے مڑ کر زریاب کی طرف دیکھا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی سخت ترین بدبو کا ایک بھبکا زریاب کی ناک سے ٹکرایا۔ اسے اپنا دماغ پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یوں لگا جیسے کلیجہ منہ کو آ رہا ہو۔ اس نے جلدی سے ناک اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ کمرے کا ماحول نیم تاریک تھا لیکن اندر کا منظر دیکھنے میں اسے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

فرش پر شگن کی پھولی ہوئی لاش پڑی تھی۔ اس کا چہرہ کچھ اور بھیانک ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ لاش سے سخت تعفن اٹھ رہا تھا۔ زریاب کو ابکائی سی آ گئی اور دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دوڑتی ہوئی کئی قدم دور چلی گئی۔ کندن نے دروازہ بند کر دیا۔

راہداری کے اختتام پر ایک زینہ تھا۔ کندن اسے اشارہ کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ زریاب بھی اس کے پیچھے تھی۔ سیڑھیوں کا اختتام ایک ایسی جگہ پر ہوا تھا جسے کمرہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایک گول برجی سی تھی۔ اسے ایک طرح سے بارہ دری بھی کہا جا سکتا تھا۔ چار ستون تھے۔ اوپر گنبد نما گول چھت تھی۔ چاروں طرف تقریباً چار فٹ اونچی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیوار تھی۔ اس کے درمیان اور چھت کے درمیان کھلی جگہ تھی جس کی وجہ سے تیز ہوا آ رہی تھی۔ زریاب نے دیوار پر جھک کر دیکھا۔ نیچے تقریباً پچاس فٹ گہرائی میں گھنا جنگل نظر آ رہا تھا۔ اس جنگل کے پرلی طرف کافی دور دو پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں جہاں سے گرد و غبار اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ برجی حویلی کی فصیل کے ایک سرے پر تھی جسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ قدیم زمانے میں اس برجی سے نگران چوکی کا کام لیا جاتا ہو گا جہاں دن رات محافظ کھڑے رہتے ہوں گے۔ اس برجی سے میلوں دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" کندن کہتے ہوئے خود بھی دیوار سے ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گئی۔ "کتنی ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے یہیں بیٹھے رہیں۔"

زریاب عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی سامنے والی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ خامس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ زریاب اپنے کمرے میں نہیں ہے تو وہ اسے تلاش کرتا ہوا یقیناً اس طرف بھی نکل آئے گا۔

"خامس!" کندن نے جیسے اس کے خیالات پڑھ لئے۔ "وہ حویلی میں نہیں ہے۔ سورج نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اسے گھوڑے پر سوار درویش پور کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"گھوڑے پر؟" زریاب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن میں نے تو حویلی میں خامس کے علاوہ کسی اور ذی روح کو نہیں دیکھا۔"

"حویلی کے باہر اس طرف۔" کندن نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "ایک چھوٹا سا مکان ہے جہاں ایک بوڑھا اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ وہاں ایک اصطبل بھی ہے جہاں دو تین گھوڑے بھی موجود ہیں۔ خامس کو کہیں جانا ہو تو وہ اسی طرف سے جاتا ہے۔ وہاں آمد و رفت کے لئے ایک چھوٹا دروازہ ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بولی۔ "یہ حویلی کا آخری سرا ہے۔ "تم جس کمرے میں رہائش پذیر ہو وہ اس طرف ہے۔ یہاں سے تمہیں حویلی کا وہ حصہ نظر نہیں آئے گا۔"

"شگن کو کس نے قتل کیا ہے؟" زریاب نے اچانک سوال کیا۔

"تمہاری مراد اس شخص سے ہے جس کی لاش تم نے دیکھی تھی؟" کندن نے

پوچھا۔

"ہاں۔" زریاب نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ریلوے سٹیشن پر ملازم تھا۔ ٹرین سے اترنے کے بعد سب سے پہلے میری ملاقات اسی عجیب و غریب ہیئت والے شخص سے ہوئی تھی۔ میں نے اس سے حویلی کا راستہ دریافت کیا تو اس نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ حویلی کے بارے میں عجیب و غریب اور پراسرار داستانیں سنا کر مجھے خوفزدہ کرنا چاہا تھا لیکن میں نے حویلی کی طرف آنے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ سٹیشن کا ایک دوسرا ملازم کمال میرے ساتھ آنے پر آمادہ ہوا تو شگن جنگل میں چھپ کر ہمارا پیچھا کرتا رہا۔ وہ شاید مجھے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا کہ میں واپس لوٹ جاؤں۔ جب ہم حویلی سے کچھ فاصلے پر رہ گئے تو اس نے چھپ کر خنجر سے مجھ پر حملہ کیا۔ میں تو اس حملے سے بچ گئی لیکن میرے ساتھ آنے والا ریلوے کا دوسرا ملازم کمال اس خنجر کا نشانہ بن گیا۔ وہ وہیں تڑپ تڑپ کر ختم ہو گیا۔ اور جب میں چیختی ہوئی حویلی کی طرف دوڑی تو گیٹ کے عین سامنے شگن نے میرا راستہ روک لیا۔ میں اس قدر خوف زدہ تھی کہ اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکی اور بے ہوش ہو کر گر پڑی۔"

"حقیقت وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔" کندن نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟ حقیقت کیا ہے؟" زریاب نے اسے گھورا۔

"تم پر قاتلانہ حملہ شگن نے نہیں، خامس نے کیا تھا۔" کندن نے کہا۔

"خامس؟" زریاب اچھل پڑی، "لیکن....."

"یہ حقیقت ہے۔" کندن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "شگن حویلی کا وفادار تھا۔ جب تم نے اس سے حویلی کا راستہ دریافت کیا تو اسے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ تم حویلی میں پہنچ گئیں تو واپس نہیں آ سکو گی۔ اس نے حویلی کے بارے میں فرضی اور خوفناک داستانیں سنا کر روکنے کی کوشش کی لیکن جب تم نہیں مانیں تو تمہارا پیچھا کر کے جنگل میں عجیب و غریب حرکتوں سے تمہیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ تمہیں ہر صورت میں حویلی میں داخل ہونے سے روکنا چاہتا تھا۔ اور پھر وہ ہوا جس کی شاید اسے بھی توقع نہیں تھی۔ خامس کو کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ تم حویلی کی طرف آ رہی ہو۔ لیکن اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ شگن چھپ کر تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس نے خنجر سے حملہ کر کے تمہارے ساتھ آنے والے کمال کو ہلاک کر دیا۔ وہ خنجر زہر میں بجھا ہوا تھا اور وہ حملہ تم پر نہیں کمال پر ہی کیا گیا تھا۔ شگن یہ صورت حال دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اسے یقین تھا کہ تم دوڑ کر حویلی کی طرف ہی جاؤ گی۔ وہ ہر صورت میں تمہیں روکنا چاہتا تھا۔ اس نے تمہیں حویلی کے گیٹ کے سامنے روکنے کی آخری کوشش کی۔ مگر تم خوف کی شدت سے بے ہوش ہو گئیں۔ وہ تمہیں اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ خامس وہاں پہنچ گیا۔ اس نے شگن پر حملہ کر دیا اور اسے بھی بے ہوش کر دیا۔ خامس تم دونوں کو اٹھا کر حویلی میں لے آیا اور دونوں کو الگ الگ کمروں میں بند کر دیا۔ شگن کو جلدی ہوش آگیا اور وہ کسی طرح کمرے سے نکلنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ وہ مختلف کمروں میں تمہیں تلاش کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تمہیں حویلی سے نکال لے جائے گا لیکن اسی دوران خامس بھی اسی طرف آگیا۔ وہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ تم دونوں میں سے کوئی ہوش میں آیا ہے یا نہیں۔ شگن ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا لیکن خامس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ شگن اس سے بچنے کے لئے سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ خامس بھی اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ اگر چھت زیادہ اونچی نہ ہوتی تو شگن وہاں سے چھلانگ لگا دیتا لیکن چھت بہت اونچی تھی۔ وہ چھلانگ لگانے کی ہمت نہ کر سکا اور خامس کی گرفت میں آگیا۔ ان دونوں میں دھینگا مشتی ہوئی اور بالآخر خامس اسے بے ہوش کر کے اٹھا لایا اور تمہارے کمرے سے بہت دور یہاں باندھ کر ڈال دیا۔"

کندن خاموش ہو گئی۔ زریاب کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس رات اپنے کمرے کی چھت پر اس نے بھاگ دوڑ اور دھینگا مشتی کی جو آوازیں سنی تھیں اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ وہ چیخ بھی یقیناً شگن کی تھی۔ ممکن ہے اسے کوئی ایسی چوٹ لگی ہو کہ خون تو نہیں بہا لیکن وہ تکلیف سے چیخ اٹھا تھا اس لئے اسے چھت پر خون کا کوئی نشان وغیرہ نظر نہیں آیا تھا۔ خامس نے چھت پر دھینگا مشتی کے نشان مٹا دیئے ہوں گے۔ کسی جھاڑو وغیرہ سے دھول میں ان نشانات کو ہموار کر دیا ہو گا اور ہوا سے اڑنے والی دھول نے رہے سہے نشانات کو مزید مٹا دیا ہو گا۔

صبح جب وہ چھت پر کسی قسم کے نشانات تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو خامس بھی وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ اسے کمرے میں نہ پا کر خامس کو یقین ہو گیا ہو گا کہ وہ چھت پر آئی

ہو گی۔ زریاب کے دریافت کرنے پر خامس نے چھت پر کسی قسم کے دھینگا مشتی کے واقعہ کی سختی سے تردید کی تھی۔

"اتفاق سے اس سے اگلے روز میں حویلی میں آئی تھی۔" کندن نے کہا۔ "میں نے شگن کو اس کمرے میں بندھے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گئی۔ میرے پوچھنے پر اس نے سب کچھ بتا دیا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو جائے تو میں تمہاری مدد کروں۔ میں اس کی رسیاں کھولنا چاہتی تھی لیکن راہداری میں کوئی چیز گرنے کی آواز سن کر چونک گئی۔ میں نے دروازے سے جھانک کر دیکھا تو خامس اسی طرف آ رہا تھا۔ میں کھڑکی کے راستے بھاگ نکلی۔ میں نے سوچا تھا کہ بعد میں آ کر اسے یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ لیکن چند گھنٹوں بعد جب میں دوبارہ آئی تو وہ مر چکا تھا، یا اسے مار دیا گیا۔ میں اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا گوشت گل سڑ جائے گا اور ڈھانچہ یہاں پڑا رہ جائے گا۔"

"میں نے حویلی میں ایک اور ڈھانچہ بھی دیکھا تھا کرسی پر بندھا ہوا۔" زریاب نے کہا۔

"ہاں..... حویلی کے لیفٹ ونگ میں وہ ڈھانچہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ وہ بھی حویلی کا ایک وفادار ملازم تھا جسے کرسی پر باندھ کر ڈال دیا گیا اور وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے ڈھانچے میں تبدیل ہو گیا۔" کندن نے جواب دیا۔

"ریلوے کے ملازم کمال اور شگن کو کیوں قتل کیا گیا ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"صرف ان دونوں ہی کو نہیں، اس رات سٹیشن ماسٹر کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔" کندن نے کہا۔

"کک..... کیوں.....؟" زریاب کو سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"تمہاری آمد کو راز رکھنے کے لئے۔" کندن نے جواب دیا۔ "تاکہ کوئی یہ نہ بتا سکے کہ تم حویلی آنے کے لئے اس سٹیشن پر ٹرین سے اتری تھیں۔"

"مم..... مگر..... یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟" زریاب نے کہا۔ "میں زبردستی تو یہاں نہیں آئی۔ جاگیردار نمران کی دعوت پر آئی ہوں۔ وہ لوگ مجھے اس سے ملنے کیوں نہیں دیتے؟"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" کندن نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"میرا تعلق سندس خاندان سے ہے۔" زریاب نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اپنے خاندان کے بارے میں ریسرچ کر رہی ہوں تاکہ اس خاندان کی تاریخ میں جو ابہام پیدا ہوا ہے یا پیدا کیا جا رہا ہے، حقائق کی روشنی میں اسے دور کیا جا سکے اور اس خاندان کی اصل تاریخ سامنے لائی جائے۔ میں نے لوگوں سے تعاون کے لئے اخبارات میں اشتہار دیا تھا۔ مجھے جاگیردار نمران کی طرف سے بھی خط ملا کہ اس کے پاس اس خاندان کے بارے میں کچھ تاریخی دستاویزات موجود ہیں لیکن وہ بوڑھا اور بیمار ہونے کی وجہ سے خود میرے پاس نہیں آ سکتا۔ اس نے مجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی لیکن یہاں آتے ہی میں اس طاغوتی چکر میں پھنس گئی۔ یہ لوگ مجھے نمران سے ملنے کیوں نہیں دیتے؟ شگن کا اس حویلی سے کیا تعلق تھا؟ وہ مجھے یہاں آنے سے کیوں روکنا چاہتا تھا؟"

"شگن اس حویلی کا وفادار تھا۔" کندن نے جواب دیا۔ "اس کے باپ دادا اس حویلی کے خدمت گار تھے۔ گیارہ بارہ سال کی عمر میں جب شگن کے باپ کا انتقال ہوا تو وہ بھی یہاں سے بھاگ گیا۔ طویل عرصہ غائب رہنے کے بعد اس نے واپس آنا چاہا تو حویلی کے حالات بدل چکے تھے۔ اس نے درویش پور میں ریلوے میں ملازمت کر لی اور اپنا تبادلہ اس سٹیشن پر کروالیا۔ اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کیونکہ اس جیسے چھوٹے سٹیشن پر آنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا اور اس نے تو خود یہاں تبادلے کی درخواست دی تھی۔ شگن ایک تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ اس سٹیشن پر رہتے ہوئے وہ حویلی کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ دوسرا پوائنٹ مین کمال اور سٹیشن ماسٹر بہت اچھے آدمی تھے۔ ان کی وجہ سے شگن کو ادھر آنے جانے کا موقع مل جاتا۔ اسے پتہ چل گیا کہ جاگیردار کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ وہ سازشی عناصر کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ تم آ گئیں۔ تم نے جب اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو اس نے تمہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ تمہارا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے وہ نہیں چاہتا تھا کہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔"

"لیکن اس نے تو جاگیردار کے خلاف باتیں کی تھیں۔ اسے دنیا کا ظالم ترین اور عیاش آدمی قرار دیا تھا۔" زریاب نے کہا۔

"وہ باتیں اس لئے کی گئی تھیں کہ تمہارے دل میں نفرت پیدا ہو جائے اور تم واپس چلی جاؤ۔" کندن نے جواب دیا۔

"یہ لوگ مجھے نمران سے کیوں نہیں ملنے دیتے؟" زریاب نے پوچھا۔

"نمران....." کندن کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "جاگیردار نمران اس حویلی میں ہوتے ہوئے بھی لاپتہ ہے۔"

"لاپتہ..... کیا مطلب؟" زریاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ حویلی اپنے اندر بہت ہی پراسرار دنیا چھپائے ہوئے ہے۔" کندن نے کہا۔ "جب یہ حویلی آباد تھی تو یہاں سینکڑوں افراد گھومتے پھرتے نظر آتے تھے لیکن اس حویلی کے اندرونی راز اس وقت بھی بہت کم لوگوں کو معلوم تھے اور آج بھی بہت سے راز دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ میں اس حویلی کے بہت سے خفیہ راستوں سے واقف ہوں لیکن یہ راز ابھی تک نہیں جان سکی کہ جاگیردار نمران کو حویلی کے کس حصے میں رکھا گیا ہے۔ میں اس حویلی کا ایک ایک گوشہ چھان چکی ہوں لیکن ابھی تک پتہ نہیں چلا سکی۔"

"اس حویلی کے ایک حصے کو لیفٹ ونگ کہا جاتا ہے۔" زریاب نے کہا۔ "گوپانگ نے مجھے اس طرف جانے کو منع کیا تھا لیکن ایک بار میں نے اس لیفٹ ونگ کی راہداری میں کسی کا سفید آنچل لہراتے ہوئے دیکھا تو ہمت کر کے وہاں چلی گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ نرس ہو گی جسے نمران کی دیکھ بھال کے لئے رکھا گیا ہے۔ میں صرف اس کا آنچل دیکھ سکی تھی۔ میں اس بلاک کی راہداری میں اسے تلاش کرتی رہی۔ وہ تو مجھے نہیں ملی لیکن ایک کمرے میں کرسی پر بندھا ہوا وہ ڈھانچہ نظر آ گیا۔"

"میں جانتی ہوں۔" کندن نے جواب دیا۔ "میں اس بلاک کا چپہ چپہ چھان چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہہ خانہ ہے جس کا راستہ میں ابھی تک تلاش نہیں کر سکی۔"

"کیا حویلی کا وہ حصہ آسیب زدہ ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"اس حویلی کا سب سے بڑا آسیب تو خامس ہے۔" کندن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے وہاں کچھ عجیب اور پراسرار قسم کی نقل و حرکت محسوس کی ہے۔" زریاب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بولی۔

"مجھے معلوم ہے۔" کندن مسکرائی۔ "تم جسے آسیب یا کوئی بدروح سمجھتی رہی ہو وہ میں تھی۔ میں بھیس بدل بدل کر حویلی کے اس حصے میں گھومتی رہی ہوں۔ بھیس بدلنے کا مقصد یہ ہے کہ خامس خوفزدہ ہو کر اس طرف نہ آسکے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کہ وہ خود اس حویلی کا سب سے بڑا آسیب ہے وہ کسی بات سے خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ میری تاک میں رہتا ہے لیکن میں بھی غافل نہیں ہوں۔"

"کل رات....."

"کل رات بھی میں ہی تھی۔" کندن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "خامس اس وقت حویلی سے باہر گیا ہوا تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تلاش شروع کر دی۔ میں اس وقت سیاہ لبادہ پہنے ہوئے تھی۔ میں بہت دیر تک وہاں لیمپ اٹھائے پھرتی رہی تھی لیکن مجھے تہہ خانے کا راستہ نہیں ملا۔ پھر رات کو میں نے تم سے ملنے کی کوشش کی تو عین وقت پر خامس پہنچ گیا۔ مجھے راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ اس وقت میں اس کے ہاتھ آتے آتے بچی تھی۔"

زریاب کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ گزشتہ شام اس نے لیفٹ ونگ کی راہداری میں لیمپ کو ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اسے کوئی آسیب یا روح ہی سمجھی تھی لیکن اب یہ معمہ بھی حل ہو گیا تھا۔ کندن سیاہ لبادہ پہنے ہوئے تھی اور وہ لبادہ نہیں دیکھ سکی تھی۔

"اگر خامس اس وقت کہیں گیا ہوا ہے تو ہمیں مل کر ایک کوشش کرنی چاہئے۔" زریاب نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہم اس وقت تہہ خانے کا راستہ تلاش کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو....." کندن فوراً ہی اٹھ گئی۔

زریاب نے اٹھ کر بارہ دری سے باہر کی طرف دیکھا۔ تاحد نگاہ سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا۔ وہ کندن کے ساتھ نیچے آگئی اور پھر وہ دونوں طویل و پرپیچ راہداری اور کھلی جگہوں پر گھومتی ہوئیں حویلی کے لیفٹ ونگ میں آگئیں۔

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی۔ باہر تیز دھوپ ہونے کے باوجود لیفٹ ونگ کی راہداریوں میں اندھیرا تھا۔ کندن مختلف کمروں اور راہداریوں کو ٹھونک بجا کر دیکھ رہی

تھی۔

"چلو..... اس طرف چلتے ہیں۔" کندن نے کہا۔

وہ دونوں قدیم تاریک راہداری میں چلنے لگیں۔ زریاب اس وقت کندن سے چند قدم آگے تھی۔ دفعتاً وہ کسی طرف سے قدموں کی آہٹ سن کر چونک گئی۔ اس نے مڑ کر کندن کی طرف دیکھا۔ وہ ایک جگہ رک گئی تھی۔ زریاب دائیں طرف کی راہداری میں مڑ گئی۔ ابھی اس نے دوسرا ہی قدم اٹھایا تھا کہ مخالف سمت سے خامس اور گوپانگ اچانک ہی اس کے سامنے آگئے۔

زریاب کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔ وہ مڑ کر دوسری راہداری کی طرف دوڑی..... اور دو قدم بعد ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی..... طویل راہداری خالی پڑی تھی اور کندن کا کہیں نام و نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا..... وہ پھٹی پھٹی سی نگاہوں سے سنسان اور نیم تاریک راہداری کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں اس طرف آنے سے منع کیا گیا تھا نا!" گوپانگ اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔

"وہ..... وہ مجھے زبردستی لے آئی تھی۔" زریاب نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کون؟" گوپانگ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"وہ..... ابھی تو یہیں تھی..... پپ..... پتہ نہیں کہاں غائب ہو گئی۔" زریاب نے راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

گوپانگ چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے خامس کو اشارہ کیا۔ خامس تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ راہداری کے آخری سرے پر وہ ایک لمحہ کو رکا پھر دائیں طرف مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"مجھے خامس نے بتایا تھا تم پہلے بھی اس طرف آچکی ہو۔ مجھے تمام ضروری کام چھوڑ کر یہاں آنا پڑا۔" گوپانگ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "آخر تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا نقشہ ہے جس میں حویلی کے اس حصے میں کسی خزانے کی نشاندہی کی گئی ہو؟"

"میرے پاس کسی خزانے کا نقشہ نہیں ہے اور نہ ہی میں ایسی لغو باتوں پر یقین رکھتی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوں۔ زریاب نے جواب دیا۔

"تو پھر تم اتنا طویل سفر کر کے یہاں کیوں آئی ہو؟" گوپانگ نے اسے گھورا۔

"اپنی آمد کا مقصد میں نے نمران کے نام اس خط میں لکھ دیا تھا جو تمہارے قبضے میں ہے۔ میں جاگیر دار نمران سے ملنا چاہتی ہوں۔ تم مجھے اس سے کیوں نہیں ملنے دیتے؟ آخر کہاں چھپا رکھا ہے اسے تم لوگوں نے؟" زریاب بولی۔

"تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر تمہیں جاگیر دار سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" گوپانگ نے کہا۔ "کل دن میں کسی وقت ڈاکٹر یہاں پہنچ جائے گا۔ وہ اگر مناسب سمجھے گا تو تمہیں نمران سے ملنے کی اجازت دیدے گا بصورت دیگر تمہیں نامراد واپس جانا پڑے گا۔"

"کیا میں اس حویلی سے واپس جا سکوں گی؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔ کیا تمہیں یہاں کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے؟" گوپانگ نے کہا۔

"شگن، کمال اور سٹیشن ماسٹر کو کیوں قتل کیا گیا ہے؟" زریاب نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

گوپانگ چونک گیا۔ اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔ وہ چند لمحے زریاب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر سرد لہجے میں بولا۔ "تمہارے ذہن پر خوف طاری ہے۔ میں نے اس روز بھی کہا تھا کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے مگر تم کسی اور چکر میں پڑ گئیں۔ ڈر اور خوف نے تمہارے ذہن کو پراگندہ کر دیا ہے۔ یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ سب تمہارا وہم ہے۔"

"وہم!" زریاب کے لہجے میں طنز تھا۔ "اس رات میں نے جنگل میں اپنی آنکھوں سے کمال کو زہر میں بجھے ہوئے خنجر کا شکار ہوتے دیکھا تھا۔ اسی رات پہاڑ گنج کے سٹیشن ماسٹر کو بھی قتل کر دیا گیا تھا اور آج شگن کی متعفن اور پھولی ہوئی لاش میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ کیا میں اسے اپنا وہم کہہ سکتی ہوں؟"

"اوہ۔" گوپانگ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تمہیں کس نے بتایا کہ اس رات سٹیشن ماسٹر بھی قتل ہو گیا تھا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے بعد یہاں کوئی نہیں آیا۔ کیا تم غیب کا علم جانتی ہو؟"

"میں غیب کا علم نہیں جانتی۔" زریاب نے جواب دیا۔ "لیکن جہاں کسی کے چار دشمن ہوں وہاں اس کا ایک ہمدرد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔"

"اس حویلی میں میرے بعد خامس کے علاوہ کسی اور کا وجود نہیں ہے اور ظاہر ہے خامس تمہارا ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" گوپانگ کی آنکھوں میں الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں نے اسی لیفٹ ونگ میں کرسی پر بندھا ہوا ایک انسانی ڈھانچہ بھی دیکھا تھا۔" زریاب نے جواب دیا۔ "وہ بھی حویلی کا وفادار ملازم تھا جسے قتل کر دیا گیا۔ شگن بھی حویلی کا وفادار تھا۔ اس کے باپ دادا اسی حویلی میں خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ ریلوے سٹیشن کے ملازم کمال اور سٹیشن ماسٹر کو بھی محض اس لئے قتل کر دیا گیا کہ وہ یہاں میری آمد کی گواہی نہ دے سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگ یہاں کسی گہری سازش میں مصروف ہو لیکن میرے بارے میں تمہارے عزائم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ شہر میں میرے بارے میں سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ میں یہاں آئی تھی۔ میری گمشدگی قیامت مچا دے گی۔"

"حیرت انگیز!" گوپانگ کی آنکھیں ایک بار پھر سکڑ گئیں۔ "اس ویران حویلی میں کسی سے رابطہ نہ ہونے کے باوجود تمہاری معلومات حیرت انگیز ہیں۔ ابھی تم نے ایک ہمدرد کا ذکر کیا تھا۔ کون ہے وہ؟ تاکہ ہمیں بھی یہ معلوم ہو سکے کہ اگر یہاں کوئی موجود ہے تو وہ کون ہے اور ہم اب تک اس کی موجودگی سے لاعلم کیوں ہیں؟"

"وہ ایک روح ہے۔" زریاب نے جواب دیا۔

"روح.....؟" گوپانگ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "یہ درست ہے کہ اس قسم کی پرانی عمارتوں کے بارے میں آسیب اور بدروحوں کی پراسرار کہانیاں مشہور ہو جاتی ہیں لیکن میں ان خرافات پر یقین نہیں رکھتا۔ تو کیا آج خامس کی عدم موجودگی میں یہاں کوئی آیا تھا؟" وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "اوہ..... ابھی کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ وہ تمہیں زبردستی یہاں لے آئی تھی، کون ہے وہ؟"

"وہی روح جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔" زریاب نے جواب دیا۔

"روحوں پر نہ میں یقین رکھتا ہوں اور نہ خامس۔" گوپانگ نے جواب دیا۔ "خامس کے بارے میں بھی جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ کیا قصہ ہے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زریاب خاموش رہی۔ تقریباً بیس منٹ بعد خامس واپس آگیا۔ اس نے گوپانگ کی طرف دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلادیا۔

"ٹھیک ہے خامس!" گوپانگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا اور اس لڑکی نے بھی کچھ نہیں کھایا ہوگا۔ تم کھانا تیار کرو۔ میں اس کے کمرے میں ہوں۔" وہ زریاب کی طرف مڑ گیا۔ "چلو! تم سے کچھ اور باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔" اس نے زریاب کا ہاتھ پکڑ لیا۔

زریاب نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور تن کر اس کے سامنے چلنے لگی۔ وہ لیفٹ ونگ سے نکل کر اسی بلاک میں آگئے جہاں زریاب کا رہائشی کمرہ تھا۔ لیکن برآمدے میں پہنچ کر گوپانگ دوسری طرف مڑ گیا۔

"آؤ.....! ہم دوسرے کمرے میں بیٹھیں گے۔"

وہ ڈائننگ ہال والے بلاک میں آگئے۔ لیکن ڈائننگ ہال کی طرف جانے کی بجائے ایک اور کمرے میں مڑ گئے۔ دروازہ بند تھا جو گوپانگ نے کھولا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی زریاب چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ کمرہ بھی خاصا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے کا آدھا حصہ ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا اور آدھا بیڈ روم کے طور پر..... ڈرائنگ روم کا فرنیچر بے حد قیمتی اور جدید دور سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسری طرف بچھا ہوا بیڈ بھی بے حد شاندار تھا۔ دیوار کے ساتھ لکڑی کی ایک خوبصورت الماری بھی ایستادہ تھی۔

ڈرائنگ روم والی سائیڈ پر آتش دان کے کارنس کے اوپر چند خوبصورت ڈیکوریشن پیس آراستہ تھے جن میں سیاہ پتھر سے تراشا ہوا ایک گھوڑا بھی شامل تھا۔ بے حد خوبصورت گھوڑا پچھلے پیروں پر کھڑا تھا۔ گھوڑے کا یہ مجسمہ تقریباً ایک فٹ اونچا تھا۔

زریاب کارنس کی ان آرائشی چیزوں پر نظر دوڑاتی ہوئی اوپر دیوار پر آویزاں ایک تصویر کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ بھی کسی آدمی کا ہاتھ کا بنا ہوا پورٹریٹ تھا۔ وہ قدرے آگے بڑھ کر اس تصویر کو غور سے دیکھنے لگی۔ نجانے اسے کیوں لگ رہا تھا کہ یہ چہرہ اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔

"یہ..... یہ کس کی تصویر ہے؟" اس نے گوپانگ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا واقعی تم اسے نہیں جانتیں؟" گوپانگ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"حالانکہ میرا خیال تھا کہ تم اسے دیکھتے ہی اچھل پڑو گی۔"

"نہیں! میں نہیں جانتی۔" زریاب نے جواب دیا۔

"یہ وہ شخص ہے جس سے ملنے کے لئے تم یہاں آئی ہو۔" گوپانگ نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے جاگیردار نمران؟" زریاب اچھل پڑی۔

گوپانگ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زریاب ایک بار پھر تصویر کو غور سے دیکھنے لگی۔ بڑا حسین اور شاندار چہرہ تھا۔ وہی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں اور ٹھوڑی کے عین بیچ میں چھوٹا سا تل۔ دفعتاً زریاب کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے اسے اچانک ہی یہ احساس ہوا تھا کہ اس تصویر اور اس کے باپ کے چہرے میں بے حد مشابہت تھی۔ وہ یہ سوچ کر ہی عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی کہ کیا اس کے باپ کا بھی اس حویلی سے کوئی تعلق ہے؟ پہلی رات اس نے ایک کمرے کی دیوار پر جو پورٹریٹ دیکھا تھا اس میں بھی اسے باپ کی مشابہت دکھائی دی تھی۔ کیا اس کے باپ کا تعلق اس جاگیردار فیملی سے تھا؟ لیکن اس کے باپ نے کبھی کسی جاگیر کا تذکرہ تو نہیں کیا تھا۔

"مس زریاب!" گوپانگ کی آواز سن کر وہ اپنے خیالات سے چونک گئی۔ اس نے مڑ کر گوپانگ کی طرف دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں ایک بار پھر یہ جاننا چاہوں گا کہ تم جاگیردار نمران سے کیوں ملنا چاہتی ہو؟"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میں اس خاندان کی تاریخ پر ریسرچ کر رہی ہوں۔ نمران سے اسی سلسلے میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ وہ مجھے اس خاندان کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا۔" زریاب نے جواب دیا۔

"تمہارا اس خاندان سے کیا تعلق ہے؟" گوپانگ نے پوچھا۔

"میں بھی اسی خاندان کی ایک فرد ہوں۔" زریاب نے کہا۔

گوپانگ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر خامس کمرے میں آگیا۔ اس نے بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔

"چلو! پہلے کھانا کھالیں۔ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔" گوپانگ نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ کھانے کے دوران خاموشی رہی۔ کھانے کے بعد گوپانگ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ آج رات میں حویلی میں رہوں گا۔ رات کے کھانے پر باتیں ہوں گی۔“

زریاب اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ واقعی بہت تھک چکی تھی اور کچھ آرام کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بستر پر لیٹتے ہوئے تکیے کو اٹھا کر جیسے ہی درست کرنا چاہا اچھل پڑی۔ تکیے کے نیچے اس کی ڈائری پڑی تھی۔ حالانکہ صبح یہ ڈائری یہاں نہیں تھی۔ اس نے تکیے کو بھی جھاڑ کر دیکھا تھا۔ اس نے ڈائری کھولی لیکن اس کے صفحات بالکل خالی تھے۔ کہیں ایک لفظ لکھا ہوا نظر نہیں آرہا تھا۔ کوئی صفحہ پھٹا ہوا بھی نہیں تھا۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ڈائری اس کی تھی۔ لیکن اس کی تحریر کہاں گئی اور تکیے کہ نیچے یہ ڈائری آئی کہاں سے؟

اس کے دماغ میں ایک بار پھر سنسناہٹ ہونے لگی۔ صفحات پر سے تحریر کا غائب ہو جانا واقعی پراسرار بات تھی۔ وہ تو اس بات پر بھی حیران تھی کہ لیفٹ ونگ میں قدموں کی آواز سن کر کندن راہداری میں اچانک کہاں غائب ہو گئی تھی؟ کیا وہ واقعی کوئی روح تھی؟

رات کے کھانے کے بعد گوپانگ دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اسے اسی بلاک میں واقع ایک اور کمرے میں بھیج دیا گیا جہاں اس کا سوٹ کیس بھی موجود تھا۔ گوپانگ اس کمرے میں چلا گیا جو جدید طرز پر آراستہ تھا۔ زریاب والا کمرہ اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔

زریاب نے دروازہ بند کر لیا۔ کارنس پر لیمپ روشن تھا۔ وہ مسہری پر لیٹ گئی۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ ایک بار پھر ان پراسرار واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ گہری نیند سے کیسے جاگ گئی۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

کمرے میں لیمپ کی مدھم سی مذرور روشنی بڑی پراسرار لگ رہی تھی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جم گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس نے انگلی کو دانتوں سے کاٹا۔ وہ خواب نہیں دیکھ رہی تھی۔ سامنے والی دیوار شق ہو کر آہستہ آہستہ دو حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک دراز قامت آدمی کو شق دیوار سے باہر قدم رکھتے دیکھ کر زریاب کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

اس نے چیخ روکنے کے لئے پورا ہاتھ منہ میں ٹھونس لیا۔ دیوار سے برآمد ہونے والا وہ دراز قامت آدمی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس کی مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ دراز قامت آدمی نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا مسہری سے دو قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ زریاب پھٹی پھٹی سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک منہ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اس شخص کی طرف دیکھ رہی تھی جو دیوار سے نکل کر اس کے سامنے آکر رک گیا تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دھاری دار بشرٹ اور سفید پاجامہ، بڑھا ہوا شیو۔ اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، پچکے ہوئے رخسار اور الجھے ہوئے بال۔ بالوں میں سیاہی کم اور سفیدی زیادہ تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پہلوؤں میں لٹکے ہوئے تھے۔ لیمپ کی زرد روشنی میں وہ بے حد پراسرار اور برسوں کا بیمار نظر آرہا تھا۔ وہ خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا زریاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کک..... کک..... کون ہو تم.....؟" زریاب کے منہ سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"ڈرو نہیں۔" اس شخص کے منہ سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ "اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم زریاب ہو۔"

"ہاں..... میں زریاب ہوں۔ مم..... مگر تم کون ہو؟" زریاب بولی۔ اس کے لہجے میں خوف اب بھی نمایاں تھا۔

"میں....." یوں لگا جیسے اس شخص نے گہرا سانس لیا ہو۔ "اس حویلی کا قیدی، جاگیردار نمران..... جس نے تمہیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔"

زریاب کے ذہن کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گوپانگ نے آراستہ کمرے میں آویزاں تصویر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ نمران ہے۔ لیکن وہ تصویر ایک خوبرو شخص کی تھی۔ اور یہ شخص جو اس کے سامنے کھڑا تھا کسی طرح بھی اس تصویر سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ انسان نہیں کوئی بدروح لگ رہا تھا۔

اس حویلی میں اس کے ساتھ کچھ عجیب و غریب اور ناقابل فہم واقعات پیش آرہے تھے۔ گزشتہ دو دنوں میں تین آدمی قتل ہو چکے تھے۔ وہ تینوں ریلوے کے ملازم تھے۔ انہیں محض اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ اس کی یہاں آمد کے بارے میں گواہی نہ دے سکیں۔ لیکن ان تینوں میں کم از کم ایک شخص ایسا تھا جو اس حویلی کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ اسے شاید اس لئے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا کہ وہ زریاب کے سامنے حویلی کے راز نہ اگل دے۔ اور پھر وہ کندن..... اس کی شخصیت بھی اس کے لئے بڑی پراسرار ثابت ہوئی تھی۔ وہ حویلی کے بہت سے راز جانتی تھی۔ خفیہ راستوں سے واقف تھی۔ وہ اپنے آپ کو زندہ کہتی تھی مگر لیفٹ ونگ کی راہداری سے اچانک ہی غائب ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کی گمشدہ ڈائری والا واقعہ..... ڈائری کی تلاش میں اس نے کمرے کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ بستر کی چادر تک اٹھا کر جھاڑ ڈالی تھی مگر کمرے میں ڈائری کا سراغ نہیں ملا تھا۔ اور دوسرے دن ڈائری اس کے تکیے کے نیچے رکھی ہوئی ملی تھی۔ اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک رات پہلے اس نے ڈائری کے تین چار صفحات پر جو تحریر لکھی تھی وہ غائب تھی۔ تحریر پین سے لکھی گئی تھی جس کا مٹایا جانا بھی ممکن نہیں تھا۔ اگر کسی طرح مٹایا بھی گیا ہوتا تو کوئی نہ کوئی نشان ضرور رہ جاتا۔ مگر صفحات بالکل صاف تھے۔ بالکل کورے۔ ڈائری کے ہر صفحہ پر دن، تاریخ اور مہینہ لکھا ہوا تھا۔ اس نے ایک ایک صفحہ چیک کیا تھا۔ کوئی صفحہ بھی غائب نہیں تھا۔ یہ اسرار ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ ڈائری کے صفحات سے اس کی تحریر کیسے غائب ہو گئی تھی۔

گوپانگ اور خامس کو زریاب پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لئے اسے پہلے کمرے سے نکال کر اس کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا جس کے روشندان اور کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ زریاب نے اگرچہ چیک نہیں کیا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ کمرے کے دروازے کو باہر سے بھی کنڈا یا تالا لگا دیا گیا ہوگا اور یہ پراسرار شخص دیوار سے برآمد ہوا تھا اور اپنے آپ کو جاگیردار نمران کہہ رہا تھا۔

زریاب بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے یاد آگیا کہ نمران نے اسے خط میں لکھا تھا کہ وہ بوڑھا اور بیمار ہے اس لئے خود نہیں آسکتا۔ گوپانگ نے بھی یہی بتایا تھا کہ جاگیردار بیمار ہے اور ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اس سے ملنے کی اجازت نہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دی جا سکتی۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا یہ شخص بھی بوڑھا تھا اور بیمار نظر آ رہا تھا۔ لیکن دوسرے کمرے میں آویزاں تصویر سے مشابہت نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال ابھرا کہ وہ تصویر جوانی کی تھی اور یہ شخص بوڑھا تھا۔ اس نے کئی روز سے شیو بھی نہیں کیا تھا۔ بیماری اور اس بدلی ہوئی ہیئت نے تصویر سے اس کی مشابہت ختم کر دی تھی۔

"آ..... آپ نمران ہیں.....؟" زریاب کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ہاں..... اور میں نے ہی تمہیں یہاں آنے کے لئے خط لکھا تھا لیکن مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں کچھ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔" نمران نے کہتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اگر تم کہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں؟ تھک گیا ہوں کھڑے کھڑے....."

"ضرور ضرور..... آپ تشریف رکھئے۔" زریاب نے کہا اور خود بھی مسہری سے اتر کر کھڑی ہو گئی اور کرسی اٹھا کر اس کے قریب رکھ دی۔

"شکریہ۔" نمران کرسی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ ہتھیوں پر رکھ دیئے۔ "بیٹھو..... بیٹھو تم بھی۔"

زریاب پیر لٹکا کر مسہری پر بیٹھ گئی۔

"مجھے اسی روز پتہ چل گیا تھا جب تم یہاں آئی تھیں۔" نمران نے کہا۔ "لیکن ان لوگوں نے مجھے اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔ کسی سے ملنے نہیں دیتے۔" نمران نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"آپ نے مجھے وہ خط کیسے لکھا تھا؟" زریاب نے پوچھا۔ اب اس کے ذہن پر طاری خوف زائل ہو چکا تھا۔

"ڈاکٹر۔" نمران نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر شمیر مہینے میں دو مرتبہ مجھے دیکھنے کے لئے یہاں آتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ کچھ اخبارات بھی لے آتا ہے جو میں محض وقت گزاری کے لئے پڑھتا ہوں۔ کئی روز پہلے جب وہ مجھے چیک کرنے کے بعد چلا گیا تو میں اخبارات دیکھنے لگا۔ ان میں کم از کم تین اخبارات ایسے تھے جن میں تمہاری طرف سے اشتہار چھپا تھا۔ اشتہار پڑھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی کہ کوئی تو ایسا ہے جو اس قدیم

ترین خاندان کی بکھری ہوئی تاریخ کو سمیٹ کر اسے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور خط لکھ کر رکھ لیا۔ اگلی مرتبہ جب ڈاکٹر شمیر مجھے چیک کرنے کے لئے آیا تو اسے ایک بڑی رقم کا لالچ دے کر وہ خط اس کے حوالے کر دیا کہ تمہارے نام پوسٹ کر دے۔"

نمران رک کر گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے وہ بولتے بولتے تھک گیا ہو۔ زریاب گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد نمران پھر بولنے لگا۔ "ڈاکٹر شمیر نے وہ خط پوسٹ کر دیا۔ لیکن جو اندازے قائم کئے تھے وہ غلط نکلے۔ پہلے حویلی کی ڈاک یہیں آیا کرتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اگر تمہارا خط آیا تو گوپانگ اسے مجھ تک پہنچا دے گا۔ لیکن تمہارا خط درویش پور میں گوپانگ کے دفتر پہنچ گیا۔ پوسٹ آفس والے سب ہی جانتے ہیں کہ میرے مینیجر کا دفتر درویش پور میں ہے۔ یا ممکن ہے گوپانگ کو ڈاکٹر شمیر نے اس خط کے بارے میں بتا دیا ہو اور پوسٹ آفس کو ہدایت کر دی گئی ہو کہ حویلی کے پتہ پر آنے والی ڈاک ان کے دفتر پہنچا دی جائے۔ ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خط حویلی تک آ بھی جاتا تو مجھ تک نہ پہنچتا۔"

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں آ گئی ہوں؟" زریاب نے پوچھا۔

"جس رات تم یہاں پہنچی تھیں اس سے اگلی صبح گوپانگ نے بتایا تھا۔ وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ تم کون ہو اور میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔" نمران نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں پرانے اخبارات میں تمہارے اشتہار دکھائے تھے مگر انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ معاملہ کچھ اور ہے۔"

"اور کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جاگیر کا معاملہ ہے۔" نمران نے جواب دیا۔ "لمبا قصہ ہے۔ پھر بتاؤں گا۔ تم اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کون ہو؟ کس کی اولاد ہو اور اس خاندان کی تاریخ لکھنے کا خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟"

"میرا باپ ایک نامور تاجر تھا۔ ایک حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا۔" زریاب نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بتایا۔

"اس کا نام؟ وہ کہاں سے آیا تھا؟" نمران نے پوچھا۔

"میرے والد کا نام شجراع سندس تھا۔ میں اسی شہر میں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن سنا ہے کہ میرے دادا پڑنگ آباد سے آکر اس شہر میں آباد ہوئے تھے۔ اس وقت میرے والد بہت کم عمر تھے۔ وہ اسی شہر میں پلے بڑھے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے کاروبار سنبھال لیا۔ دیانت دار اور محنتی آدمی تھے۔ کاروبار ترقی کرتا گیا۔ ایک روز گھر پر ہمیں اطلاع ملی کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ جب ہم ہسپتال پہنچے تو وہ جاں بحق ہو چکے تھے۔"

"پڑنگ آباد؟" نمران بڑبڑایا۔ "تمہارے دادا کا کیا نام تھا؟"

"روشن ضمیر....." زریاب نے جواب دیا۔ "سنا ہے کہ وہ کسی بات پر اپنے والد سے ناراض ہو کر وہاں سے نکلے تھے اور پھر واپس نہیں گئے۔"

"تم نے کبھی جیدار بخت کا نام سنا ہے؟" نمران نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... یہ کون ہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

"میرے دادا کا نام تھا۔ پڑنگ آباد سے ان کا بھی کچھ تعلق رہا ہے۔" نمران نے جواب دیا..... پھر بولا۔ "تمہارے والد شجراع نے تمہیں اپنے بزرگوں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا؟"

"اتفاق سے کبھی ذکر ہوتا تو کسی کے بارے میں کچھ بتا دیتے۔ لیکن ان کی باتوں سے میں نے اکثر یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ اپنے بزرگوں سے کچھ ناراض ہیں شاید۔ اس لئے بہت کم ذکر کیا کرتے تھے۔" زریاب نے جواب دیا۔

"تمہارا کوئی بھائی یا بہن؟" نمران نے پوچھا۔

"میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں۔ میرے والد بھی اپنے ماں باپ کے اکلوتے ہی تھے۔ اس لئے کوئی کزن وغیرہ بھی نہیں ہے۔" زریاب نے کہا۔

"اس خاندان کی تاریخ لکھنے کا خیال تمہارے ذہن میں کیسے آیا؟" نمران نے پوچھا۔

"تاریخ کا مطالعہ میری ہابی ہے۔" زریاب نے کہا۔ "ایک مرتبہ ایک کتاب پڑھی

جس کے مصنف نے سندس خاندان کی تاریخ کو مختلف حوالوں سے کچھ گڈمڈ کر دیا تھا۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں اس خاندان کے بارے میں حقائق جمع کر کے انہیں کتابی صورت میں مرتب کروں۔ اخباروں میں اشتہارات کے جواب میں بہت سے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے تھے۔ میرے لئے سب سے زیادہ اہم خط آپ کا تھا۔ جس میں آپ نے کچھ دستاویزات کا حوالہ دیا تھا۔ اسی لئے سب سے پہلے میں نے آپ سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہاں آتے ہی عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گئی۔ اس حویلی کے اسرار میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔ جس رات میں یہاں آئی تھی اسی رات تین آدمی قتل ہو گئے۔ ان تینوں کا تعلق ریلوے سٹیشن سے تھا۔ ان میں سے شگن نام کے ایک شخص کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کا باپ اس حویلی کا خدمت گار تھا۔"

"شگن؟" نمران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "عجیب و غریب ہیئت والا وہ لڑکا..... کیا وہ زندہ ہے؟"

"اسے حویلی میں قتل کیا گیا ہے اور اس کی لاش اب بھی کسی کمرے میں پڑی سڑ رہی ہے۔" زریاب نے کہا۔

"مجھے اس کی موت کا بے حد افسوس ہے۔" نمران نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے باپ اور دادا نے اس حویلی کی بڑی خدمت کی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

"کسی نہ کسی طرح پتہ چل گئیں۔" زریاب نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ اس حویلی میں عجیب و غریب واقعات پیش آ رہے ہیں۔ جب میں یہاں آئی تو اپنے والد کے کاغذات میں سے کچھ تصویریں بھی لے کر آئی تھی۔ وہ سندس خاندان کے بعض بزرگوں کی تصویریں تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ تصویریں دکھا کر آپ سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گی۔ لیکن تصویروں والا وہ لفافہ پہلی ہی رات میرے سوٹ کیس میں سے چوری ہو گیا۔"

"چوری ہو گیا؟" نمران نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں!" زریاب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں نے خامس سے اس سلسلے میں باز

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پر کس کی تھی لیکن اس نے الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔"

"وہ تصویریں کیسی تھیں؟" عمران نے پوچھا۔

"ان میں کم از کم ایک تصویر ایسی تھی جس کی ایک نقل بڑے سائز میں اس حویلی کے ایک کمرے میں آویزاں ہے۔" زریاب نے بتایا۔

"کیا.....؟" عمران چونک گیا۔ "وہ تصویر کہاں دیکھی ہے تم نے؟"

"لیفٹ ونگ کے سامنے والے بلاک کے ایک کمرے میں۔" زریاب نے بتایا۔

"اوہ۔" عمران گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "وہ میرے دادا جیدار بخت کی تصویر ہے۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارے پاس اسی کے ساتھ کی تصویر تھی؟"

"سو فیصد۔" زریاب نے کہا۔ "لیکن کیا میرے والد کا اس حویلی سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے؟"

"کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔" عمران نے اسے گھورا۔

"اس تصویر میں میرے والد کی مشابہت ہے۔" زریاب نے جواب دیا۔ "وہ آنکھیں، ٹھوڑی پر ایک چھوٹا سا تل..... یہ تل میں نے اسی حویلی میں آویزاں ایک اور تصویر کی ٹھوڑی پر بھی دیکھا ہے۔ میرے والد نے کبھی اس جاگیر یا حویلی کا ذکر نہیں کیا۔ جیدار بخت کا نام بھی پہلی مرتبہ آپ کے منہ سے سنا ہے لیکن اپنے والد سے اس کی مشابہت میرے لئے حیرت انگیز ہے۔"

"شاید اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔" عمران نے کہا۔ "کوئی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی بعض چہروں پر مشابہت آجاتی ہے۔"

"ان لوگوں نے آپ کو کیوں قید کر رکھا ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"دنیا میں تین چیزیں فساد کا باعث بنتی ہیں۔" عمران نے جواب دیا۔ "دنیا کا پہلا قتل ایک عورت کے لئے ہوا تھا۔ پھر جب دنیا کی آبادی بڑھتی گئی تو انسان کے دل میں زر اور زمین کی ہوس بھی بڑھنے لگی۔ آج یہی تینوں چیزیں قتل و غارت اور فساد کا باعث ہیں۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ اس جاگیر کا میں واحد مالک ہوں۔ ایک بیٹی تھی جو مر چکی ہے۔" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ "اس کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں۔ جاگیر کا منیجر رکھیل شاہ بدنیت آدمی ثابت ہوا۔ وہ میری جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ پہلے اس نے میری بیٹی

سے شادی کرنے کی کوشش کی مگر اس نے جان دے دی۔ پھر اس نے مجھے اس حویلی میں قید کر دیا۔ دو سال سے میں اس حویلی سے باہر نہیں نکلا۔ گوپانگ اور خامس اس کے گرگے ہیں۔ یہ دونوں بہت سفاک انسان ہیں۔ پہلے میں حویلی میں گھوم پھر لیا کرتا تھا لیکن ایک مرتبہ میں نے چوری چھپے حویلی سے نکلنے کی کوشش کی تو مجھے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ کبھی کبھار تازہ ہوا کے لئے مجھے باہر نکالا جاتا ہے۔ میں طویل عرصہ سے بیمار ہوں۔ ایک نرس انہوں نے میری دیکھ بھال کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ مہینے میں دو مرتبہ ڈاکٹر بھی آتا ہے۔ وہ بھی انہی کے وفادار ہیں۔ اس روز ڈاکٹر نے نجانے کیا سوچ کر تمہارے نام میرا وہ خط پوسٹ کر دیا تھا۔"

"کیا یہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

"ہاں..... لیکن اس وقت تک نہیں جب تک رکھیل شاہ مجھ سے کاغذات پر دستخط نہیں کروا لیتا۔" عمران نے کہا۔ اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "رکھیل شاہ اس جاگیر کو دوبارہ آباد کرنے کے لئے حکومت سے قرضہ حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ جنگلات صاف کر کے میلوں تک پھیلی ہوئی زمین کو دوبارہ کاشت کے قابل بنایا جا سکے۔ آج کل جدید ترین مشینیں آچکی ہیں، لیکن میلوں دور تک پھیلے ہوئے جنگلات کو صاف کرنے کے لئے کروڑوں روپے درکار ہیں جو رکھیل شاہ حکومت سے قرضے کے طور پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے کاغذات پر میرے دستخط ضروری ہیں۔ قرضہ بھی میرے ہی نام سے جاری ہو گا۔ رکھیل شاہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا جب تک تمام مراحل طے نہیں ہو جاتے۔ اس کے بعد وہ مجھے زندگی کی ایک سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دے گا۔ میں نے اس لئے تم سے رابطہ کرنا چاہا کہ شاید تمہارے توسط سے ان کی سازش کو ناکام بنا سکوں۔ لیکن تم خود یہاں قید ہو کر رہ گئی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ تمہیں بھی ختم نہ کر دیں۔"

"اور وہ دستاویزات؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس محفوظ ہیں۔" عمران نے جواب دیا۔ "وہ دستاویزات میرے لئے اور رکھیل شاہ کے لئے بھی بڑی اہم ہیں۔ میرے لئے اس طرح کہ میں تمہاری ریسرچ سے اپنے کسی وارث کا سراغ لگا سکتا ہوں اور وہ دستاویزات رکھیل شاہ کے لئے اس طرح اہمیت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھتی ہیں کہ وہ انہیں ضائع کر کے سب کچھ ختم کر دے گا۔

"میں نے سنا ہے کہ اس قسم کی قدیم حویلیوں میں ایسے خفیہ راستے بھی ہوتے ہیں جن کے ذریعے باہر نکلا جا سکے۔ اس حویلی کے نیچے کچھ سرنگیں میں نے بھی دیکھی ہیں۔ لیکن وہ بھول بھلیوں کی طرح اندر ہی اندر گھومتی ہیں۔" زریاب نے کہا۔

"مجھے ایک بار پھر حیرت ہو رہی ہے۔" نمران نے کہا۔ "تمہیں حویلی میں آئے ہوئے صرف دو دن ہوئے ہیں اور پابندیوں کے باوجود تم نے اتنی ساری باتیں کیسے معلوم کر لیں؟"

"اس حویلی کے اندر ایک ایسی ہستی بھی ہے جو میری مدد کر رہی ہے۔" زریاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے زندہ انسانوں میں شمار کروں یا کوئی روح سمجھوں جبکہ وہ خود اپنے آپ کو زندہ باور کرانے پر مصر ہے۔"

"کون ہے وہ؟" نمران نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پہلی رات میں نے اس کمرے میں ایک پینٹنگ دیکھی تھی۔ دور دور تک پھیلی ہوئی فصلیں، پس منظر میں حویلی اور کھیتوں کی پگڈنڈی پر بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت عورت..... پھر ایک زیر زمین کمرے میں اسی حسین عورت کا پورٹریٹ دیکھا اور میں اس کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ وہ سفید لباس پہنے مجسم صورت میں میرے سامنے آ گئی۔" زریاب ایک لمحہ کو خاموش ہوئی۔ اس نے نمران کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ حالانکہ وہ نمران کی طرف دیکھتی تو اس کے چہرے کے تغیرات دیکھ کر پریشان ہو جاتی۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ اپنے آپ کو زندہ کہلانے پر مصر ہے لیکن میں اسے کوئی نیک دل روح سمجھتی ہوں۔ اس نے مجھے حویلی کے نیچے بچھے ہوئے خفیہ راستوں کی سیر کرائی تھی۔ وہ بیچاری بھی آپ کی تلاش میں حویلی میں بھٹک رہی ہے۔ کندن نام ہے اس کا۔"

"کندن!" نمران کے منہ سے گہرا سانس نکلا۔ اس کے چہرے کی رنگت ایک بار پھر متغیر سی ہو گئی تھی۔ آنکھوں کی ویرانی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"آپ کچھ پریشان ہو رہے ہیں؟" زریاب اس کی حالت دیکھ کر چونک گئی۔

"کندن زندہ نہیں ہو سکتی۔" نمران کے منہ سے مردہ سی آواز نکلی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔" زریاب بولی۔

"کندن میری بیٹی تھی۔" نمران نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔ "دس سال پہلے اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ بیس اکیس سال عمر تھی اس کی۔ بہت حسین تھی۔ میرا منیجر رکھیل شاہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر کندن نے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس بدمعاش کی سازشوں سے واقف ہو چکی تھی اور جانتی تھی کہ رکھیل شاہ یہ شادی محض جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے کرنا چاہتا ہے۔ ایک رات..." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ پرانی باتیں یاد کر کے اس کے چہرے پر مردنی سی چھا گئی تھی۔ "ایک رات۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس بدمعاش نے کندن کے ساتھ دست درازی کی کوشش کی۔ کندن کمرے سے نکل کر بدحواسی میں دوڑتی ہوئی اس سیڑھی پر چڑھ گئی جو راستہ حویلی کی فصیل تک چلا گیا تھا۔ رکھیل شاہ بھی اس کے پیچھے فصیل پر پہنچ گیا۔ کندن نے اپنی عزت بچانے کے لئے فصیل کے باہر جنگل کی طرف چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دی۔ صبح اس کی لاش تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ایک جگہ خون کے دھبے تو ملے لیکن اس کی لاش نہیں ملی۔ شاید بھیڑیے وغیرہ گھسیٹ کر کسی بھٹ میں لے گئے ہوں گے۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔ میں نے آپ کے زخموں کو چھیڑ دیا۔" زریاب نے کہا۔

"وہ یقیناً کندن کی روح ہے۔" نمران نے کہا۔ "مجھ سے بڑی محبت تھی اسے۔ بے چاری اب بھی میری تلاش میں بھٹک رہی ہے۔"

زریاب اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی۔ کندن کو مرے ہوئے دس سال ہو چکے تھے اور وہ اس کی روح کے ساتھ حویلی کی زیر زمین سرنگوں میں گھومتی رہی تھی۔

"کیا اس بات کا امکان ہے کہ وہ فصیل سے چھلانگ لگانے کے بعد زندہ بچ گئی ہو اور رکھیل شاہ سے بچنے کے لئے کہیں روپوش ہو گئی ہو؟" بالآخر زریاب نے پوچھا۔

"ناممکن۔" نمران نے نفی میں سر ہلایا۔ "جس فصیل سے اس نے چھلانگ لگائی تھی اس کے نچلی طرف پچاس ساٹھ فٹ کی گہرائی ہے اور اونچے درخت ہیں۔ اتنی بلندی سے گر کر کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں۔ اگر اتنی بلندی سے گرنے کے بعد کوئی مرنے سے بچ بھی جائے تو اس کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہ سکتی۔ یہ باور کر لیا گیا تھا کہ فصیل کے باہر گرنے سے وہ ختم ہو گئی تھی اور اس کی لاش خونخوار بھیڑیے یا کوئی اور جنگلی جانور گھسیٹ کر کہیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لے گئے تھے۔ رکھیل شاہ اور اس کے آدمیوں کو بھی اس وقت یہ شبہ ہوا تھا اور جنگل میں دور دور تک تلاش کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔"

"اور وہ خفیہ راستے؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس حویلی سے نکلنے کے تین خفیہ راستے ہیں۔" نمران نے کہا۔ "ایک کچن کے پچھلی طرف واقع کمرے میں، دوسرے راستے کی سرنگ اندر سے مسمار ہو چکی ہے اس طرح وہ راستہ بند ہو چکا ہے۔ اور تیسرا راستہ رکھیل شاہ نے بند کر دیا ہے۔ دراصل اسے اسی ایک راستے کا علم تھا جسے اس نے اس خوف سے بند کروا دیا کہ میں فرار نہ ہو سکوں۔ کچن والے راستے اور مسمار شدہ سرنگ والے راستے کا اسے علم ہی نہیں ہے۔ کچن سے ملحق کمرے میں اس شخص کا بسیرا ہے جسے تم اس حویلی کا آسیب کہہ سکتی ہو۔ اس کا نام خامس ہے۔ وہ بہت ہی پراسرار قسم کا شخص ہے۔ شاید اس کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ کوئی بہت ہی خاص حس کہہ لو جو اسے ہر بات سے خبردار رکھتی ہے۔ اسے فوراً ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کون کہاں ہے؟"

"یہ بات تو میں نے بھی محسوس کی ہے۔" زریاب نے کہا۔ "گوپانگ نے مجھے حویلی کے لیفٹ ونگ کی طرف جانے سے منع کیا تھا۔ لیکن میں نے جب بھی چوری چھپے اس طرف جانے کی کوشش کی خامس نے میرا راستہ روک لیا۔ لیفٹ ونگ میں کیا ہے؟"

"حویلی سے نکلنے کا وہی خفیہ راستہ جسے رکھیل شاہ نے بند کروا رکھا ہے۔" نمران نے جواب دیا۔ "تمہیں اس طرف جانے سے اس لئے منع کر دیا گیا ہو گا کہ کہیں تم وہ راستہ تلاش نہ کر لو۔"

"اوہ!" زریاب نے گردن ہلا دی۔ "ان تین راستوں کے علاوہ کوئی چوتھا راستہ جو آپ کے علم میں نہ ہو؟"

"ہو سکتا ہے ایسا کوئی اور راستہ بھی ہو۔" نمران نے جواب دیا۔ "جاگیرداری، ریاستی اور حکمرانی کا نظام دراصل بہت ہی خطرناک کھیل ہے۔ تم تاریخ کی طالب علم ہو۔ تم نے ضرور پڑھا ہو گا کہ جاگیر یا ریاست پر قبضہ کرنے کے لئے بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا یا چچا نے سگے بھتیجے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاریخ اس قسم کے خونی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جاگیردار، راجے مہاراجے اور ریاستوں کے حکمران جب بھی اپنی رہائش کے لئے

کوئی عمارت بنواتے تھے وہ ایسے خفیہ راستے بھی ضرور بنواتے تھے جو کسی خطرے کے وقت ان کی جان بچا سکیں۔ ان خفیہ راستوں کو وہ ہمیشہ راز میں رکھا کرتے تھے اور غالباً مرتے وقت ہی اپنی اولاد کو اس راز سے آگاہ کرتے تھے۔ یہ بہت بڑی حویلی ہے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں خفیہ آمد و رفت کے بہت سے راستے ہوں گے۔ مجھے بہر حال ان تین راستوں کا علم ہے جن کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ممکن ہے کوئی ایسا راستہ بھی ہو جس کے بارے میں، میں نہیں جانتا۔"

"آپ کے خیال میں یہ لوگ مجھے واپس جانے دیں گے؟" زریاب نے پوچھا۔

"نہیں....." نمران نے نفی میں سر ہلایا۔ "بقول تمہارے، تمہاری آمد کو راز میں رکھنے کے لئے یہ لوگ تین آدمیوں کو قتل کر چکے ہیں۔ کسی چوتھے آدمی کا وجود نہیں جس نے تمہیں یہاں آتے دیکھا ہو۔ ہو سکتا ہے یہ لوگ تمہیں قتل نہ کریں اور تم زندگی بھر کے لئے اس حویلی کی قیدی بن کر رہ جاؤ۔ میری طرح باہر کی دنیا کو تمہارے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلے گا۔"

"یہاں آنے سے پہلے میں نے اپنی والدہ کو بتا دیا تھا۔ وہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش ضرور کریں گی۔" زریاب نے کہا۔

"وہ اگر پوری فوج بھی یہاں لے آئیں تو اس حویلی میں تمہیں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔" نمران نے جواب دیا۔

"لیکن....."

زریاب کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ نمران نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ باہر راہداری میں دبے دبے قدموں کی آواز زریاب نے بھی سنی تھی۔

"میں پھر تم سے ملوں گا۔" نمران کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور تیز قدم اٹھاتا ہوا اسی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے پیر سے دیوار کے سب سے نیچے کسی اینٹ کو دبایا، دیوار شق ہو گئی۔ نمران اسی خلا میں داخل ہو گیا۔ اس نے زریاب کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ دیوار کے دونوں حصے آہستہ آہستہ ملنے لگے۔

ٹھیک اسی لمحہ ایسی آواز سنائی دی جیسے تالے میں چابی گھمائی جا رہی ہو۔ زریاب بستر پر لیٹ گئی۔ ادھر دیوار کی خلا ختم ہوئی ادھر دروازہ کھل گیا۔ زریاب نے آنکھیں بند کر لیں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور یوں بے حس و حرکت ہو گئی جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔

قدموں کی آواز سن کر زریاب نے ایک آنکھ میں ذرا سی جھری پیدا کر کے دیکھا۔ گوپانگ اور خامس کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ زریاب نے جلدی سے آنکھ بند کر لی۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" یہ گوپانگ کی آواز تھی۔

"میں نے خود یہاں باتوں کی آواز سنی تھی۔ میرے پاس چابی ہوتی تو میں اسی وقت دروازہ کھول کر دیکھ لیتا۔" خامس نے جواب دیا۔

"اگر کمرے میں کوئی اور تھا تو کہاں چلا گیا؟" گوپانگ نے کہا۔ "جگاؤ اسے۔"

زریاب آنکھیں بند کئے خاموش پڑی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ خامس اسے آواز دے کر جگانے کی کوشش کرے گا، لیکن خامس نے آواز دینے کی بجائے اسے کندھوں کے قریب بانہوں سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا لیا۔ زریاب بدحواس ہو گئی۔

"یہاں کون تھا؟ کس سے باتیں کر رہی تھیں تم؟" اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی جیسے گیارہ بارہ سال کا کوئی لڑکا غصے میں غرانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہاں کون آ سکتا ہے؟" زریاب نے کہا۔ "روشن دان اور کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے کے باہر تالا لگا ہوا تھا بلی کا بچہ بھی اندر نہیں آ سکتا۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"میں نے خود باتوں کی آواز سنی تھی۔" خامس نے کہا۔

"تو پھر تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" زریاب نے کہا۔ "کمرے میں اگر کوئی ہے تو اسے تلاش کر لو۔"

کمرے میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں کسی کو چھپایا جا سکتا۔ خامس نے جھک کر مسہری کے نیچے جھانکا۔ پھر سیدھا ہو کر کمرے کی سپاٹ دیواروں کو گھورنے لگا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے تو زریاب، گوپانگ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے قیدی بنا کر کیوں رکھا گیا ہے؟"

"تم بالکل آزاد ہو۔" گوپانگ نے کہا۔ "تم نے اپنے آپ کو قیدی کیسے سمجھ لیا؟"

"کمرے کے روشندان اور کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں اور دروازے کو باہر سے تالا۔ کیا تم اسے آزادی سمجھتے ہو؟" زریاب نے اسے گھورا۔

"روشندان اور کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں احتیاطاً لگائی گئی ہیں۔ حویلی کے اس حصے میں خونخوار کتے بھی رہتے ہیں جو رات کو کھلے رہتے ہیں۔ یہ کتے بہت خاموش طبع لیکن بدماغ ہیں۔ اگر کوئی کتا کھڑکی کے راستے اندر آ گیا تو تمہیں چیر پھاڑ ڈالے گا اور دروازے پر تالا شاید غلطی سے لگ گیا تھا۔ بہرحال اب تم دروازے کو اندر سے بند کر سکتی ہو۔۔۔" گوپانگ نے کہا۔

وہ باہر نکل گئے۔

وہ مسہری پر لیٹی اس تازہ ترین صورتحال کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ جس سے ملنے کے لئے اتنا طویل سفر کر کے یہاں آئی تھی، بالآخر اس سے ملاقات ہو گئی تھی لیکن یہ ملاقات بھی عجیب و پراسرار حالات میں ہوئی تھی۔ جاگیردار نمران جس طرح دیوار سے برآمد ہوا تھا اس سے زریاب سمجھ گئی تھی کہ جس تہہ خانے میں وہ قید تھا وہاں سے کوئی خفیہ راستہ اس کمرے تک آتا تھا۔ لیکن زریاب کے لئے یہ بات حیران کن تھی کہ نمران کو کیسے پتہ چلا کہ وہ اسی کمرے میں موجود ہے؟ اور پھر یہ کہ تہہ خانے میں اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک نرس بھی موجود تھی۔ وہ نرس یقیناً اس کی نگرانی کے فرائض بھی انجام دیتی ہو گی۔ ایسی صورت میں وہ اسے دھوکہ دے کر کیسے نکل آیا تھا؟ اس سوال کا جواب زریاب نے خود ہی تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ ممکن ہے نرس کی گہری نیند سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے قید خانے سے نکل آیا ہو۔

خامس واقعی کسی آسیب سے کم نہیں تھا۔ رات کے پچھلے پہر بھی وہ کسی بدروح کی طرح حویلی میں بھٹک رہا تھا۔ وہ اس طرف بھی آیا ہو گا اور اس نے کمرے میں ان دونوں کی باتوں کی آواز سنی ہو گی۔ اگر اس وقت اس کے پاس چابی ہوتی تو وہ بڑے آرام سے دروازہ کھول کر جاگیردار نمران کو اس کمرے میں پکڑ سکتا تھا۔ لیکن اس کے پاس چابی نہیں تھی اور وہ گوپانگ کو اطلاع دینے کے لئے دوڑ گیا تھا۔ زریاب جب سے یہاں آئی تھی اس نے کئی مرتبہ خامس کے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنی تھی لیکن اس کے ساتھ گوپانگ کے قد[illegible] کی چاپ سن کر وہ دونوں محتاط ہو گئے تھے اور اس طرح نمران کو دیوار میں روپوش ہو[illegible] کا موقع مل گیا تھا۔

[illegible] سنبھال [illegible] طے کر لیا تھا کہ وہ ان درندوں کا شکار نہیں ہو گی۔ وہ یہاں سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہر صورت نکلے گی۔ لیکن اس سے پہلے وہ سارے کام کرنے ہوں گے جن کے لئے وہ یہاں آئی تھی۔ اور اس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ نمران کو بھی ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑے گی۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھی کہ گوپانگ اور خامس جیسے آدمیوں سے نمٹنا آسان نہیں ہوگا۔

یہ بات بھی اس کے لئے ایک دلچسپ انکشاف ثابت ہوئی تھی کہ کندن، نمران کی بیٹی تھی جسے مرے ہوئے دس سال ہو چکے تھے۔ اس کی روح اب بھی باپ کی تلاش میں حویلی میں بھٹک رہی تھی۔ لیکن وہ کیسی روح تھی جو اس حویلی میں اپنے باپ کو تلاش نہیں کر سکی تھی۔ روحوں کے لئے تو راستوں کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ ان کے لئے کوئی دیوار، کوئی دروازہ رکاوٹ نہیں بنتا لیکن . . . وہ اپنے باپ تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہی تھی۔

دفعتاً زریاب کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ کیا واقعی وہ کندن کی روح تھی، یا وہ زندہ تھی؟ وہ اپنے آپ کو زندہ انسان ثابت کرنے پر بضد تھی۔ عین ممکن ہے دس سال پہلے حویلی کی فصیل سے چھلانگ لگانے کے بعد وہ مری نہ ہو، محض زخمی ہوئی ہو اور وہاں سے کسی ایسی جگہ جا کر چھپ گئی ہو جہاں سے اس کا سراغ نہ لگایا جا سکا ہو۔ اور رکھیل شاہ اور دوسروں نے اسے مردہ سمجھ لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا باپ بھی اسے مردہ سمجھ بیٹھا ہو۔ وہ دس سال تک روپوش رہنے کے بعد اپنے باپ کی تلاش میں واپس آ گئی۔ کندن نے بتایا تھا کہ بعد میں اسے شگن سے حویلی کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں اور جب اسے پتہ چلا کہ اس کے باپ کو حویلی میں قید کر دیا گیا ہے اور وہ بیمار ہے تو اس نے حویلی میں داخل ہو کر اپنے باپ کی تلاش شروع کر دی۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ حویلی میں آمد و رفت کا ایک چوتھا راستہ بھی تھا جس سے کندن واقف تھی۔ وہ اسی راستے سے حویلی میں داخل ہوتی ہے اور پھر پراسرار طور پر غائب ہو جاتی ہے۔ وہ حویلی میں اور بھی بہت سے خفیہ راستوں سے واقف تھی۔ گزشتہ روز وہ لیفٹ ونگ کی راہداری سے بھی پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس راہداری کی کسی دیوار میں بھی کوئی خفیہ راستہ موجود تھا۔

زریاب جیسے جیسے سوچتی جا رہی تھی اس کا ذہن الجھتا چلا جا رہا تھا۔

کھڑکیوں میں اب بہت مدہم سا اجالا نظر آنے لگا تھا۔ رات کی تاریکی رخصت ہو رہی تھی۔ زریاب تقریباً رات بھر جاگی تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا ذہن بھی بری طرح تھک

گیا تھا۔ اس کی پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکنے لگیں، اور بالآخر وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔

☆

ناشتہ کرنے کے بعد زریاب کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کے گھومنے پھرنے پر اب بھی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ وہ عمارت سے نکل کر کھلے میں آ گئی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وہ حویلی کی اس عمارت کی طرف چلنے لگی جہاں زیر زمین کمرے میں کندن کی تصویر آویزاں تھی اور کندن سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔

وہ ایک مختصر سی عمارت کے اوپر گھوم پھر کر دوسری طرف پہنچی ہی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اسے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس سے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر خامس کھڑا تھا۔ اس نے دو کتوں کی زنجیریں تھام رکھی تھیں۔ ایسے خونخوار کتے زریاب نے پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ ان کی زبانیں باہر لٹکی ہوئی تھیں اور وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ زریاب کو دیکھ کر وہ خوفناک انداز میں ہانپنے لگے۔ وہ اس کی طرف بڑھ رہے تھے اور خامس جیسے دیو قامت شخص کو بھی اپنے ساتھ کھینچ رہے تھے۔ اگر ان کی زنجیریں کسی اور کے ہاتھ میں ہوتیں تو وہ خونخوار کتے یقیناً اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لے جاتے۔

خامس نے عجیب سے لہجے میں غرا کر کچھ کہا اور وہ خونخوار کتے اس کی آواز سن کر حیرت انگیز طور پر پرسکون ہو گئے۔ اس پر زریاب کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ زریاب کو تو اس پر بھی حیرت تھی کہ حویلی میں یہ خونخوار کتے کہاں سے آ گئے تھے۔ حالانکہ وہ جب سے یہاں آئی تھی حویلی میں گھومتی رہی تھی اور اس نے کبھی کسی کتے کے بھونکنے کی آواز تک نہیں سنی تھی۔

خامس نے عجیب سے نظروں سے زریاب کی طرف دیکھا۔ پھر کتوں سے کچھ کہا۔ جیسے کتے اس کے حکم کے تابع تھے۔ وہ سرخ زبانیں لٹکائے ایک طرف چلنے لگے اور خامس بھی ان کے پیچھے کھنچتا چلا گیا۔ زریاب کچھ دیر وہاں کھڑی رہی۔ پھر ایک طرف چلنے لگی۔

وہ سارا دن حویلی کے مختلف حصوں میں گھومتی رہی مگر کندن کا کوئی نام و نشان نہیں ملا۔ وہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

رات کے کھانے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈا لگایا اور اس دیوار کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گھورتی رہی جہاں سے گزشتہ رات نمران برآمد ہوا تھا۔ آدھی رات کے لگ بھگ اس نے اٹھ کر لیمپ کی روشنی میں پوری دیوار کو باریک بینی سے دیکھ ڈالا لیکن اسے کہیں کوئی معمولی سا رخنہ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر آکر لیٹ گئی۔

دو تین روز اور گزر گئے۔ اس دوران نہ تو کندن نظر آئی اور نہ ہی کمرے کی دیوار شق ہوئی۔ کبھی تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ اس رات اس نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا۔

وہ حویلی میں اس کی آٹھویں شب تھی۔ پہلی مرتبہ اسے مایوسی نے گھیرا تھا۔ وہ عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی جس سے بظاہر نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ بھی نمران کی طرح اس پراسرار حویلی کی قیدی بن کر رہ گئی تھی۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ سو گئی۔

سوتے میں اسے سانس گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ پھر دفعتاً یوں لگا جیسے کوئی اسے گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے گڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ دو تاریک سائے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ زریاب کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ وہ چیخنا چاہتی تھی کہ ایک سائے نے اس کا منہ دبا دیا۔

باہر کہیں دوڑتے ہوئے قدموں اور کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ زریاب اپنے آپ کو ان سایوں کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر دفعتاً اس کی کنپٹی پر ایک زوردار ہاتھ پڑا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆

ہوش میں آتے ہی زریاب کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہرے کنویں کی تہہ میں پڑی ہو۔ اس کے چاروں طرف قبر کی سی گہری تاریکی تھی۔ اسے دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہوا اور دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا اور پیر بھی ٹخنوں کے قریب سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لیکن تاریکی میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بے بسی سے پڑی رہی۔ اس کے نیچے کھردری زمین تھی اور اسے چھوٹے چھوٹے کنکر جسم میں چبھتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ دائیں پہلو پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے لوٹ لگا کر بائیں پہلو پر ہو گئی۔ گہری تاریکی اور سناٹے میں وقت گزرنے کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسے تو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب سے یہاں بندھی پڑی تھی۔ وہ تو بس یہ جانتی تھی کہ جب سے ہوش میں آئی تھی ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

وہ ان دونوں آدمیوں کے بارے میں سوچنے لگی جنہوں نے اسے سوتے میں مسہری پر دبوچا تھا۔ وہ دونوں لمبے تڑنگے تھے۔ اس وقت اگرچہ کمرے میں لیمپ روشن تھا لیکن آنکھیں کھلنے کے بعد اسے اتنی مہلت نہیں ملی تھی کہ وہ ان میں سے کسی کی شکل دیکھ سکتی۔ اگر اسے کنپٹی پر گھونسہ یا تھپڑ مار کر بے ہوش نہ کیا جاتا تو شاید ان میں سے کسی ایک کی یا دونوں کی شکلیں دیکھ لیتی۔ لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ وہ دونوں کون تھے اور اسے حویلی کے اس کمرے سے کیوں اٹھایا گیا تھا۔ وہ گوپانگ یا خامس کے آدمی تو ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ ان لوگوں کو اسے اس طرح اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو پہلے ہی ان کے قبضے میں تھی۔ لیکن وہ کون تھے اور اسے اس طرح اغوا کیوں کیا گیا تھا؟ اور پھر یہ کون سی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جگہ تھی؟ حویلی ہی کا کوئی اندرونی حصہ تھا یا کوئی اور جگہ؟ وہ لوگ اسے یہاں باندھ کر خود کہاں غائب ہو گئے تھے؟

دفعتاً زریاب کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا، ایسی حویلیوں میں سازشوں کے تانے بانے تو ہمیشہ ہی سے بنے جاتے رہے ہیں۔ حویلی کے ایک کمرے سے اس کا اغوا بھی کسی سازش کا حصہ تو نہیں تھا؟ حویلی میں خامس اور گوپانگ کے علاوہ اور کوئی آدمی نہیں تھا۔ نمران کو وہ دیکھ چکی تھی جسے بڑھاپے اور بیماری نے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ وہ خود قید میں تھا۔ باہر کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ اسے اغوا کرنے والے نمران کے آدمی نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ گوپانگ نے باہر سے اپنے آدمیوں کو بلوا کر اس کے اغوا کا ڈرامہ رچایا ہو۔ ہو سکتا ہے اس کی گمشدگی کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے کسی نے گوپانگ سے رابطہ کیا ہو اور گوپانگ نے اسے اس طرح وہاں سے غائب کروا دیا ہو۔ لیکن اس طرح اغوا کروانے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟ اسے تو کسی بھی وقت بڑے اطمینان سے قتل کر کے راستے سے ہٹایا جا سکتا تھا۔ اس کی لاش حویلی کی کسی بھی تاریک سرنگ میں پھینک دی جاتی۔ اس طرح اس کا سراغ لگانا بھی ممکن نہ ہوتا۔

لیکن وہ لوگ اسے اس تاریک قبر میں ڈال کر کہاں چلے گئے تھے؟ دفعتاً ایک اور خیال سے وہ کانپ اٹھی۔ اس نے لیفٹ ونگ کے ایک کمرے میں کرسی پر ایک انسانی ڈھانچہ بندھا ہوا دیکھا تھا۔ وہ بھی کبھی جیتا جاگتا انسان تھا جسے کرسی سے باندھ دیا گیا تھا اور اسی طرح کرسی پر بندھے ہوئے وہ موت کا لقمہ بن گیا تھا۔ کتنی اذیت ناک موت ہو گی وہ؟ یہ سوچ کر ہی زریاب کانپ اٹھی تھی۔

دفعتاً وہ چونک گئی۔ وہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں تھی۔ جو کہیں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ زریاب کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ان دو کتوں کی خوفناک شکلیں اس کے ذہن میں ابھر آئیں جنہیں اس روز اس نے خامس کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس حویلی ہی کے کسی حصے میں تھی یا کہیں اور۔ لیکن ان کتوں کے بھونکنے کی آوازوں نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔

کتوں کے بھونکنے کی آوازیں معدوم ہو گئیں۔ اسے تھوڑی ہی دیر بعد قدموں کی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان آوازوں سے صاف لگ رہا تھا کہ کوئی اس طرف آ رہا تھا۔

قدموں کی آوازیں نمایاں ہوتی جا رہی تھیں۔ آوازیں جیسے جیسے قریب آتی جا رہی تھیں زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اور بالآخر قدموں کی وہ آوازیں اس کے قریب رک گئیں۔ زریاب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی لیکن تاریکی میں اسے کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ شخص جس طرح تاریکی میں چلتا ہوا وہاں آ کر رکا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تاریکی میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ اندھیرے میں اس سے ٹکرا بھی سکتا تھا لیکن وہ اس طرح اس کے قریب آ کر رکا تھا جیسے اسے دیکھ رہا ہو۔

دفعتاً زریاب کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے سورج طلوع ہو گیا ہو۔ بڑی تیز روشنی تھی۔ جس نے اس کی آنکھوں میں چکاچوند سی پیدا کر دی تھی۔ روشنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ روشنی اس کے چہرے سے ذرا سی سرک گئی۔ زریاب نے آنکھیں کھول دیں۔ دیر تک تاریکی میں رہنے سے روشنی سے مانوس ہونے میں بھی اسے خاصا وقت لگا تھا۔ وہ اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خاصا دراز قامت تھا اور اس کی طرف دیکھنے کے لئے زریاب کو گردن خاصی موڑنی پڑی تھی۔

اس شخص کے ہاتھ میں ٹارچ تھی جس کی روشنی ایک بار پھر براہ راست زریاب کے چہرے پر پڑنے لگی تھی جس سے اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ وہ شخص اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر زریاب کی آنکھوں میں خوف گہرا ہو گیا۔ چاقو ٹارچ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ زریاب اس شخص کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ روشنی کے پس منظر میں اس شخص کا چہرہ بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔

"میں تمہارے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال رہا ہوں۔ شور مچانے کی کوشش مت کرنا۔" اس شخص نے زریاب کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

زریاب خوفزدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس شخص نے چاقو والا ہاتھ اس کے چہرے کی طرف بڑھایا۔ زریاب کی وحشت بڑھ گئی۔ وہ اپنے چہرے کے عین سامنے چاقو کو دیکھ رہی تھی۔ اس شخص نے زریاب کے منہ سے کپڑا نکال لیا۔ زریاب کے منہ سے اس قدر طویل اور گہرا سانس نکلا جیسے غبارے میں بھری ہوئی ہوا نکل گئی ہو۔

"کک... کون ہو تم...؟" اس نے اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے کہا۔اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"دوست۔" اس شخص نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"دوست؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ "کیا یہ طریقہ....."

"مجبوری تھی۔" اس شخص نے بات کاٹ دی۔ "اگر ہم اس طریقے پر عمل نہ کرتے تو تمہیں وہاں سے کبھی نہیں نکال سکتے تھے۔"

"مگر تم ہو کون؟ اور مجھے وہاں سے اس طرح کیوں نکالا گیا ہے؟ یہ کون سی جگہ ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"میرا نام رزمق ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "تم وہاں خطرے میں تھیں اس لئے تمہیں وہاں سے نکال لیا گیا۔ اس کوشش میں میرا ساتھی مارا جاچکا ہے۔ اسے خونخوار کتوں نے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ ایسی بھیانک موت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ایک زندہ انسان کو دو خونخوار کتے جس طرح چیر پھاڑ رہے تھے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"لیکن تم کون ہو؟ تمہارا اس حویلی سے کیا تعلق ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"میں نے اپنا نام بتادیا ہے۔ دوسرے سوالوں کا جواب بعد میں دوں گا۔" رزمق نے کہتے ہوئے ٹارچ کی روشنی اس کے پیروں پر ڈالی اور چاقو کی نوک اس کے پیروں پر لپٹی ہوئی رسیوں میں پھنسا کر زوردار جھٹکا دیا۔ رسیاں کٹ گئیں۔ رزمق اٹھ کر زریاب کی پشت پر پہنچ گیا اور کلائیوں کی رسیاں بھی کاٹ دیں۔ پھر اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھادیا۔

زریاب کبھی کلائیاں سہلاتے لگتی اور کبھی ٹخنے..... رسوں کی بندش کی وجہ سے کلائیوں اور ٹخنوں میں جلن سی ہو رہی تھی۔

"تمہیں جو تکلیف اٹھانا پڑی اس کے لئے میں معذرت چاہتا ہوں۔" رزمق نے کہا۔ "ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ تمہیں خاموشی سے وہاں سے نکال لائیں گے لیکن اس بدروح کی اولاد خامس کو پتہ چل گیا۔ خامس اور گوپانگ نے ہمیں روکنے کی کوشش کی۔ اس نے ہم پر کتے بھی چھوڑ دیئے۔ میرا ساتھی انہیں دھوکا دینے کے لئے دوسری طرف بھاگ نکلا اور میں تمہیں یہاں لے آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میرا ساتھی خطرے میں ہے۔ اسے میری مدد کی ضرورت تھی۔ میں نے تمہیں یہاں ڈال کر ہاتھ پیر باندھ دیئے اور منہ میں اپنا رومال ٹھونس دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد تم چیخنا چلانا

شروع نہ کر دو یا یہاں سے کہیں جانے کی کوشش نہ کرو۔ ان بھول بھلیوں میں اگر کوئی پھنس جائے تو وہ باہر نہیں نکل سکتا۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟ حویلی کا کوئی تہہ خانہ؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" رزمق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "تمہیں یہاں چھوڑنے کے بعد میں دوبارہ باہر چلا گیا تھا۔ خامس اور اس کے خونخوار کتے میرے ساتھی کی تلاش میں تھے۔ میں ایک عمارت کی برجی پر چڑھ گیا۔ میرا ساتھی بھی دوڑتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔ خامس اور کتے بھی اس کے تعاقب میں تھے۔ خامس بھاری بھرکم ہونے کے باوجود کتوں سے زیادہ تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اس نے کئی گز دور سے میرے ساتھی پر چھلانگ لگادی۔ وہ نیچے گرا۔ اس نے سنبھل کر خامس کو زوردار کک لگادی اور خود اس طرف چھلانگ لگانا ہی چاہتا تھا کہ ان خونخوار کتوں نے اسے دبوچ لیا۔ خامس چند قدم کے فاصلے پر کھڑا چیخ چیخ کر کتوں سے کچھ کہہ رہا تھا اور کتے لپک لپک کر میرے ساتھی پر حملے کر رہے تھے۔ میرے ساتھی کی بھیانک چیخوں سے فضا گونج رہی تھی۔ وہ لہولہان ہو گیا۔ کتے بدستور اس پر حملے کر رہے تھے۔ میرا ساتھی زمین پر گر گیا۔ کتے نوکیلے پنجوں اور خونخوار دانتوں سے اسے ادھیڑنے لگے۔

میں دور برجی پر کھڑا بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور اپنے ساتھی کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ ایسی بھیانک اور اذیت ناک موت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اگر وہ کتے نہ ہوتے تو میں بھی خامس سے بھڑ جاتا۔ پھر دفعتاً میں نے خامس کو چونکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے شاید اپنے آس پاس میری موجودگی محسوس کرلی تھی۔ وہ بہت ہی عجیب اور پراسرار آدمی ہے۔ اس میں واقعی کوئی بدروح حلول کر چکی ہے۔ وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اس عمارت کی طرف آنے لگا جس کی برجی پر میں موجود تھا۔ وہ چلا چلا کر کتوں سے بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن کتے اپنے شکار کے بخیئے ادھیڑنے میں مصروف تھے۔ کم از کم اس وقت وہ خامس کا کوئی حکم ماننے کو تیار نہیں تھے۔

میں فوراً ہی برجی سے اتر کر اس عمارت کے پچھلی طرف چلا گیا اور خفیہ راستے سے یہاں آگیا۔ خامس ابھی مجھے اس طرف تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر بعد حویلی کے باہر بھی ہماری تلاش شروع ہو جائے گی۔ اس لئے ہمیں جلد سے جلد یہاں سے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نکل جانا چاہئے۔"

"کہاں؟" زریاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"محفوظ جگہ پر۔" رزمق نے جواب دیا۔ "اگر اس وقت ہم یہاں سے نہ نکل سکے تو انہیں تاریک سرنگوں میں پھنس کر رہ جائیں گے۔"

"تم کون ہو؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"یہ سوال جواب کا وقت نہیں ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ اب جلدی سے چل پڑو۔ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" رزمق نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھادیا۔

رزمق کی گرفت اگرچہ دوستانہ تھی لیکن زریاب کے پورے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ رزمق نے اپنے آپ کو اس کا دوست اور ہمدرد کہا تھا لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی بات نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس پراسرار حویلی سے نکل کر کسی اور مصیبت میں پھنس جائے۔

رزمق ٹارچ لئے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا اور زریاب اس سے دو قدم پیچھے تھی۔ وہ ایک طویل سرنگ تھی جو مسلسل ڈھلان کی طرف چلی گئی تھی۔ سرنگ اتنی کشادہ تھی کہ اس میں تین آدمی پہلو بہ پہلو آسانی سے چل سکتے تھے۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ کہیں کہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ اس سرنگ میں دو تین موڑ بھی آئے تھے۔

یہ سرنگ شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتی جارہی تھی۔ زریاب اس رات بھی کندن کے ساتھ زیرزمین سرنگوں میں گھومتی رہی تھی لیکن اس روز بھی اور آج بھی اس نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ ان سرنگوں میں گھٹن کا احساس بالکل نہیں تھا۔ انہیں کچھ اس طرح تعمیر کیا گیا تھا کہ ہوا کا احساس رہتا تھا۔

ایک موڑ گھومتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا زریاب کے چہرے سے ٹکرایا۔ لیکن چند گز مزید آگے چلنے کی بعد سرنگ نہ صرف تنگ ہو گئی تھی بلکہ اس کی چھت نیچی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں بہت جھک کر چل رہے تھے۔

اور بالآخر سرنگ ختم ہو گئی۔ وہ کھلی جگہ پر نکل آئے تھے۔ یہ دیکھ کر زریاب کو ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ اس کے چاروں طرف کانٹے دار قد آدم جھاڑیاں پھیلی ہوئی

تھیں۔ حشرات الارض کی آوازیں اور ہوا سے ہلتی ہوئی جھاڑیوں کی سرسراہٹ عجیب پراسرار سا تاثر پیدا کر رہی تھی۔ وہ جس جگہ سے باہر نکلے تھے اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی جانور کے رہنے کا ٹھکانہ ہو۔ بعض جانور رہنے کے لئے زمین کھود کر چھوٹی سی سرنگ بنا لیتے ہیں۔ یہ سرنگ بالکل ویسی ہی تھی۔ اس تنگ سے دہانے کے ساتھ ہی بائیں طرف ایک بہت بڑا پتھر پڑا ہوا تھا۔ رزمق نے ٹارچ زریاب کے حوالے کر دی اور پتھر کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلنے لگا۔ اسے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ پتھر اپنی جگہ سے سرک کر سرنگ کے دہانے پر اس طرح فٹ ہو گیا جیسے صدیوں سے اسی جگہ پڑا ہو۔

رزمق نے زریاب کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر بجھا دی۔ ایک دم تاریکی چھا گئی۔ زریاب کی آنکھوں کے سامنے ایک دم اندھیرا چھا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو وہ گردن گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ دراصل یہ وہ سماں تھا جب رات کی تاریکی دن کے اجالے کو جگہ دینے کے لئے رخصت ہونے کی تیاری کر رہی تھی۔

چاروں طرف قد آدم کانٹے دار جھاڑیاں اور گنجان درخت تھے۔ رزمق نے زریاب کو اشارہ کیا اور ان جھاڑیوں میں ایک طرف چلنے لگا۔ زریاب اس کے پیچھے چلنے لگی۔ کانٹے دار جھاڑیوں میں اس کے کپڑے الجھ رہے تھے۔ وہ تقریباً پچاس گز آگے نکلے ہوں گے کہ فضا میں کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ زریاب بدحواس سی ہو کر لڑکھڑا گئی۔ وہ دائیں طرف جھاڑیوں میں گری اور جب اس نے سنبھل کر آگے بڑھنا چاہا تو اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مارے خوف کے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے پیچھے سے اس کی قمیص پکڑ لی ہو۔

رزمق چند قدم آگے نکل چکا تھا۔ وہ زریاب کی چیخ سن کر تیزی سے مڑا، خوفناک چاقو اچانک ہی اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ وہ ایک ہی چھلانگ میں زریاب کے قریب پہنچ گیا۔ زریاب سہمی ہوئی سی کھڑی تھی۔ رزمق کو صورتحال کو سمجھتے میں دیر نہیں لگی۔ وہ زریاب کے پچھلی طرف پہنچ گیا اور ایک جھاڑی میں پھنسا ہوا اس کی قمیص کا دامن چھڑا دیا۔

زریاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"میرا خیال ہے گوپانگ حویلی کے باہر اس جنگل میں ہمیں تلاش کر رہا ہے۔ اس کے

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ساتھ غالباً کوئی شکاری کتا بھی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد اس علاقے سے دور نکل جانا چاہیے۔" رزمق نے کہا۔

وہ دونوں ایک بار پھر جھاڑیوں میں چلنے لگے۔ زریاب کے لئے چلنا دشوار ہو رہا تھا کہ کپڑے بار بار جھاڑیوں میں الجھ رہے تھے۔ کتے کے بھونکنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دینے لگی۔ اس مرتبہ یہ آواز قدرے قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اور بھی تیزی سے چلنے لگے تھے۔

اندھیرا رخصت ہو رہا تھا۔ ملگجا سا اجالا نمودار ہونے لگا تھا۔ جھاڑیاں اب چھدری ہو گئی تھیں۔ لیکن درخت خاصے گنجان تھے۔ تاریکی چھٹ جانے سے اب راستہ دیکھنے میں آسانی ہو گئی تھی۔ کتے کے بھونکنے کی آواز اب بار بار سنائی دے رہی تھی۔ رزمق نے دائیں ہاتھ میں چاقو پکڑ رکھا تھا اور وہ بار بار مڑ کر کبھی پیچھے اور کبھی ادھر اُدھر دیکھنے لگتا۔ انہوں نے اپنی پوزیشن بدل لی تھی۔ اب زریاب آگے اور رزمق پیچھے چل رہا تھا۔

کتے کے بھونکنے کی آواز اس مرتبہ بہت قریب سے سنائی دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کسی آدمی کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ وہ غالباً بہت دور تھا اور وہ کتے کا نام لے کر پکار رہا تھا۔

"تم اس طرف نکل جاؤ۔" رزمق نے رک کر ایک طرف اشارہ کیا۔ "یہاں سے قریباً نصف میل دور ایک ندی ہے۔ تم پلیا کے دوسری طرف میرا انتظار کرنا۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

زریاب کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ بزدل نہیں تھی۔ لیکن پے در پے پیش آنے والے پراسرار واقعات اور عجیب و غریب حالات نے اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ یہ رزمق کون ہے اور اسے حویلی سے نکال کر کہاں لے جا رہا ہے۔ وہ حویلی سے نہیں نکلنا چاہتی تھی۔ خصوصاً اس رات جاگیردار نمران سے ملاقات کے بعد تو اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں حویلی سے نہیں جائے گی۔ اسے نہ صرف اپنی کتاب کے لئے دستاویزات کی ضرورت تھی بلکہ وہ نمران کے خلاف جاگیر کے مینجر رکھیل شاہ کی سازش اور حویلی کے سربستہ راز بھی معلوم کرنا چاہتی تھی۔ سب سے بڑا راز تو یہ تھا کہ اس کے باپ کے پرانے کاغذات سے برآمد ہونے والی تصویروں اور خود اس کے باپ کا اس حویلی سے کیا تعلق تھا؟ وہ اور بھی بہت کچھ معلوم

کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے ہر حالت میں حویلی میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن رزمق ہمدرد بن کر اسے حویلی سے نکال لایا تھا کیونکہ رزمق کے کہنے کے مطابق اسے حویلی میں خطرہ تھا۔

"جاؤ! دیر مت کرو۔" رزمق نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر آہستہ سے آگے دھکیل دیا۔

رزمق کے ہاتھ کے لمس سے زریاب کے جسم میں ایک بار پھر سنسنی کی لہر سی پھیل گئی۔ وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر مڑ کر تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگی۔ اسے کتے کے بھونکنے کی آواز اب قریب آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

رزمق چند لمحے وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی ایک طرف دوڑنے لگا۔ وہ جان بوجھ کر اس طرح دوڑ رہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ آواز پیدا ہو۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر کے وہ رک گیا۔ اس جگہ جھاڑیاں بہت چھوٹی تھیں۔ وہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

دفعتاً وہ چونک گیا۔ جھاڑیوں میں کسی جانور کے دوڑنے کی آواز سنائی دے رہی تھی، اور پھر وہ آواز رک گئی۔ رزمق درخت کی آڑ سے نکل آیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر وہ کتا کھڑا تھا۔ بالکل دبلا پتلا مگر قامت میں کسی قدر لمبا۔ اس کی رنگت بھوری تھی اور کہیں کہیں سفید بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ شکاری کتا تھا۔

کتے کے حلق سے خوفناک غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ اس کے اگلے پیر کسی قدر آگے کو نکلے ہوئے تھے۔ وہ اپنے شکار پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ وہ اپنے پنجوں کو آہستہ آہستہ حرکت دے رہا تھا۔ غالباً حملے کے لئے پوزیشن درست کر رہا تھا۔

رزمق کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتدریج کرختگی میں بدلتی چلی گئی اور پھر اس کے چہرے پر اس درندے سے زیادہ کرختگی آ گئی جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ رزمق کے دائیں ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس نے چاقو پھینک دیا اور دونوں ہاتھ آگے نکال لئے۔ انہیں دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں درندے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کو تیار تھے۔

کتے نے غراتے ہوئے اچانک ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ چھلانگ لگانے سے پہلے وہ اس طرح جھکا تھا کہ پیٹ زمین سے جا لگا اور پھر وہ کسی طاقتور سپرنگ کی طرح اچھلا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رزمق بھی تیار کھڑا تھا۔ کتے کو چھلانگ لگاتے دیکھ کر وہ کسی قدر نیچے جھک گیا۔ اس کے ہاتھ بدستور سامنے کو نکلے ہوئے تھے۔ کتا ہوا میں اڑتا ہوا جیسے ہی اس کے اوپر پہنچا رزمق نے بڑی پھرتی سے ایک طرف جھکتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کے گلے پر ڈال دیئے۔

شکاری کتا منجنیق سے نکلے ہوئے وزنی گولے کی طرح پوری قوت سے اس پر آیا تھا۔ اس کے بوجھ سے رزمق لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ کتا بھی درخت سے جا ٹکرایا۔ رزمق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قلابازی کھائی اور اس طرح کتے کا گلا دبوچ لیا کہ اس کے پنجے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

شکاری کتا بری طرح مچل رہا تھا۔ رزمق نے پوری قوت سے اس کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی جا رہی تھی۔ کتا اپنے جسم کو بری طرح بھنچ رہا تھا لیکن اس کی مزاحمت بتدریج کمزور پڑتی چلی گئی اور بالآخر وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ مگر رزمق نے اس کی گردن نہیں چھوڑی۔ اس نے دو تین زوردار جھٹکے دیئے۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری۔ کتے کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ رزمق نے ایک دو اور جھٹکے دیئے اور کتے کو چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ اٹھتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑائے لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اس کا جسم پسینے میں تر ہو گیا تھا۔ اس خونخوار درندے سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر کے اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ کتے کا ایک پنجہ یا دانت بھی اس کے جسم پر کہیں لگ جاتا تو خود اس کا بچنا بھی مشکل ہو جاتا۔

اپنی حالت پر قابو پانے کے بعد اس نے چاقو اٹھایا۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر تیزی سے اس طرف چلنے لگا جس طرف زریاب گئی تھی۔

☆

زریاب تقریباً دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور لباس جھاڑیوں میں الجھ رہا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لڑکھڑائی تو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور جھاڑیوں میں گر گئی۔ اٹھنے کی کوشش میں اس کی بانہوں پر کچھ خراشیں آ گئیں۔ دائیں کندھے کے قریب سے قمیص کانٹوں میں الجھ گئی تھی۔ اس نے پہلے اپنے ہاتھ سے قمیص

چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکی تو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ قمیص پھٹ گئی۔ لیکن کانٹوں سے نجات مل گئی تھی۔ اس کا کندھا برہنہ ہو گیا تھا۔

فضا کا ملگجا پن اب سپیدے میں بدل رہا تھا۔ زریاب کو اس رات کا تجربہ یاد تھا جب وہ کمال کے ساتھ سٹیشن سے حویلی کی طرف آ رہی تھی۔ اگرچہ اس وقت دن طلوع ہو رہا تھا لیکن اس پر خوف طاری تھا۔ جنگلی درندوں کا خوف اور گوپانگ کا خوف جو اس کی تلاش میں کتوں کو لے کر اسی جنگل میں گھوم رہا تھا۔

بہت دیر سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ البتہ کبھی کبھی گوپانگ کی آواز سنائی دے جاتی جو غالباً اپنے کتے کو آوازیں دے رہا تھا۔

زریاب دوڑتے دوڑتے بری طرح تھک گئی تھی۔ اس کا سانس پھول گیا تھا اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ جنگل بہت گنجان تھا۔ درختوں کے اوپر کی شاخیں اگرچہ ہوا سے جھوم رہی تھیں لیکن نیچے ہوا بہت کم تھی جس سے گھٹن کا سا احساس ہو رہا تھا۔

دفعتاً دائیں طرف جھاڑیوں میں تیز سرسراہٹ کی آواز سن کر وہ چونک گئی اور جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز ایسی تھی جیسے کوئی جانور گھات لگائے دبے قدموں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ وحشت زدہ نظروں سے جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ دفعتاً ایک جگہ جھاڑیاں تیزی سے ہلیں اور ایک جانور لپکتا ہوا نظر آیا۔ زریاب کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وہ سفید رنگ کا ایک خرگوش تھا جو جھاڑیوں سے نکل کر اس کے سامنے بھاگتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی ایک لومڑی بھی جھاڑیوں سے نکل کر بھاگی تھی۔ زریاب کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن ابھی پوری طرح قابو میں نہیں آئی تھی کہ گوپانگ کی آواز سن کر وہ ایک بار پھر اچھل پڑی۔ وہ اب بھی اپنے کتے کا نام لے کر پکار رہا تھا۔ آواز زیادہ دور کی بھی نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے وہ سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ہو۔

زریاب ایک بار پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔ رزمق نے کہا تھا کہ وہ ندی کی پلیا کے دوسری

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

طرف اس کا انتظار کرے۔ لیکن وہ ابھی تک ندی پر بھی نہیں پہنچی تھی۔ وہ خوفزدہ ہرنی کی طرح دوڑتی رہی اور بالآخر ندی پر پہنچ گئی۔

ندی تقریباً چھ فٹ چوڑی تھی۔ اس کے دونوں کناروں پر سرکنڈے سے ملتی جلتی طویل قامت جھاڑیاں تھیں۔ زریاب متوحش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پلیا کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی اور ندی بھی اتنی چوڑی تھی کہ وہ چھلانگ لگا کر پار نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے عقب میں جھاڑیوں میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز زیادہ دور کی نہیں تھی۔ وہ یقیناً گوپانگ تھا جو اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ زریاب کا دل خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر جھاڑیوں میں کہیں بھی چھپی تو اسے تلاش کر لیا جائے گا۔ وہ چھپنے کے لئے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔

اس نے سرکنڈے نما پودے کی ایک شاخ توڑی۔ اس شاخ کی موٹائی ہاتھ کی انگلی کے برابر تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے ایک پوری پور الگ کر لی۔ تقریباً دو بالشت لمبی یہ پور اندر سے کھوکھلی تھی۔ شاخ سوکھی ہوئی تھی اور اس کے توڑنے سے چٹخ چٹخ کی آوازیں ابھری تھیں۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور جھاڑیوں میں گھس کر ندی میں اتر گئی۔ وہ کنارے سے زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی۔ جھاڑیاں پانی پر جھکی ہوئی تھیں اور پانی اس کے سینے تک تھا۔ وہ پانی میں کھڑی جھاڑیوں سے باہر دیکھتی رہی۔

اس کا خیال درست نکلا۔ وہ گوپانگ ہی تھا جو اب دوڑتا ہوا سامنے آ گیا تھا۔ وہ ندی کے کنارے سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر رک گیا۔ بھاگ دوڑ سے اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ قمیص پسینے میں تر تھی۔ چہرے اور گردن پر بھی پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھنے لگا۔

زریاب نے کھوکھلی شاخ کا ایک سرا منہ میں ڈال لیا۔ دوسرے ہاتھ سے ناک دبالی اور بڑی آہستگی سے پانی میں اس طرح بیٹھ گئی کہ کھوکھلی شاخ کا دوسرا سرا پانی سے باہر تھا۔ وہ اسی نلکی کے ذریعے سانس لے رہی تھی۔

گوپانگ ندی کے کنارے پر جھاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں اوپر تھیں۔ ندی کے پانی کی طرف دیکھنے کی اس نے ضرورت نہیں

سمجھی تھی۔

زریاب نے چٹکی سے اپنی ناک دبا رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ سے نلکی کو سنبھال رکھا تھا۔ اسے اگرچہ نلکی کے ذریعے سانس لینے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس طرح زیادہ دیر تک پانی میں نہیں رہ سکتی تھی۔

دو منٹ گزر گئے۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی مدھم سی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔ چند سیکنڈ بعد اس نے بڑی آہستگی سے سر پانی سے باہر نکالا اور نلکی منہ سے نکال کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کنارے کی جھاڑیوں میں سے جھانک کر دیکھا اسے گوپانگ نظر نہیں آیا۔ البتہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو لحہ بہ لحہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

زریاب چند منٹ اور پانی میں بیٹھی رہی پھر دفعتاً اسے دائیں ٹانگ پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی چیز اس کی ٹانگ سے لپٹ رہی ہو۔

سانپ! اس خیال کے آتے ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور وہ بڑی بدحواسی میں کنارے کی جھاڑیاں پکڑ کر ندی سے باہر آ گئی۔ ندی سے باہر نکلتے ہوئے اس کا پیر پھسلا اور وہ اوندھے منہ کنارے پر گری۔ وہ چیز اب بھی اس کی ٹانگ سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر خوفزدہ نظروں سے ٹانگ کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ بیل نما جھاڑی اس کی ٹانگ سے لپٹی ہوئی تھی۔ زریاب کو اپنے آپ پر بڑا غصہ آیا تھا۔ وہ اتنی بزدل ہو گئی تھی کہ بات بات پر ڈرنے لگی تھی۔ اس نے بیل نما وہ جھاڑی ٹانگ سے ہٹا کر ایک طرف پھینک دی اور کچھ دیر تک کنارے کی گھاس پر لیٹی لمبے لمبے سانس لیتی رہی اور پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

اس کے کپڑے جسم سے چپکے ہوئے تھے اور پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی اس طرف دیکھتی رہی جس طرف گوپانگ گیا تھا۔ وہ دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

زریاب ندی کی جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ بائیں طرف چلنے لگی۔ رزمق نے کسی پلیا کے بارے میں کہا تھا اور اسے اندازہ نہیں تھا کہ پلیا کس طرف ہو سکتی ہے۔ وہ یونہی ایک طرف چل پڑی تھی۔

تقریباً پچیس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پلیا پر پہنچ گئی تھی۔ پلیا کیا تھی دو کٹے ہوئے درختوں کے تنے ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر ندی پر ڈال دیئے گئے تھے۔ اس پلیا پر سے صرف پیدل ہی آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے یہاں کسی سواری کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جس کے لئے باقاعدہ پلیا بنائی جاتی۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ درختوں کی چوٹیوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔ درخت اس قدر گنجان تھے کہ بہت کم دھوپ پتوں اور شاخوں سے چھن کر زمین تک پہنچ رہی تھی۔

پلیا پار کرنے کے بعد زریاب کچھ آگے جا کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ وہ خود تو پلیا سے گزرنے والے کسی بھی شخص کو با آسانی دیکھ سکتی تھی لیکن اسے آسانی سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

زریاب بری طرح تھک گئی تھی۔ رات کے پچھلے پہر اسے سوتے میں سے اٹھایا گیا تھا اور اس وقت سے اب تک مسلسل بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ ایک انجانے خوف نے اسے مسلسل گرفت میں لے رکھا تھا۔ حالات نے اچانک ہی حیرت انگیز پلٹا کھایا تھا۔ پہلے وہ حویلی کی قید میں تھی۔ جاگیر دار نمران سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ اگرچہ کئی روز سے وہ دوبارہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن زریاب کو یہ امید تو تھی کہ اس سے پھر ملاقات ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ زیادہ بیمار ہو گیا ہو یا اس کا یہ راز کھل گیا ہو کہ وہ کسی خفیہ راستے سے زریاب سے ملنے گیا تھا اور اسے حویلی کے کسی اور حصے میں منتقل کر دیا گیا ہو۔ لیکن اس دوران یہ دونوں پراسرار آدمی بیچ میں ٹپک پڑے اور اسے اٹھا کر لے آئے۔ اسی کوشش میں دونوں میں سے ایک کتوں کا شکار ہو گیا تھا۔ دوسرا آدمی رزمق اسے کسی خفیہ راستے سے حویلی سے نکال لایا تھا۔ لیکن رزمق کون تھا؟ اسے اس طرح حویلی سے کیوں نکالا گیا تھا؟ یہ وہ اب تک نہیں جان سکی تھی۔

زریاب کے ذہن میں خامس کا خیال ابھر آیا۔ وہ تو پاگل ہو رہا ہو گا۔ خامس نے اس کی تلاش میں حویلی کا کونہ کونہ چھان مارا ہو گا اور اب بھی اسے حویلی میں تلاش کرتا پھر رہا ہو گا۔ گوپانگ بہت جلد حویلی سے باہر آ گیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا ہو گا کہ زریاب حویلی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اسے جنگل میں تلاش کرتا پھر رہا تھا اور اس کے بہت قریب سے گزر گیا تھا۔

رزمق اسے ندی کی طرف جانے کا مشورہ دے کر کہیں غائب ہو گیا تھا۔ دفعتاً زریاب

کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اگر رزمق بھی کتے کا شکار ہو گیا ہو یا زریاب اس کے بتائے ہوئے راستے کی بجائے کسی اور طرف نکل آئی ہو تو.....؟ وہ پلیا دوسری طرف بھی ہو سکتی تھی۔ بہر حال سوال یہ تھا کہ اگر رزمق اسے نہیں ملا تو کیا ہو گا؟ وہ اس جنگل میں کہاں جائے گی۔ اسے تو واپسی کا راستہ بھی معلوم نہیں تھا اور اگر کسی طرح وہ جھاڑیوں میں اسی خفیہ راستے سے اندر داخل ہو بھی گئی تو حویلی کے نیچے سرنگوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ وہ سرنگوں کی ان بھول بھلیوں میں بھٹک کر رہ جائے گی اور ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر ختم ہو جائے گی اور کسی کو اس کا کچھ پتہ نہیں چلے گا۔

گوپانگ اور خامس بھی چین سے بیٹھنے والے تو نہیں تھے۔ زریاب ان کے ایک خوفناک راز سے واقف ہو چکی تھی۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ ان لوگوں نے جاگیر دار نمران کو قیدی بنا رکھا تھا اور زریاب یہ راز لے کر حویلی سے نکل گئی تھی۔ وہ میلوں دور تک جنگل چھان ماریں گے اور اسے زندہ بچ کر نہیں جانے دیں گے۔ انہیں یہ تو نہیں معلوم تھا کہ زریاب کو حویلی سے زبردستی نکالا گیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ حویلی کے باہر زریاب کے حمایتی موجود تھے جنہیں خفیہ راستوں کا بھی علم تھا اور زریاب ان کے ساتھ بھاگ نکلی تھی۔

صورت حال نہایت خوفناک تھی۔ اسے جلد سے جلد یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہئے تھا۔ لیکن کہاں جائے؟ اسے جنگل میں کسی راستے کا علم نہیں تھا۔ وہ جنگل میں بھٹک کر دوبارہ گوپانگ یا خامس کے ہاتھ لگ سکتی تھی۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اس کے کپڑوں سے ابھی تک پانی نچڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر مزید پانچ دس منٹ تک رزمق نہیں آیا تو وہ اٹھ کر چل دے گی۔ اس حویلی میں آنے کے دوسرے ہی دن اس نے چھت پر سے وہ چٹانیں دیکھی تھیں جن کے بارے میں گوپانگ نے بتایا تھا کہ حویلی سے درویش پور تک سڑک بنانے کے لئے اس چٹان کو توڑا جا رہا ہے۔ ان چٹانوں پر مزدور کام کرتے تھے اور ظاہر ہے وہاں مزدوروں کی کوئی چھوٹی سی بستی بھی ہو گی۔ اگر وہ ان چٹانوں تک پہنچ جائے تو اسے یقیناً مدد مل سکتی تھی۔ لیکن وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ چٹانیں کس طرف تھیں۔ ہو سکتا ہے وہ چٹانیں حویلی کے دوسری طرف ہوں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ آواز بہت قریب سے سنائی دی تھی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد کسی کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے غالباً کتے کا نام لے کر کچھ کہا تھا۔

"یہ..... یہ خامس ہے۔" زریاب ہکلا کر رہ گئی۔

"یہاں رک جاؤ۔" رزمق نے کہا اور بڑی پھرتی سے جیب سے چاقو نکال لیا۔ وہ بڑے پھرتیلے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

زریاب ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ تقریباً پانچ منٹ گزر گئے اور پھر وہ سامنے آ گئے۔ خامس گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ساتھ ساتھ کتا دوڑ رہا تھا۔ یہ انہی خونخوار کتوں میں سے ایک تھا جو زریاب نے اس روز حویلی میں دیکھے تھے۔ خامس نے بھی رزمق کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے چیخ کر کتے سے کچھ کہا تھا۔ کتا کئی فٹ لمبی چھلانگیں لگاتا ہوا رزمق کی طرف دوڑنے لگا۔ رزمق نے چاقو ایک مخصوص انداز میں پکڑ لیا تھا۔ اس کی نظریں کتے پر مرکوز تھیں۔ کتا تقریباً دس گز دور ہی تھا کہ رزمق کا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر بجلی کے کوندے کی طرح کتے کی طرف لپکا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے کتے کے حلق سے خوفناک غراہٹ نکلی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ چاقو دستے تک اس کے حلق میں پیوست تھا۔

خامس قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے پر سے رزمق پر چھلانگ لگا دی۔ رزمق نے اسے ہاتھوں پر روکا اور سر سے اوپر اٹھا کر ایک طرف پٹخ دیا۔ زریاب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ رزمق نے کس قدر آسانی سے خامس جیسے دیوزاد کو اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔ اس کا گھوڑا بھی ہنہناتا ہوا کچھ دور جا کر رک گیا تھا۔

خامس دیو قامت ہونے کے باوجود حیرت انگیز طور پر پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے میں ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگایا۔ وہ سنبھلتے ہی رزمق پر جھپٹا۔ اس کی لات رزمق کی پسلیوں پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ خامس پھر اس کی طرف لپکا۔

زریاب اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر رزمق شکست کھا گیا تو خود اس کا بچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے بھی خامس کے خلاف کارروائی میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ مارشل آرٹ کی ماہر تھی۔ موجودہ صورتحال [illegible]

وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ بھی کچھ کر دکھائے۔ وہ درختوں کی آڑ سے نکل آئی۔

"اے..... ادھر!" اس نے خامس کو متوجہ کیا۔ اس کے لہجے میں لرزش تھی اور دل کی دھڑکن بھی تیز تھی۔

خامس اس کی طرف مڑا۔ اس نے زریاب کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ زریاب نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور پوری قوت سے اچھل کر خامس کو فلائنگ کک لگائی۔ اس کا ایک پیر خامس کے سر پر اور دوسرا گردن پر لگا تھا۔ وہ بلبلاتا ہوا نیچے گرا۔ اس دوران رزمق کو بھی سنبھلنے کا موقع مل گیا اور پھر ان دونوں نے خامس کو چھاپ لیا۔ خامس بڑا سخت جان ثابت ہوا۔ اسے ڈھیر کرنے میں دس منٹ لگے۔

"مر گیا.....؟" زریاب نے ہانپتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے رزمق کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ اس قسم کے لوگ آسانی سے نہیں مرا کرتے۔" رزمق نے جواب دیا اور مردہ کتے کے گلے میں پیوست چاقو نکال کر خامس کے کپڑوں سے صاف کرنے لگا۔ خامس بے ہوش تھا اور کتے کی لاش کے قریب ہی پڑا تھا۔ رزمق نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور کچھ دور گھاس چرتے ہوئے گھوڑے کو پکڑ لایا۔ وہ دونوں گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ زریاب پیچھے بیٹھی تھی اور قدرے آگے جھکی ہوئی رزمق سے لپٹی ہوئی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ جنگل سے نکل آئے۔ آگے بنجر زمین تھی۔ اور پھر کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹی سی بستی سے کتراتے ہوئے نکل گئے اور مزید ایک گھنٹے کے سفر کے بعد ایک بہت بڑے کھنڈر کے قریب پہنچ گئے۔ یہ کھنڈر ایک ٹیلے پر تھا۔ کسی زمانے میں یہ کوئی بہت بڑی شاندار عمارت رہی ہو گی۔

رزمق نے تقریباً دو سو گز دور ہی ٹاہلی کے ایک درخت کے نیچے گھوڑا روک لیا۔ درخت کے سائے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ سفید لبادے میں لپٹی ہوئی اس عورت کا چہرہ سفید چادر میں چھپا ہوا تھا۔ زریاب گھوڑے سے اتر آئی۔ درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی عورت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے چہرے سے چادر ہٹا دی۔ زریاب اس کا چہرہ دیکھ کر اچھل پڑی۔ وہ کندن تھی۔ جو مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تت..... تم.....؟" زریاب ہکلا کر رہ گئی۔ اس کی نظریں کندن کے چہرے پر مرکوز تھیں جو بدستور مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہاں! میں کندن ہوں۔ لیکن تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو؟" کندن نے کہا۔

زریاب جواب دینے کی بجائے کندن کے چہرے کو گھورتی رہی۔ پھر اس نے ٹیلے پر کھنڈروں کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں رینگتی ہوئیں رزمق کے چہرے تک گئیں۔ زریاب نے اس سے سوال کیا۔ "..... تت..... تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"آقازادی کے حکم پر۔" رزمق نے کندن کی طرف اشارہ کیا۔ "حویلی میں تمہاری زندگی خطرے میں تھی۔ آقازادی کا حکم تھا کہ تمہیں ہر قیمت پر حویلی سے نکال لیا جائے۔"

"آقازادی؟" زریاب الجھی ہوئی نگاہوں سے کندن کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہیں شاید اب تک یقین نہیں آیا۔" کندن کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ "میں بھی تمہاری اور رزمق کی طرح گوشت پوست کی انسان ہوں۔ لو..... مجھے چھو کر دیکھو....." اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھادیا۔

زریاب کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ اس نے رزمق کی طرف دیکھا اور پھر کندن کے چہرے پر نظریں جماویں اور اس کے ہاتھ کو چھونے کی بجائے ایک سوال کر ڈالا۔

"دس سال پہلے کیا ہوا تھا؟"

"اوہ!" کندن چونک گئی۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ "دس سال پہلے....." وہ خاموش ہوکر زریاب کی طرف دیکھنے لگی۔ "تمہیں کیا معلوم ہے؟"

"دس سال پہلے تم نے رکھیل شاہ سے اپنی جان بچانے کے لئے حویلی کی فصیل سے چھلانگ لگادی تھی۔ تمہاری لاش شاید جنگلی جانور گھسیٹ کر لے گئے تھے جس کا کوئی سراغ

نہیں مل سکا۔"

"اوہ! تم بہت کچھ جان چکی ہو۔" کندن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ باتیں یہاں کھڑے رہ کر نہیں ہوسکتیں۔ آؤ..... اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" وہ رزمق کی طرف گھوم گئی۔ "سدو کہاں ہے؟"

"وہ ہم سے بچھڑ گیا آقازادی!" رزمق نے جواب دیا۔ "میری آنکھوں کے سامنے خامس کے خونخوار کتوں نے اسے چیر پھاڑ ڈالا اور میں اس کی کوئی مدد نہ کرسکا۔"

"اوہ بیچارہ۔" کندن کے منہ سے نکلا۔ "ٹھیک ہے! تم جاؤ۔ میں بھی زریاب کو لے کر آرہی ہوں۔"

رزمق گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اس نے زریاب کی طرف دیکھا اور گھوڑے کو ہلکی سی ایڑھ لگادی۔ گھوڑے کا رخ کھنڈرات والے ٹیلے کے دائیں طرف تھا۔ وہ کچھ دیر تک رزمق کو دیکھتی رہی پھر کھنڈروں کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ کسی بہت ہی شاندار عمارت کے کھنڈر تھے کچھ دیواریں اور ستون اب بھی اپنی جگہ پر قائم تھے۔ ان ستونوں کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں جو بھی عمارت تھی اس کا طرز تعمیر یونانی تھا۔

"چلو زریاب۔" کندن کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔ "زیادہ دیر یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔"

زریاب نے کندن کی طرف دیکھا۔ کندن مسکراتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ زریاب نے چند لمحے توقف کیا اور پھر وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔ وہ دونوں آگے پیچھے ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چل رہی تھیں۔ زریاب کا خیال تھا کہ کندن بھی اسی طرف جائے گی جس طرف رزمق گیا تھا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ اس کا رخ کھنڈر والے ٹیلے کی طرف تھا۔ زریاب خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ بالآخر وہ کھنڈروں میں پہنچ گئیں۔ زریاب چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ چمکتی دھوپ میں کھنڈر تپ رہے تھے۔ یہ عمارت سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی۔ چاروں طرف سرخ پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ شکستہ دیواریں اور بلند و بالا ستون چمکتی ہوئی دھوپ میں عجیب پراسرار سا تاثر دے رہے تھے۔ کندن ان کھنڈروں میں اس طرح چل رہی تھی جیسے ان کھنڈروں میں یہ تمام راستے اس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے دیکھے بھالے ہوں۔ وہ زریاب سے چند قدم آگے تھی۔ تیز ہوا سے اس کا سفید لبادہ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ میں چادر اور دوسرے ہاتھ میں لبادہ سنبھال رکھا تھا اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی جیسے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہتی ہو کہ زریاب اس کے پیچھے آ رہی تھی یا نہیں۔

زریاب کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی قدیم شہر کی تنگ سی گلیوں میں گھوم رہی ہو۔ ایک جگہ وہ رک گئی۔ بکھرے ہوئے پتھروں میں ایک جگہ کسی جانور کا ایک مجسمہ بھی پڑا تھا۔ مجسمہ ٹوٹا ہوا تھا اس کا سر بھی غائب تھا لیکن اس مجسمے کی ساخت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ شیر کا مجسمہ تھا۔ شیر! جسے طاقت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ عمارت بھی شاید اس علاقے میں طاقت کی علامت سمجھی جاتی ہو گی لیکن..... وقت کے بے رحم ہاتھوں نے اسے ملیامیٹ کر دیا تھا۔

"آؤ زریاب! رک کیوں گئیں؟"

کندن کی آواز سن کر زریاب چونک گئی اور راستے میں بکھرے ہوئے پتھروں سے بچتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ ان کھنڈروں میں کئی چکر کاٹنے کے بعد کندن ایک جگہ رک گئی۔ اس سے چند گز آگے ایک مینار سا نظر آ رہا تھا۔ تقریباً تیس فٹ بلند اس مینار کی دیواروں پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن حوادث زمانہ نے ان نقش و نگار کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ لیکن زریاب کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ اس مینار میں داخلہ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس نے مینار کے چاروں طرف گھوم کر دیکھ لیا۔ اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آئی تھی جس سے اس مینار میں داخل ہوا جا سکتا ہو۔ یہ گول مینار کہیں سے ٹوٹا ہوا بھی نہیں تھا۔ اس کی دیواریں اوپر تک سلامت تھیں۔ مینار کا اوپر والا حصہ اس طرح تھا جیسے کوئی ہیٹ اوندھا رکھا ہو۔ وہ دوبارہ کندن کے قریب آ گئی جو اسی جگہ پر کھڑی اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"تم مجھے ان کھنڈروں میں کیوں لے کر آئی ہو؟" زریاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حویلی سے تمہارے فرار کے بعد گوپانگ اور خامس چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ وہ تمہاری تلاش میں آس پاس کی بستیوں کو بھی کھنگال کر رکھ دیں گے اور اس طرف بھی

ضرور آئیں گے۔ یہ کھنڈرات ہمارے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ ثابت ہوں گے۔ یہاں وہ ہمارا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔" کندن نے جواب دیا۔

"محفوظ پناہ گاہ!" زریاب نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے چاروں طرف دیکھا۔ "تم سمجھتی ہو کہ یہ کھنڈرات ہمیں پناہ دے سکیں گے؟"

"ہاں!" کندن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جس طرح صدیوں پہلے یہ عمارت اپنے مکینوں کے لئے محفوظ ترین پناہ گاہ تھی اسی طرح آج یہ کھنڈر بھی ہمیں پناہ دیں گے۔"

زریاب بدستور الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کندن نے ایک بار پھر مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک شکستہ دیوار کے قریب بیٹھ گئی۔ دیوار میں زمین کی سطح سے تقریباً ایک فٹ اوپر ایک پتھر نکلا ہوا تھا جس سے دیوار میں ایک خلا سا بن گیا تھا۔ کندن نے اس خلا میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی جسے زریاب نہیں دیکھ سکی تھی۔ وہ سیدھی ہو کر دائیں طرف مڑنا ہی چاہتی تھی کہ بہت دور دھول کے بادل اٹھتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

"شاید وہ لوگ تمہاری تلاش میں اس طرف آ رہے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔" کندن نے کہا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔

زریاب بھی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چل رہی تھی۔ پتھروں سے ٹھوکر کھا کر وہ کئی مرتبہ گرتے گرتے بچی تھی۔ کندن ایک جگہ رک گئی۔ وہاں ایک دیوار کے نیچے کھڈ سا نظر آ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی جانور نے پنجوں سے زمین کھود کر اس شکستہ دیوار کے نیچے اپنا ٹھکانہ بنا رکھا ہو۔ وہ کھڈ اتنا کشادہ تھا کہ ایک آدمی سینے کے بل رینگ کر آسانی سے اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ کندن بڑی پھرتی سے زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے پیر اندر داخل کئے اور پھر پشت کے بل رینگتی ہوئی اس کھڈ میں داخل ہو گئی۔

"جلدی کرو زریاب! اگر ان لوگوں نے ہماری جھلک بھی دیکھ لی تو پورے کھڈ کو کھود کر رکھ دیں گے۔" کھڈ کے اندر سے کندن کی آواز سنائی دی۔

زریاب نے گردن گھما کر دائیں طرف دیکھا۔ بہت دور گرد و غبار کا بادل سا اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک یا دو گھڑ سوار تھے جو اسی طرف آ رہے تھے۔ فاصلہ بہت زیادہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہونے کی وجہ سے وہ ان گھڑ سواروں کو نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن اڑتی ہوئی دھول سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کا رخ اسی طرف تھا۔

کندن نے اسے دوبارہ اندر آنے کے لئے کہا۔ زریاب کا دل چاہا کہ یہاں سے بھاگ جائے۔ لیکن..... اگر وہ لوگ اس طرف آ رہے تھے تو وہ جلد ہی اسے پکڑ لیں گے اور زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ حویلی سے نکلنا نہیں چاہتی تھی مگر رزمق اور اس کے ساتھی اسے بے ہوش کر کے اٹھا لائے تھے۔ خامس اس کے ہاتھوں پٹا بھی تھا۔ وہ اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اب اس کی بھلائی اسی میں تھی کہ کندن کے کہنے پر عمل کرے۔

"کیا سوچ رہی ہو زریاب؟ جلدی کرو!"

کندن کی آواز پھر سنائی دی۔ زریاب جیسے ہوش میں آ گئی۔ کندن کے مشورے پر عمل کرنے میں ہی بھلائی تھی۔ اس وقت اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے ایک بار پھر اڑتی ہوئی دھول کی طرف دیکھا اور زمین پر بیٹھ گئی۔ پھر جس طرح کندن کھڈ میں داخل ہوئی تھی اسی طرح زریاب بھی اندر چلی گئی۔

یہ ایک تنگ سی سرنگ تھی جس میں صرف رینگ کر ہی آگے بڑھا جا سکتا تھا۔ کندن نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ زریاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کندن نے مینار کے قریب دیوار کی خلا سے جو چیز اٹھائی تھی وہ ٹارچ ہی تھی۔

تین چار گز کے بعد یہ سرنگ دائیں طرف مڑ گئی اور پھر بائیں طرف۔ وہ دونوں آگے پیچھے رینگتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں۔ تقریباً پندرہ گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد زریاب اچانک ہی کشادہ جگہ پر نکل آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تنگ سی سرنگ ایک کھڑکی کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے دائیں طرف ایک بہت بڑا پتھر پڑا ہوا تھا۔ کندن نے ٹارچ زمین پر رکھ دی۔

"اس پتھر کو دھکیلنے میں میری مدد کرو۔" وہ زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

زریاب اس کے قریب پہنچ گئی اور دونوں پتھر کو دھکیلنے لگیں۔ پتھر سرکتا ہوا سرنگ کے کھڑکی نما دہانے پر اس طرح فٹ ہو گیا جیسے اسی جگہ سے نکالا گیا ہو۔ کندن نے ٹارچ اٹھالی اور وہ دونوں کشادہ سرنگ میں چلنے لگیں۔ بل کھاتی ہوئی سرنگ ایک جگہ ختم ہو گئی۔ آگے ایک بہت بڑا ہال تھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ستونوں نے چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔

اس ہال کے دوسری طرف ایک کشادہ راہداری میں مشعلیں جل رہی تھیں۔ ہال اگرچہ پوری طرح روشن نہیں تھا لیکن تاریکی بہر حال کم ہو گئی تھی۔

زریاب کا دل ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ وہ عجیب طاغوتی چکر میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنے خاندان کی تاریخ پر ریسرچ کرنے نکلی تھی اور پراسرار حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورتحال سے نجات کیسے حاصل کرے گی۔

راہداری کے اختتام پر ایک اور چھوٹا سا ہال تھا جس کے چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس ہال میں بھی کئی مشعلیں روشن تھیں اور روشنی بہر حال اتنی مناسب تھی کہ چند قدم دور کھڑے ہوئے شخص کا چہرہ بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ ایک بات زریاب نے خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ ان سرنگوں یا تہہ خانے میں کسی قسم کی گھٹن نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے تازہ ہوا کی آمد و رفت کا کوئی موثر نظام موجود ہو۔

اس ہال کے عین وسط میں ایک بہت بڑے ستون نے چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ ہال میں مختلف جگہوں پر ایسے پتھر بھی پڑے تھے جنہیں سیٹوں کے طور پر تراشا گیا تھا۔ زریاب وہاں کھڑی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پھر دفعتاً دائیں طرف ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور رزمق کمرے سے نکل کر ہال میں آ گیا۔ رزمق کو دیکھ کر زریاب اچھل پڑی۔ وہ تو گھوڑے پر سوار ہو کر ٹیلے کے دائیں طرف چلا گیا تھا۔ وہ ان سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گیا اور پھر وہ گھوڑا؟ زریاب یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ کندن کی آواز سن کر چونک گئی۔

"تم شاید یہ سوچ رہی ہو کہ رزمق ہم سے پہلے یہاں کیسے پہنچ گیا۔" کندن کہہ رہی تھی۔ "کھنڈر کے نیچے اس تہہ خانے میں آنے کا ایک اور راستہ بھی ہے۔ یہ تہہ خانہ دراصل رزمق ہی کی دریافت ہے۔ اس راز سے صرف ہم چند لوگ واقف ہیں کہ ان کھنڈروں کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ کو شاید ان قدیم کھنڈروں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اسی لئے اس طرف کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ ہو سکتا ہے کبھی اس طرف توجہ دی جائے اور تحقیقات کے دوران اگر کبھی کھدائی کی گئی تو شاید اس تہہ خانے کا راز کھل جائے۔"

"تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو؟" زریاب نے کندن کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ سوال کتنی مرتبہ پوچھو گی؟" کندن مسکرا دی۔ وہ مزید کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ ایک اور کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی ان کی طرف آنے لگی۔

زریاب عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی چال سے یوں لگتا تھا جیسے قدم زمین پر رکھنے کی بجائے ہوا میں تیر رہی ہو۔

زریاب کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہونے لگی۔ لڑکی کی عمر سولہ سترہ سال کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ بے حد حسین تھی۔ زریاب کو دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ ایسی حسین لڑکی اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے انمریں ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ تھی۔

"یہ خوشنما ہے!" کندن نے گویا اس کا تعارف کرایا۔ "رزمق کی چھوٹی بہن۔ یہ دونوں بڑا چاہتے ہیں ایک دوسرے کو۔ یوں کہہ لو کہ یہ ایک دوسرے کے لئے جیتے مرتے ہیں۔ اور خوشنما!" وہ لڑکی کی طرف گھوم گئی۔ "یہ زریاب ہے۔ اس کا غائبانہ تعارف میں تم سے پہلے بھی کرا چکی ہوں۔"

خوشنما نے آگے بڑھ کر زریاب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ زریاب ایک لمحہ کو ہچکچائی پھر اس نے بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ خوشنما کا ہاتھ روئی کے گالے کی طرح نرم تھا۔ زریاب سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دائیں رخسار میں ایک چھوٹا سا گڑھا پڑ گیا تھا۔ وہ واقعی خوشنما تھی۔ رخسار پر گڑھے نے اس کے حسن میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

"آیئے!" خوشنما نے باری باری دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رزمق بھیا نے بتایا کہ آپ لوگ آ رہی ہیں تو میں نے ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند منٹ لگیں گے۔"

کندن، زریاب کو لے کر ایک کمرے میں آ گئی۔ کمرے کے وسط میں میز کی طرح کا ایک بہت بڑا مستطیل پتھر پڑا ہوا تھا۔ اس کی اوپر کی سطح بے حد چکنی تھی۔ اس کے اطراف میں سیٹوں کی طرح تراشے ہوئے پتھر رکھے ہوئے تھے۔ پتھر کی اس میز کے گرد بیک وقت دس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ چار ایک طرف چار دوسری طرف اور ایک ایک چوڑائی

کے رخ پر آمنے سامنے۔ زریاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ صدیوں پہلے بھی یہ پتھر ڈائننگ ٹیبل کے طور پر استعمال ہوتا رہا تھا۔

زریاب اور کندن میز کی لمبائی کے رخ پر آمنے سامنے بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر بعد رزمق نے میز پر پانی کا جگ، گلاس اور پلیٹیں سجا دیں۔ زریاب کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اس نے ایک گلاس میں پانی انڈیلا اور گلاس کو ہونٹوں سے لگا کر غٹا غٹ پانی پینے لگی۔

پانی پیتے ہوئے زریاب کی نظریں کندن کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ بھی ایک گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔ پھر اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ زریاب کا گلاس بھی ہونٹوں سے لگا ہوا تھا لیکن اب وہ پانی نہیں پی رہی تھی۔ وہ گلاس ہٹائے بغیر عجیب سی نظروں سے کندن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ روحوں کو کھانے پینے کی احتیاج نہیں ہوتی۔

کندن نے گلاس ہونٹوں سے ہٹا کر میز پر رکھ دیا۔ زریاب نے گلاس کی طرف دیکھا۔ وہ خالی تھا۔ اس نے بھی گلاس میز پر رکھ دیا اور کندن کی طرف دیکھنے لگی۔ کندن کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ زریاب سوچ رہی تھی کہ کیا کندن واقعی زندہ اور گوشت پوست کی عورت تھی؟ لیکن جاگیر دار نمران نے بتایا تھا کہ اس کی بیٹی کندن دس سال پہلے مر گئی تھی۔ مرے ہوئے انسان زندہ نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ کندن کی روح نہیں تھی تو کون تھی؟ اس کی جڑواں بہن یا کوئی اور ہم شکل؟ لیکن وہ کندن کی بہن نہیں ہو سکتی تھی۔ نمران نے بتایا تھا کہ کندن اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ یہ کوئی اور تھی جو اس کی ہم شکل تھی۔

"لو..... میرا ہاتھ تھام کر دیکھو، تمہارے سارے خدشات دور ہو جائیں گے۔" کندن نے مسکراتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ لگتا تھا جیسے اس نے زریاب کے خیالات پڑھ لئے ہوں۔

زریاب مخروطی انگلیوں والے اس خوبصورت ہاتھ کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ پھر وہ اپنا سیدھا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ اندیشہ ہوا کہ اگر اس نے کندن کے ہاتھ کو چھو لیا تو کیا ہو گا؟ کندن نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ کچھ اور آگے بڑھا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

دیا۔ زریاب کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر پہلے اس نے کندن کی ایک انگلی کو چھوا۔ اس نے لمس محسوس کیا تھا۔ اور پھر اس نے کندن کا پورا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

"شکر ہے! تمہاری ایک غلط فہمی تو دور ہوئی۔" کندن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی وقت خوشنما اور رزمق ناشتہ لے کر آ گئے۔ وہ خود بھی آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ناشتہ دیکھ کر زریاب کی بھوک چمک اٹھی تھی۔ ناشتہ کے دوران زیادہ تر خاموشی ہی رہی۔ ناشتے کے بعد خوشنما اور رزمق برتن اٹھا کر لے گئے تو کندن بھی زریاب کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ وہ دونوں ایک اور کمرے میں آ گئیں۔ کمرے کے فرش پر سرخ رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ دو نین فرشی کشن بھی پڑے ہوئے تھے۔ کندن ایک کشن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"بیٹھو!" اس نے زریاب کو اشارہ کیا۔

"دس سال پہلے کیا ہوا تھا؟" زریاب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے فصیل سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اتنی بلندی سے چھلانگ لگانے کے بعد کسی کا زندہ بچنا ممکن نہیں۔"

"مجھے مردہ تصور کر لیا گیا تھا۔" کندن نے کہا۔ "اب بھی بہت سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں مر گئی تھی اور میری لاش جنگلی جانور گھسیٹ کر کہیں لے گئے تھے۔ لیکن حقیقت کچھ اور تھی۔ مگر تمہیں کس نے بتایا؟"

"جاگیردار نمران نے۔" زریاب نے جواب دیا۔

"بابا نے؟" کندن کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ "تم ملی تھیں بابا سے؟ کیسے ہیں وہ؟"

"چند روز پہلے وہ رات کے پچھلے پہر میرے کمرے میں آ گئے تھے۔" زریاب نے جواب دیا۔ "اس کمرے میں کوئی خفیہ راستہ ہے۔ تفصیل سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ خامس کو پتہ چل گیا تھا کہ میرے کمرے میں کوئی موجود ہے۔ انہیں بڑی عجلت میں وہاں سے جانا پڑا۔ وہ رکھیل شاہ کی قید میں ہیں اور گوپانگ اور خامس ان کی نگرانی کے لئے موجود رہتے ہیں۔"

"بابا کیسے ہیں؟" کندن نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"بیمار ہیں۔" زریاب نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر انہیں اس قید سے نجات دلا دی جائے تو ان کی بیماری چند ہی روز میں دور ہو جائے گی۔"

"میں ان کی تلاش میں ہوں۔" کندن نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے ان تک پہنچنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ اس حویلی کے نیچے تم سرنگوں کا جال دیکھ چکی ہو۔ بڑے خفیہ اور پراسرار راستے ہیں۔ کچھ راستے مسمار ہو چکے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں چل رہا کہ بابا کو کہاں رکھا گیا ہے۔ کاش میں ان تک پہنچ سکوں۔"

"تمہارے بابا کے کہنے کے مطابق حویلی سے نکلنے کے لئے چار خفیہ راستے ہیں جن میں سے ایک مسمار ہو چکا ہے۔ شاید اس کی سرنگ بیٹھ گئی ہے۔ ایک راستہ اسی کمرے سے ہے جہاں مجھے رکھا گیا تھا۔ اور ایک کچن میں کسی جگہ۔ مجھے امید تھی کہ تمہارے بابا ایک دو دن بعد پھر مجھ سے رابطہ کریں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ گوپانگ وغیرہ کو پتہ چل گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے ان کی نگرانی سخت کر دی گئی ہو۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے وہاں سے کیوں نکال لیا؟"

"تمہاری جان خطرے میں تھی۔" کندن نے جواب دیا۔ "رکھیل شاہ کا خیال ہے کہ تم بابا کی کوئی قریبی رشتے دار ہو اور بابا نے تمہیں جاگیر کی وراثت کے سلسلے میں بلایا ہے۔ رکھیل شاہ تمہیں قتل کروا دینا چاہتا تھا۔ اگر تم ایک دو دن اور وہاں رہ جاتیں تو وہ لوگ تمہیں قتل کر کے لاش کسی زیرِ زمین سرنگ میں پھینک دیتے اور دنیا والوں کو پتہ بھی نہ چلتا۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" زریاب نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"درویش پور میں رکھیل شاہ کے دفتر میں ایک ہمدرد موجود ہے۔ یہ اطلاع مجھے اسی نے دی تھی۔" کندن نے جواب دیا۔

"تم واقعی کندن ہو یا اس کی ہم شکل؟" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

کندن نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں کندن ہوں۔ دس سال پہلے رکھیل شاہ نے جاگیر پر قبضہ جمانے کے لئے ایک خوفناک منصوبہ بنایا تھا۔ اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ مجھ سے شادی کر لے۔ میں بابا کی اکلوتی اولاد ہوں۔ کوئی بہن بھائی نہیں۔ قانونی طور پر جاگیر کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وارث ہوں۔ مجھ سے شادی کر کے رکھیل شاہ جاگیر پر قابض ہو سکتا تھا۔ اس نے بابا سے میرے رشتے کی بات کی مگر بابا نے صاف انکار کر دیا۔ بابا سے مایوس ہو کر اس نے مجھ پر ڈورے ڈالنا شروع کر دیئے۔ ایک روز میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ اس وقت تو رکھیل شاہ نے برداشت کر لیا لیکن وہ انتقام کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔

ان دونوں حویلی میں کچھ چہل پہل ہوا کرتی تھی۔ خاصلے نوکر چاکر تھے۔ شہر سے مہمانوں کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔ جاگیر کا سارا حساب کتاب رکھیل شاہ کے ہاتھ میں تھا۔ بابا تو بس گھوم پھر کر ہی وقت گزار دیا کرتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے بابا کو پتہ چل گیا کہ رکھیل شاہ لاکھوں روپے غبن کر چکا ہے۔ بابا نرم مزاج ہیں۔ انہوں نے رکھیل شاہ کو صرف وارننگ دینے پر ہی اکتفا کیا۔ یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اگر وہ کوئی سخت قدم اٹھاتے تو آج یہ صورتحال نہ ہوتی۔ رکھیل شاہ بڑا کینہ پرور آدمی ہے۔ وہ اندر ہی اندر انتقام کی آگ میں سلگتا رہا اور پھر ایک رات.....“

کنول چند لمحوں کو خاموش ہوئی، پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ”بابا شہر گئے ہوئے تھے۔ میں اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ کھٹکے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ رکھیل شاہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر میں بدحواس سی ہو گئی۔ رکھیل شاہ نے مجھ پر دست درازی کی کوشش کی مگر میں بھاگ کر کمرے سے باہر آ گئی اور دوڑتی ہوئی حویلی کی فصیل پر آ گئی۔ حویلی کے بعض نوکر میری چیخوں کی آواز سن کر جاگ گئے۔ اس روز شہر سے کچھ مہمان بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی جاگ گئے۔ رکھیل شاہ میرے پیچھے فصیل پر پہنچ گیا۔ اس پر انتقام کا بھوت سوار تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچتا، میں نے فصیل سے چھلانگ لگا دی۔

میں درختوں کی شاخوں میں الجھتی ہوئی نیچے گری۔ مرنے سے بچ گئی تھی لیکن کچھ چوٹیں آئی تھیں۔ میں خوف و دہشت سے بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آنے پر میں نے اپنے آپ کو حویلی سے کئی میل دور کسانوں کی چھوٹی سی بستی کے ایک مکان میں پایا۔ دراصل رزمق کا باپ میرے چھلانگ لگانے کے تھوڑی ہی دیر بعد دوڑتا ہوا حویلی سے باہر آ گیا تھا۔ اس نے مجھے تلاش کر لیا اور بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر اس بستی میں لے آیا تھا۔

بعد کی باتیں مجھے وقتاً فوقتاً رزمق کے والد تمریز سے معلوم ہوتی رہیں۔ بابا کو جب

صورتحال کا پتہ چلا تو انہوں نے رکھیل شاہ کو جاگیر کی ملازمت سے نکال دیا۔ رکھیل شاہ بظاہر حویلی سے چلا گیا تھا لیکن گوپانگ اور خامس جیسے اس کے گرگے حویلی میں موجود تھے۔ وہ رکھیل شاہ کو ایک ایک لمحہ کی صورتحال سے باخبر رکھے ہوئے تھے۔

بابا اور حویلی کے دوسرے لوگ یہی سمجھے کہ میں فصیل سے چھلانگ لگانے کے بعد ہلاک ہو گئی تھی اور جنگلی جانور میری لاش کو گھسیٹ کر لے گئے تھے۔ تمریز نے میرے بارے میں کسی کو نہیں بتایا کہ میں زندہ ہوں۔ اس نے بابا کو بھی اس راز سے آگاہ نہیں کیا۔ بابا ان دنوں رکھیل شاہ کی وجہ سے شدید ذہنی دباؤ میں تھے۔ رکھیل شاہ نے گوپانگ اور خامس کے ذریعے بابا کو اپنی سازشوں کے جال میں پھنسا رکھا تھا۔ حویلی میں چند ملازم بابا کے وفادار بھی تھے۔ رکھیل شاہ اپنے گرگوں کے ذریعے ایک ایک کر کے انہیں ختم کرواتا رہا۔ تمریز اپنے بیٹے رزمق اور بیٹی خوشنما کو حویلی سے نکال کر کسانوں کی اس بستی میں منتقل ہو گیا تھا جہاں میں تھی۔ بابا عملی طور پر ان کے قیدی بن کر رہ گئے تھے۔ وہ چاروں طرف سے سازشوں میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ جہاں بھی جاتے گوپانگ اور خامس سائے کی طرح ان کے ساتھ لگے رہتے۔ وہ بابا کو کسی سے تنہائی میں ملنے یا بات کرنے کا موقع نہ دیتے۔ حویلی میں تمریز ایسا واحد آدمی رہ گیا تھا جو بابا کا وفادار تھا۔ لیکن وہ بھی بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اور پھر ایک روز رکھیل شاہ نے اسے بھی قتل کروا دیا۔

رزمق، مجھے اور اپنی چھوٹی بہن خوشنما کو لے کر کسانوں کی اس بستی سے نکل گیا۔ خوشنما اس وقت چھ سات سال کی تھی۔ رکھیل شاہ کو میرے بارے میں تو علم نہیں تھا لیکن اس کے آدمی رزمق کی تلاش میں تھے۔ رزمق اس وقت گھبرو جوان تھا لیکن وہ اکیلا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے اور خوشنما کو ان انسانی بھیڑیوں سے بچانا چاہتا تھا۔ وہ مجھے اور خوشنما کو لے کر اس ملک سے ہی نکل گیا۔

رزمق نے وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ ان دس برسوں کے دوران اس نے بہت سختیاں برداشت کیں۔ بڑے دکھ اٹھائے لیکن مجھے اور خوشنما کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہونے دی۔

ہم دونوں نے تعلیم پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ رزمق نے ہماری ہر خواہش پوری کی۔ اس نے ہم دونوں کو کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ ہمارے باپ نہیں ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے رزمق ہمیں لے کر وطن واپس آ گیا۔ ہمیں اس نے کولاچی میں چھوڑا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اور خود صورتحال معلوم کرنے کے لئے درویش پور آ گیا۔ دفتر میں ایک ایسے آدمی سے رابطہ قائم ہو گیا جو اب بھی بابا کا وفادار تھا۔ اس نے بتایا کہ بابا سخت بیمار ہیں اور رکھیل شاہ کی قید میں ہیں۔ رکھیل شاہ نے بابا کو حویلی میں قید کر کے جاگیر کے نظام پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے حویلی کے تمام نوکروں کو نکال دیا۔ جن پر کسی قسم کا شبہ تھا انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حویلی پر قبضہ کرنے کے لئے اس نے بڑے لمبے چوڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔

رزمق نے ان کھنڈروں میں یہ تہہ خانہ دریافت کر لیا۔ یہاں سے تقریباً ایک میل دور کسانوں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن ہم نے کبھی اس بستی کا رخ نہیں کیا۔ رزمق نے ضرورت کا ہر سامان یہاں جمع کر رکھا ہے۔ ہم کبھی کبھی شہر سے آ کر یہاں پڑاؤ ڈال لیتے ہیں اور یہیں سے ایک طویل فاصلہ طے کر کے میں حویلی میں داخل ہو کر بابا کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ مجھے حویلی کے تمام خفیہ راستوں کا پوری طرح علم نہیں ہے۔ جو راستے معلوم ہیں ان کے ذریعے بابا کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہو سکی۔

پھر درویش پور کے دفتر میں بابا کے وفادار اسی آدمی سے تمہارے بارے میں پتہ چلا۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ بابا نے تمہارے نام خط ڈاکٹر کے ذریعے پوسٹ کروایا تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر کو بھی درویش پور میں اس طرح قتل کروا دیا کہ اس کی موت کو ایک حادثہ ہی سمجھا گیا۔ ہمارے آدمی کے بیان کے مطابق رکھیل شاہ کو شبہ ہے کہ تم بابا کی کوئی عزیزہ اور بابا نے تمہیں جاگیر کی وراثت کے لئے بلایا ہے۔ کل ہی اطلاع ملی تھی کہ رکھیل شاہ نے تمہیں بھی راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ ایک دو دن کے اندر اندر تمہیں قتل کر دیتے۔ اس لئے میں نے تمہیں حویلی سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ رزمق اور سدو تمہیں وہاں سے نکالنے کے لئے گئے تھے۔ سدو بیچارہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بہت اچھا آدمی تھا وہ۔ مجھے اس کی موت کا بہت افسوس ہوا ہے۔"

"کیا تم لوگوں نے مجھے حویلی سے نکال کر غلطی نہیں کی؟" زریاب نے کندن کے خاموش ہونے پر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بابا سے میرا ایک ملاقات ہو چکی تھی۔ میں حویلی میں ہی رہ کر ان کی مدد کر سکتی تھی۔"

"لیکن تمہاری جان کو خطرہ تھا۔" کندن نے جواب دیا۔ "ہم یہاں رہ کر بھی بابا کی [illegible]

کر سکتے ہیں۔ ویسے بابا سے تم نے کس کمرے میں ملاقات کی تھی؟"

زریاب چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اسے سمجھانے لگی کہ وہ کون سا کمرہ تھا جہاں نمران نے اس سے ملاقات کی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" کندن نے کہا۔ "ایک دو دن تک حویلی کا رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا۔ گوپانگ اور خامس کی بھاگ دوڑ ختم ہو جائے تو ہم حویلی میں داخل ہو کر بابا تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"تمہارے بابا نے بتایا تھا کہ ان کے پاس اس خاندان کے بارے میں کچھ قدیم دستاویزات موجود ہیں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ جانتی ہو؟" زریاب نے پوچھا۔

"بابا بھی چاہتے تھے کہ اس خاندان کی تاریخ مرتب کی جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کچھ عرصہ کام بھی کیا تھا۔ لیکن پھر رکھیل شاہ کی سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور وہ کام ادھورا رہ گیا۔ ان کے پاس یقیناً ایسی دستاویزات ہوں گی جو وہ تمہارے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔" کندن نے جواب دیا۔

زریاب کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ رزمق کمرے میں داخل ہوا اور کندن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ کھنڈر میں پہنچ چکے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے وہ کسانوں کی بستی کی طرف گئے تھے۔"

"تم بھی آؤ میرے ساتھ۔" کندن، زریاب کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ کمرے سے نکل کر بڑے ہال میں سے ہوتے ہوئے سرنگوں میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک تنگ سی جگہ پر اوپر کی طرف گول سیڑھیاں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی گہرے کنوئیں میں ہوں۔ رزمق نے ٹارچ کی روشنی سے اشارہ کیا۔ کندن سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اس کے پیچھے زریاب تھی اور سب سے آخر میں رزمق۔ جو ہاتھ ایک طرف کو نکالے انہیں ٹارچ سے روشنی دکھا رہا تھا۔

سیڑھیاں دیوار کے ساتھ ساتھ گولائی میں بنی ہوئی تھیں۔ آخری سیڑھی پر زریاب، کندن کے قریب رک گئی۔ اوپر آتے ہوئے زریاب نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ سیڑھیوں کے ساتھ کہیں کہیں دیوار میں سوراخ تھے۔ جو سوراخ سورج کے رخ پر تھے [illegible]

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ہونٹوں پر انگلی رکھی اور پھر ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

زریاب اس سوراخ سے باہر جھانکنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ تقریباً بیس گز دور کھنڈروں میں گوپانگ گھوڑے پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں شاٹ گن سنبھال رکھی تھی۔ آس پاس کا منظر دیکھ کر زریاب کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جس کنویں کے اندر گول سیڑھیوں پر وہ کھڑی تھی وہ دراصل وہی مینار تھا جسے وہ باہر سے بھی دیکھ چکی تھی اور باہر سے اسے مینار میں داخلے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا تھا۔ یہ ایک طرح کا واچ ٹاور تھا۔ جس زمانے میں یہ عمارت آباد ہوگی اس وقت اس واچ ٹاور کے ذریعے آس پاس نگاہ رکھی جاتی ہوگی۔

زریاب نے مڑ کر کندن کی طرف دیکھا۔ وہ ایک اور سوراخ سے جھانک رہی تھی۔ گھوڑے کے قدموں کی آوازیں سن کر زریاب نے پھر سوراخ سے آنکھ لگادی۔ اس مرتبہ باہر کا منظر دیکھ کر اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ خامس ایک سیاہ گھوڑے پر سوار ایک شکستہ دیوار کی آڑ سے نکل کر سامنے آرہا تھا۔ اس کے بھی ایک ہاتھ میں شاٹ گن تھی۔ سب سے خوفناک منظر یہ تھا کہ گھوڑے کے پیچھے تقریباً دس قدم کے فاصلے پر ایک ادھیڑ عمر آدمی زمین پر گرا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ رسی میں بندھے ہوئے تھے اور رسی کا دوسرا سرا گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا تھا۔

وہ کوئی کسان تھا۔ آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے۔ عمر پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ میلی سی شلوار اور پھٹی ہوئی قمیص۔ اس کی پیشانی اور چہرہ خون آلود تھا۔ دونوں کہنیاں بھی خون آلود تھیں۔ اور دونوں گھٹنوں کے قریب شلوار پر بھی خون کے دھبے صاف نظر آرہے تھے۔

خامس گوپانگ کے قریب آکر رک گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتے رہے۔ پھر خامس نے شاٹ گن کا رُخ اوپر کی طرف کر کے ٹرائیگر دبادیا۔ ویرانہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ ویرانے میں دیر تک بازگشت سنائی دیتی رہی۔ گوپانگ نے خامس کو اشارہ کیا اور گھوڑے کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دے کر ڈھیلا چھوڑ دیا۔ گھوڑا اشارہ پا کر حرکت میں آگیا۔ گھوڑے کے پیچھے بندھا ہوا آدمی اٹھ کر گھوڑے کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ

شکستہ دیواروں کے پیچھے نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔

"یہ..... یہ کون تھا؟" زریاب نے کندن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی سی جھلک آئی تھی۔

"یہاں سے تقریباً ایک میل کی دوری پر واقع کسانوں کی بستی کا چوہدری حرمت علی۔" کندن کی بجائے رزمق نے جواب دیا۔

"یہ لوگ انسان نہیں واقعی درندے ہیں۔" زریاب بڑبڑائی۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن کیا وہ اس تہہ خانے کے بارے میں جانتا ہے؟"

"نہیں۔" اس مرتبہ بھی رزمق نے ہی جواب دیا۔ "بستی کے کسی باسی کو اس تہہ خانے کا علم نہیں ہے۔ لیکن وہ چوہدری حرمت کو گھوڑے کے پیچھے باندھ کر لے گئے ہیں۔ وہ حویلی میں لے جا کر اس پر مزید ظلم کریں گے۔ لیکن یہ ظلم انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ انہیں خون کے ایک ایک قطرے کا حساب دینا ہوگا۔"

"یہ لوگ تمہاری تلاش میں جاگیر کا کونا کونا چھان ماریں گے۔ اب تم ان کے لئے پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہوگئی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ درویش پور سے کچھ اور آدمی منگوالیں۔" کندن نے زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ان کے بہت سے راز جان چکی ہو۔ اور غالباً پہلی ہستی ہو جو حویلی سے نکلنے میں کامیاب ہوئی ہو۔ تمہاری زندگی ان کے لئے موت ہے۔ وہ تمہیں ہر قیمت پر تلاش کر کے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ انہیں میری تلاش میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔" زریاب نے کہا۔

"کیا مطلب؟" کندن نے اسے گھورا۔ وہ اس کے لہجے سے چونک گئی تھی۔

"میں آج رات حویلی میں واپس جاؤں گی۔" زریاب نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا؟" کندن عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "یقینی سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم موت کے منہ میں چھلانگ لگانا چاہتی ہو؟"

"تم شاید بھول رہی ہو کندن! کہ تمہارا باپ بھی حویلی میں انہی درندوں کے رحم و کرم پر ہے۔" زریاب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

کندن چند لمحے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "تم حرمت

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چوہدری کی حالت دیکھ کر جذباتی ہو رہی ہو۔ چلو! آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

وہ لوگ مینار سے اتر کر دوبارہ اسی کمرے میں آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد خوشنما بھی آ گئی۔ کندن اور رزمق، زریاب کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان حالات میں حویلی کا رخ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ لیکن زریاب کا موقف یہ تھا کہ حویلی میں داخل ہونے کا یہی بہترین موقع ہے۔ خامس اور گوپانگ اکیلے ہوں گے۔ اگر ان سے سامنا ہو گیا تو ان دونوں سے نمٹا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر انہوں نے درویش پور سے مزید آدمی بلوا لئے تو پھر حویلی کا رخ کرنا خطرناک ہوگا۔

وہ دیر تک بحث کرتے رہے۔ بالآخر جب زریاب نے یہ دھمکی دی کہ اگر ان میں سے کوئی جانے کو تیار نہ ہوا تو وہ اکیلا بھی چلا جائے گا۔ تو رزمق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں..... تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"میں بھی پیچھے نہیں رہ سکتی۔" کندن نے کہا۔

اور بالآخر یہ طے ہو گیا کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ تینوں یہاں سے نکل چلیں گے اور خوشنما کو بستی میں چھوڑ دیا جائے گا۔

"کیا بستی کے لوگ قابل اعتماد ہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

"وہ آقا کے وفادار ہیں۔" رزمق نے جواب دیا۔ "جاگیر کا ہر کسان جانتا ہے کہ رکھیل شاہ جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے آقا کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ وہ بہت ظالم اور سفاک آدمی ہے۔ ان سے اناج کا ایک ایک دانہ چھین کر لے جاتا ہے۔ سال بھر چلچلاتی دھوپ میں محنت و مشقت کرنے والے یہ لوگ فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ یہ اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن انہیں یہ معلوم ہے کہ ان کا آقا زندہ ہے۔ وہ ایک امید پر جی رہے ہیں۔ وہ اپنی جان دے دیں گے مگر آقازادی کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"لیکن وہ بستی کے چوہدری ہی کو کیوں پکڑ کر لے گئے ہیں؟ کسی اور کو بھی پکڑ سکتے تھے۔" زریاب نے کہا۔

"غلطی میری تھی۔" رزمق نے کہا۔ "تم نے شاید اس گھوڑے پر توجہ نہیں دی تھی جس پر خامس سوار تھا۔ یہ وہی گھوڑا تھا جو ہم نے خامس کی پٹائی کے بعد حاصل کیا تھا۔ مجھ

سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے وہ گھوڑا حرمت چوہدری کے حوالے کر دیا تھا۔ گوپانگ اور خامس پہلے بستی میں گئے تھے۔ چوہدری کے پاس یہ گھوڑا دیکھ کر سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ ہمارے بارے میں جانتا ہے۔ انہوں نے بستی کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی ہوگی اور پھر حرمت کو پکڑ کر اس طرف آ گئے تھے۔ اگر چوہدری زندہ حویلی تک پہنچ گیا تو وہ اس سے ہمارے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"لیکن....." زریاب اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم لوگوں نے بتایا تھا کہ بستی یہاں سے تقریباً ایک میل دور ہے۔ لیکن تم ہمارے آنے سے پہلے اس تہہ خانے میں پہنچ چکے تھے۔ کیا ایک میل کا فاصلہ سیکنڈوں میں طے ہو سکتا ہے؟"

"میں اس ٹیلے کے دوسری طرف پہنچا ہی تھا کہ مجھے کھیتوں میں حرمت چوہدری مل گیا۔ میں نے گھوڑا اس کے حوالے کر دیا اور خود اس طرف آ گیا۔ میں نے اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے گھوڑے کو کہیں اور بھجوا دے۔ لیکن شاید اسے موقع نہیں مل سکا ہوگا اور اس طرح وہ ان کے قابو آ گیا۔" رزمق نے کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں خامس یہاں تک دوڑتا ہوا آیا ہوگا؟ جبکہ گوپانگ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔" زریاب نے اسے گھورا۔

"خامس واقعی کوئی بدروح ہے۔" رزمق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "فاصلے اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ گھوڑے سے زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ سکتا ہے۔"

"تو بہرحال یہ طے ہوا کہ ہم سورج غروب ہوتے ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔" زریاب نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔" رزمق نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ اس تہہ خانے میں زریاب کو وقت کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن رزمق گزرنے والے ایک ایک منٹ سے واقف تھا۔ سورج غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے وہ خوشنما کو لے کر چلا گیا۔ ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد کندن بھی زریاب کو لے کر ایک اور راستے سے باہر آ گئی۔ اس طرف ٹیلے کے سامنے نشیب میں لہلہاتے ہوئے کھیت تھے۔ وہ ٹیلے سے اتر کر کھیتوں کے کنارے پر آ گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد رزمق تین گھوڑے لے کر وہاں پہنچ گیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم گھڑ سواری کر سکتی ہو؟" رزمق نے زریاب سے پوچھا۔

"ہاں! شوقیہ طور پر گھڑ سواری سیکھی تھی۔" زریاب نے جواب دیا۔

"تو لو..... سنبھالو یہ گھوڑا۔" رزمق نے اپنے گھوڑے سے اتر کر ایک سفید گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

گھوڑے پر زین کسی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

کندن اور رزمق بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور وہ تینوں حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ زریاب سوچ رہی تھی کہ وہ واقعی جان بوجھ کر موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہی تھی۔

حویلی کے قریب پہنچنے تک انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ انہوں نے گھوڑے درختوں سے باندھ دیئے اور تاریکی ہی میں حویلی کی طرف چلنے لگے۔ خفیہ راستے کے قریب پہنچ کر رزمق نے اپنے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے ایک ٹارچ نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔ ایک ٹارچ اس کے پاس ہی تھی۔ پتھر ہٹا کر خفیہ راستے سے اندر داخل ہونے کے بعد انہوں نے اپنی اپنی ٹارچ روشن کر لی اور زیر زمین سرنگ میں چلنے لگے۔ کندن سب سے آگے تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک جگہ سرنگ سے باہر آ گئے۔ سرنگ سے باہر آنے سے پہلے انہوں نے اپنی اپنی ٹارچیں بجھا دی تھیں۔ رزمق کے دائیں ہاتھ میں ایک چاقو نظر آ رہا تھا۔

حویلی پر سناٹا تھا۔ تاریکی اور سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں دل پر خوف سا طاری کر رہی تھی۔ زریاب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"وہ کمرہ کس طرف ہے جہاں بابا سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟" کندن نے زریاب کا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

"میرے ساتھ آؤ....." زریاب کہتے ہوئے ایک طرف چلنے لگی۔ دو تین عمارتوں کے پاس سے گھوم کر وہ ایک جگہ رک گئی۔

تقریباً بیس گز دور ایک کمرے کی کھڑکی سے زرد سی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ زریاب چند لمحے اس طرف دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ "میرا خیال ہے وہ گوپانگ کا کمرہ ہے۔

اس طرف آؤ۔"

وہ ایک اور عمارت کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف آ گئے اور پھر کتوں کی غراہٹیں سن کر وہ تینوں ٹھٹھک کر رک گئے۔ کتوں کی غراہٹوں سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کھا رہے ہوں۔ چپڑ چپڑ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں آوازوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور پھر انہیں دو کتے بھی نظر آ گئے جو اپنے سامنے پڑی ہوئی کسی چیز کو کھا رہے تھے اور غالباً اسی لئے وہ کتے ان پر نہیں لپکے تھے۔ البتہ غراتے ہوئے وارننگ دے رہے تھے کہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا۔

زریاب نے ٹارچ جلالی۔ روشنی کا دائرہ اس چیز پر پڑا جس پر کتے منہ مار رہے تھے۔ اس نے ٹارچ فوراً بجھا دی۔ لیکن ایک لمحے کی روشنی میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اسے دہلا دینے کے لئے کافی تھا۔

وہ حرمت چوہدری کی لاش تھی جسے کتے چیر پھاڑ رہے تھے۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زریاب کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ ایک انسان کی اس سے زیادہ کیا توہین ہو سکتی تھی کہ اس کی لاش کتوں کے سامنے ڈال دی جائے۔ یہ سفاکی اور سنگ دلی کا بدترین مظاہرہ تھا۔

کندن اور رزمق نے بھی حرمت چوہدری کی لاش دیکھ لی تھی۔ کندن اگر اپنے منہ پر ہاتھ نہ رکھ لیتی تو اس کی چیخ حویلی کی خاموش فضا میں دور تک پھیل جاتی۔ رزمق پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے دانت اس سختی سے بھینچ لئے کہ جبڑوں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ اس نے ٹارچ قریب کھڑی ہوئی کندن کے ہاتھ میں تھما دی اور چاقو سیدھا کرتا ہوا دو قدم آگے بڑھا۔

کتے اسے آگے آتے دیکھ کر اور بھی خوفناک آواز میں غرانے لگے۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ اگر ان کا شکار چھیننے کی کوشش کی گئی تو وہ مداخلت کرنے والے ہی کو چیر پھاڑ ڈالیں گے۔

رزمق دو قدم اور آگے بڑھ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسے میں ان خونخوار کتوں کے سامنے آنا خودکشی کے مترادف تھا لیکن وہ حرمت چوہدری کی لاش کی بے حرمتی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہی تھا کہ ایک کتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ رزمق رک گیا۔ اسی لمحہ عمارت کے دوسری طرف سے خامس کی آواز ابھری۔ وہ کتوں کے نام لے کر پکار رہا تھا۔

"روکی..... شیما....."

"رزمق! واپس آجاؤ..... جلدی کرو۔" زریاب نے تیز لہجے میں سرگوشی کی۔

رزمق تیزی سے واپس آگیا۔ کتے اس مداخلت کار کو پسپائی اختیار کرتے دیکھ کر ایک بار پھر اپنے شکار کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے منہ سے غراہٹیں اور چیر چیر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"اس طرف۔" زریاب نے کہا۔ "ہم اس عمارت کے اوپر سے گھوم کر دوسری طرف پہنچ جائیں گے۔ جلدی کرو!"

وہ دبے قدم اٹھاتے ہوئے عمارت کے پچھلی طرف آگئے۔ انہیں اصل راستے پر آنے کے لئے ایک طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ جہاں کتے حرمت کی لاش ادھیڑ رہے تھے اس طرف سے اب خامس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نوعمر لڑکا غصے میں چیخ چلا رہا ہو۔

"اس بدروح کو شاید حویلی میں ہماری موجودگی کا پتہ چل گیا ہے۔ اس طرف آجاؤ۔" زریاب نے کہا۔

یہ حویلی اگرچہ رزمق اور کندن کی دیکھی بھالی تھی۔ ان کی زندگی کا ایک طویل عرصہ یہاں گزرا تھا۔ وہ اس حویلی کے راستوں سے اس طرح واقف تھے جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی لکیروں سے واقف ہو سکتا ہے۔ لیکن اس وقت زریاب ان کی رہنمائی کر رہی تھی کیونکہ زریاب ہی اس کمرے سے واقف تھی جہاں جاگیردار نمران سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن تاریکی اور کسی اور سمت سے آنے کی وجہ سے وہ غالباً راستے کے بارے میں کنفیوژ ہو رہی تھی۔ لیکن بالآخر اس نے وہ راستہ تلاش کر ہی لیا۔

"وہ سامنے والے بلاک میں ہے وہ کمرہ۔" زریاب نے اشارہ کیا۔ وہ تینوں اس وقت ایک عمارت کے سامنے والے سائبان کے نیچے کھڑے تھے۔

وہ تینوں سائبان سے نکل کر کھلی جگہ پر آگئے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے سامنے والے بلاک کی طرف چلنے لگے۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکے۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

"یہ کمرہ ہے۔" زریاب نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھول دیا۔

وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ رزمق نے دروازہ بھیڑ دیا۔ زریاب نے ٹارچ جلالی اور اس کی روشنی میں کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کا سوٹ کیس اور دوسری چیزیں جوں کی توں پڑی تھیں۔

"یہ دیوار" اس جگہ سے شق ہو گئی تھی۔" اس نے دیوار پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کہا۔ ”اور واپس جانے کے لئے جاگیر دار نے اس جگہ کہیں پیر کا دباؤ ڈالا تھا۔“

کندن آگے آگئی اور فرش کے قریب دیوار کے مختلف حصوں پر پیر ڈالنے لگی۔ بالآخر ایک جگہ دباؤ پڑتے ہی دیوار میں ایک رخنہ سا پیدا ہوا اور پھر دیوار شق ہوتی چلی گئی۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کندن کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”خامس!“ کسی نے پکارا۔

آواز سن کر وہ تینوں اچھل پڑے۔ یہ گوپانگ کی آواز تھی جو برآمدے کی طرف سے سنائی دی تھی۔

”خامس! ادھر آؤ۔ جلدی۔“

اس کے ساتھ ہی برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ گوپانگ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔ زریاب نے ٹارچ بجھادی تھی۔ وہ کندن کو دھکیلتی ہوئی دیوار کے خلا میں داخل ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد رزمق بھی اندر داخل ہوگیا۔ لیکن وہ خلا بند نہیں ہو رہا تھا۔ اندر سے اس خفیہ راستے کو کھولنے اور بند کرنے کا میکنزم کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کندن اور زریاب بڑی تیزی سے فرش اور دیواروں کو ٹٹول رہی تھی۔

قدموں کی آواز اب بہت قریب پہنچ گئی تھی۔ گوپانگ اکیلا تھا۔ رزمق نے کندن کے کان میں سرگوشی کی اور دیوار کے خلا سے نکل کر دروازے کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ دھڑ سے کھلا۔ گوپانگ اندر داخل ہوا۔ رزمق نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اپنا بازو اس کی گردن پر لپیٹ دیا۔

گوپانگ اچانک افتاد سے گڑبڑا گیا۔ وہ اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر رزمق کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔ وہ اس کی گردن کو زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔ گوپانگ کو سینے میں سانس رُکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل آئی تھیں اور زبان باہر کو نکل رہی تھی۔ رزمق نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا۔ گوپانگ اس کی بانہوں میں جھول گیا۔ رزمق نے اسے فرش پر پھینک دیا اور چاقو والا ہاتھ بلند کیا۔ اسی لمحہ کندن کی سرگوشی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”رزمق! میکنزم مل گیا ہے..... آجاؤ۔ ہری اپ۔“

رزمق گوپانگ کے سینے پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ باہر سے خامس کی آواز سنائی دی۔

”گوپانگ! کہاں ہو؟“

گوپانگ ہوش میں ہوتا تو جواب ضرور دیتا۔ مگر رزمق نے اس کا ٹینٹوا دبا دیا تھا اور وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہوگیا تھا۔ خامس کی آواز سن کر رزمق اٹھ کر جلدی سے دیوار کے خلا کی طرف دوڑا۔ کندن نے ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا اور پیر سے فرش پر ایک جگہ دباؤ ڈال دیا۔ دیور سلائیڈنگ ڈور کی طرح آہستہ آہستہ بند ہونے لگی۔ ابھی ایک انچ کا خلا باقی تھا کہ خامس دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ فرش پر بے ہوش پڑے ہوئے گوپانگ سے ٹکرا گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ٹھیک اسی لمحے دیوار کی خلا پوری طرح بند ہوگئی۔

کندن نے ٹارچ جلالی اور اس کی روشنی میں جائزہ لینے لگی۔ یہ تنگ سی سرنگ تھی۔ دو آدمی بمشکل پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ دائیں طرف یہ سرنگ نشیب کی طرف چلی گئی تھی۔ کندن نے انہیں اشارہ کیا اور سرنگ کی ڈھلان پر اترنے لگی۔ تقریباً بیس گز تک سرنگ مسلسل نشیب کی طرف چلی گئی تھی۔ پھر ہموار ہوگئی۔ لیکن یہاں سے سرنگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ وہ رک گئے۔

”مجھے یقین ہے کہ انہیں میں سے کوئی ایک راستہ ہمیں باہا تک لے جائے گا۔“ کندن نے کہا۔ پھر رزمق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”رزمق! تم اس طرف جاؤ، میں اور زریاب اس طرف دیکھتی ہیں۔ جو بھی باہا تک پہنچ جائے وہ دوبارہ اسی جگہ آکر ٹارچ کی روشنی سے اشارہ کردے گا۔“

”ٹھیک ہے! میں اس طرف جارہا ہوں۔“ رزمق نے بائیں طرف اشارہ کیا اور اپنی ٹارچ روشن کرکے بائیں طرف والی سرنگ میں داخل ہوگیا۔

”چلو زریاب! آگے بڑھو۔“ کندن نے زریاب کو اشارہ کیا۔

زریاب، کندن سے آگے تھی۔ وہ دوسری سرنگ میں داخل ہوگئی، کندن اس کے پیچھے تھی۔ پیچ و خم کھاتی ہوئی یہ سرنگ شیطان کی آنت کی طرح طویل ثابت ہوئی۔ زریاب، کندن سے تقریباً دس قدم آگے تھی۔ دفعتاً کندن چلتے چلتے رک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے آگے کوئی دیوار کھڑی ہو۔ وہ ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

روشنی کا دائرہ سرنگ کی کچی دیواروں پر رینگتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کندن کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ چھت بھی کچی تھی اور مٹی نیچے گر رہی تھی۔

"زریاب.....!" وہ چیخی۔ "واپس آ جاؤ۔ جلدی کرو۔ سرنگ کی چھت بیٹھ رہی ہے۔"

اس دوران زریاب اس سے پندرہ قدم آگے نکل چکی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے اور کندن کے درمیان چھت سے مٹی تیزی سے گر رہی تھی۔ وہ واپس پلٹی۔ لیکن وہ ابھی چند قدم دور ہی تھی کہ اس جگہ سے چھت بیٹھ گئی جہاں سے مٹی گری تھی۔

زریاب کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی۔ وہ پلٹ کر تیزی سے مخالف سمت میں دوڑی، دوڑتے ہوئے اس نے کندن کی چیخ بھی سنی تھی۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ زریاب کئی گز دور جا کر رک گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر ٹارچ کی روشنی سے دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سرنگ بند ہو گئی تھی اور واپسی کا راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ وہ چند لمحے اپنی جگہ خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر زور زور سے ہانپنے لگی۔ وہ کندن کو پکار رہی تھی۔ مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کی اپنی آواز سرنگ کی تاریکی میں تحلیل ہو رہی تھی۔

زریاب نے ٹارچ ایک طرف زمین پر رکھ دی اور دونوں ہاتھوں سے مٹی ہٹانے لگی۔ وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا لیکن چند کلو سے زیادہ مٹی نہیں ہٹا سکی۔ اس کا ایک ناخن بھی ٹوٹ گیا تھا۔ وہ ایک طرف کھڑی ہو کر ہانپنے لگی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ متوحش نظروں سے مٹی کے اس انبار کو دیکھ رہی تھی جس نے راستہ بند کر دیا تھا۔

اس نے ٹارچ اٹھالی اور اس کی روشنی میں آگے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ جان چکی تھی کہ مٹی ہٹا کر راستہ بنانا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اسے سرنگ میں آگے جا کر راستہ تلاش کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سوچ کر وہ کانپ کر رہ گئی کہ اگر اسے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملا تو وہ انہی سرنگوں میں ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی۔ اسے بہر حال ایک امید یہ بھی تھی کہ کندن اور رزمق بھی سرنگ میں موجود تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی سرنگ ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جو ان لوگوں کو ایک دوسرے سے ملا دے۔

وہ سرنگ میں آگے کی طرف چلنے لگی۔ تقریباً بیس گز کے بعد سرنگ بائیں طرف مڑ گئی۔ زریاب جیسے ہی اس طرف مڑی ٹھٹھک کر رک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی اس کا نام پکار رہا ہو۔ آواز مردانہ تھی۔ وہ پوری توجہ سے اس آواز کو سننے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن وہ آواز دوبارہ سنائی نہیں دی تھی۔ وہ اسے اپنا واہمہ سمجھ کر آگے چلنے لگی۔

وہ آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ یہ اس کا واہمہ نہیں تھا۔ زریاب نے آواز پہچان لی تھی۔ رزمق اسے پکار رہا تھا۔ زریاب تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے چلنے لگی۔ وہ پھر ایسی جگہ پر پہنچ گئی جہاں سرنگ پھر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ زریاب اندازہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ آواز کس طرف سے سنائی دی تھی۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی اور پھر دائیں طرف مڑ گئی۔ آگے سرنگ بند تھی۔ اس کے سامنے دیوار تھی۔ زریاب کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ تمام سرنگوں کی دیواریں اور چھتیں کچی تھیں لیکن اس جگہ پختہ دیوار دیکھ کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس جگہ کوئی خفیہ راستہ موجود تھا۔ وہ اس دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے اسے چونک جانا پڑا۔ دیوار کے دوسری طرف سے کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آوازیں اگرچہ نمایاں نہیں تھیں لیکن ان میں خامس کی آواز اس نے پہچان لی تھی۔ جو کسی ناراض بچے کی طرح چیخ رہا تھا۔ رزمق کی آواز سن کر وہ ایک بار پھر چونک گئی۔ اس مرتبہ یہ آواز سرنگ میں زیادہ قریب سے سنائی دی تھی۔ زریاب مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلنے لگی۔ موڑ پر پہنچ کر وہ رک گئی۔ بائیں طرف کی سرنگ میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ ہی رزمق کی آواز بھی سنائی دی تھی جو اس کا نام لے کر پکار رہا تھا۔ زریاب دوڑتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی اور والہانہ انداز میں کندن سے لپٹ گئی۔

"خدا کا شکر ہے تم زندہ ہو۔" کندن نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "سرنگ بیٹھ جانے سے میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ ہم نے تمہیں بہت آوازیں دیں مگر شاید تمہاری آواز تم تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ مٹی ہٹانا ہمارے بس میں نہیں تھا۔ کوئی بیلچہ یا پھاوڑا وغیرہ ہوتا تو ایسی کوشش کی جا سکتی تھی۔ خالی ہاتھوں سے مٹی ہٹا کر راستہ بنانا مشکل تھا۔ ہم نے دوسری سرنگوں کے ذریعے فوراً ہی تمہاری تلاش شروع کر دی۔ خدا کا شکر ہے

کہ تم زندہ سلامت ہمیں مل گئی ہو۔"

"میرا خیال ہے میں نے وہ جگہ تلاش کرلی ہے جہاں جاگیردار نمران کو قید میں رکھا گیا ہے۔" زریاب نے کہا۔

"کیا واقعی؟" کندن کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "بابا کو دیکھا ہے تم نے؟"

"نہیں! دیکھا نہیں ہے۔" زریاب نے جواب دیا۔ "اس جگہ سرنگ بیٹھنے کے بعد میں دہشت زدہ سی ہوگئی تھی۔ میں نے ہاتھوں سے مٹی ہٹانے کی کوشش بھی کی لیکن خالی ہاتھوں سے راستہ بنانا ممکن نہیں تھا۔ پھر تمہاری طرح میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا کہ سرنگوں میں گھوم کر تم لوگوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ میں نے رزمق کی آواز بھی سن لی تھی جو میرا نام لے کر پکار رہا تھا۔ تم ہی لوگوں کی تلاش میں، میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں پختہ دیوار کے ذریعے آگے راستہ بند ہے۔ اس دیوار کے دوسری طرف میں نے گوپانگ اور خامس کی آوازیں سنی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا بابا بھی وہیں موجود ہے۔"

"چلو.....! اس جگہ تک ہماری رہنمائی کرو۔" کندن نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"زریاب ان کی رہنمائی کرتی ہوئی اس سرنگ میں آگئی جہاں پختہ دیوار نے راستہ روک رکھا تھا۔ زریاب نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر ٹارچ سے پختہ دیوار پر روشنی ڈالنے لگی۔ کندن اور رزمق بھی روشنی میں دیوار کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر ان تینوں نے دیوار سے کان لگا دیئے اور کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن اس طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

کندن ٹارچ کی روشنی میں دیوار کے ایک ایک انچ حصے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کی توجہ دیوار کے نچلے حصے پر مرکوز تھی۔ دیوار کے ساتھ فرش پر بھی دو دو اینٹیں لگی ہوئی تھیں۔ کندن کو یقین تھا کہ یہاں اگر واقعی کوئی خفیہ راستہ ہے تو اس کا میکنزم فرش کی انہی اینٹوں میں ہوگا۔ ہر اینٹ پر مختلف انداز میں دباؤ ڈال کر ہی آزمایا جاسکتا تھا۔ وہ پہلی اینٹ پر پیر رکھنا ہی چاہتی تھی کہ زریاب نے اسے روک دیا اور ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

وہ غصے میں بھری ہوئی مردانہ آواز تھی جو زریاب کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ کندن اور رزمق نے بھی دیوار سے کان لگا دیئے۔ وہ آواز شناخت کرنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ گوپانگ تھا جو غصے میں چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک چیخ کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ کوئی آدمی چیخا تھا۔ ممکن ہے وہ بہت زور سے چیخا ہو مگر دیوار کی وجہ سے وہ آواز ذرا ہلکی محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اس آواز سے چیخنے والے کے کرب کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ایک اور چیخ سنائی دی۔ اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔

خاموشی طوالت اختیار کرتی گئی۔ وہ تینوں دیوار سے کان لگائے کھڑے تھے مگر پندرہ بیس منٹ گزرنے کے بعد بھی مزید کوئی آواز سنائی نہیں دی تو کندن دیوار کے قریب فرش کی اینٹوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک بار پھر میکنزم تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے ساتویں اینٹ پر پیر رکھا تو اینٹ دبتی چلی گئی۔

کندن کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ حویلی کے خفیہ راستوں کے میکنزم طریقہ کار سے واقف تھی۔ اس نے پہلی اینٹ دبانے کے بعد پیر اٹھالیا اور بائیں طرف ایک اینٹ چھوڑ کر اس سے آگے والی اینٹ پر پیر رکھ کر اسے دبادیا۔

دیوار اپنی جگہ سے ہلنے لگی۔ ان تینوں نے ٹارچیں بجھادیں۔ رزمق چاقو سنبھال کر تیار ہوگیا۔ اس کی نظریں دیوار میں پیدا ہونے والے رخنے پر تھیں جو بتدریج پھیلتا جارہا تھا اور بالآخر دیوار میں ڈھائی فٹ چوڑی خلا پیدا ہوگئی۔ دوسری طرف گہری تاریکی تھی۔ رزمق بڑی آہستگی سے دیوار کے خلا سے نکل کر دوسری طرف آگیا اور بے حس و حرکت کھڑا کسی بھی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے ٹارچ روشن کرلی۔

وہ ایک وسیع و عریض کمرہ تھا جس میں کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ کندن اور زریاب بھی دیوار کے خلا سے باہر آگئی تھیں اور انہوں نے بھی اپنی اپنی ٹارچ روشن کرلی تھی اور تینوں کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔

کمرے میں ایک بڑی سی مسہری بچھی ہوئی تھی۔ اس پر بستر بھی موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی میز تھی جس پر پانی کا جگ، ایک گلاس، مختلف دواؤں کی تین چار خالی

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بوتلیں، ایک چمچہ اور ایک خالی کپ رکھا ہوا تھا۔ مسہری کے قریب فرش پر چپلوں کا ایک جوڑا پڑا ہوا تھا۔ کارنس پر لیمپ رکھا ہوا تھا لیکن بجھا ہوا تھا۔ ایک دیوار کی کھونٹی پر چند مردانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ ان میں وہ جوڑا بھی تھا جو اس روز زریاب نے جاگیردار نمران کے جسم پر دیکھا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ نمران کچھ دیر پہلے اس کمرے میں موجود تھا لیکن اب وہ لوگ اسے کہیں اور لے گئے تھے۔

"کچھ دیر پہلے تک تمہارے بابا اسی کمرے میں تھے۔" زریاب نے کہا۔ "یہ کپڑے انہی کے ہیں۔" اس نے کھونٹی کی طرف اشارہ کیا۔ "جب وہ میرے کمرے میں آئے تھے تو انہوں نے یہ لباس پہن رکھا تھا۔"

"میں اپنے باپ کی خوشبو محسوس کر رہی ہوں۔" کندن نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور آگے بڑھ کر اس نے کھونٹی پر سے وہ جوڑا اتار لیا جس کی طرف زریاب نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے کپڑوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "وہ لوگ بابا کو اب نجانے کہاں لے گئے ہوں گے۔"

"وہ جاگیردار کو اس حویلی سے باہر نہیں لے جا سکتے۔" رزمق نے کہا۔ "اس طرف آؤ..... شاید ہمیں یہاں کوئی راستہ مل جائے۔" اس نے ٹارچ کی روشنی سے بائیں طرف کی دیوار میں ایک محرابی راستے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ ایک باقاعدہ دروازے کی طرح راستہ تھا لیکن اس میں چوکھٹ وغیرہ نہیں تھی۔ وہ اس محرابی راستے سے گزر کر دوسری طرف آ گئے۔ یہ بھی ایک کمرہ تھا لیکن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ یہاں بھی بیڈ پر بستر بچھا ہوا تھا۔ کھونٹی پر دو تین زنانہ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ بیڈ سے نیچے سینڈلز کے دو جوڑے رکھے ہوئے تھے۔ بیڈ کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر آٹھ دس کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سب ناول تھے جو غالباً نئے خریدے گئے تھے۔ دیوار کے قریب ایک کرسی بھی رکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ اس نرس کا کمرہ تھا جو نمران کی دیکھ بھال کے لئے رکھی گئی تھی۔ لیکن وہ نرس بھی غائب تھی۔

کندن اور رزمق ان دونوں کمروں میں کوئی اور خفیہ راستہ تلاش کرتے رہے لیکن انہیں کامیابی نہیں ہو سکی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہاں کوئی اور راستہ بھی

موجود ہے مگر تلاش بسیار کے باوجود انہیں وہ راستہ نہیں مل سکا تھا۔ بالآخر وہ جس راستے سے اس کمرے میں داخل ہوئے تھے اسی راستے سے دوبارہ سرنگ میں آ گئے۔

"بابا کی تلاش کے لئے ہمیں کوئی اور طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔" رزمق نے سرنگ میں چلتے ہوئے کہا۔

"کون سا طریقہ؟" کندن نے پوچھا۔

"بتاؤں گا۔ ابھی کوئی بات میرے ذہن میں واضح نہیں ہو رہی۔" رزمق نے کہا۔

وہ لوگ زریاب والے کمرے کے خفیہ راستے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ میکنزم کو حرکت میں لانے سے پہلے انہوں نے اطمینان کر لیا تھا کہ کمرے میں کوئی موجود تو نہیں۔ جب دیوار چاق ہو رہی تھی تو رزمق کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے چاقو ہاتھ میں لئے تیار کھڑا تھا۔

کمرے میں تاریکی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے دیوار سے باہر آ گئے۔ زریاب نے ٹارچ روشن کر کے دیکھا۔ اس کا سوٹ کیس اور دیگر چیزیں غائب تھیں۔ حالانکہ جب وہ پہلے اس کمرے میں آئے تھے تو تمام چیزیں موجود تھیں۔

رزمق دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دروازہ کھولنا چاہا تو اسے بے حد مایوسی ہوئی تھی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ غالباً باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا۔ زریاب اس وقت ٹارچ بجھا چکی تھی۔ کمرے میں تاریکی تھی۔

"دروازہ باہر سے بند ہے۔" رزمق کی آواز زریاب کی سماعت سے ٹکرائی۔

"اوہ!" زریاب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "یہاں تو کھڑکیوں پر بھی آہنی سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔"

"واپس چلا جائے۔" رزمق نے کہا۔

"اس خفیہ راستے کی تمام سرنگیں ہمیں اسی کمرے تک لے جائیں گی جہاں سے ہم ہو کر آ رہے ہیں۔ اس کمرے سے آگے راستہ ہمیں معلوم نہیں۔ اس لئے واپس جانا بیکار ہے۔"

"ایک منٹ!" زریاب نے کہا۔ "اس طرف روشن دان میں دو سلاخیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ اگر ایک سلاخ اور نکال دی جائے تو ہم روشن دان سے باہر نکل سکتے ہیں۔"

"لیکن روشن دان تک پہنچا کیسے جائے؟" کندن نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ مسہری دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی جائے تو رزمق آسانی سے روشن دان تک پہنچ سکتا ہے۔" زریاب نے جواب دیا۔

رزمق کمرے کے وسط میں آکر روشندان کی طرف دیکھنے لگا۔ روشندان سے آسمان پر جھلملاتے ہوئے ایک دو ستارے نظر آ رہے تھے۔ اس کے اندازے کے مطابق روشندان کی سلاخیں چھ چھ انچ کے فاصلے پر تھیں۔ دو سلاخیں نکلی ہوئی تھیں اگر تیسری سلاخ بھی نکال دی جائے تو اٹھارہ انچ جگہ بن سکتی تھی اور وہ اس میں سے آسانی سے نکل سکتے تھے۔ روشندان خاصا کشادہ تھا۔ ہوا کے رخ پر ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آتے محسوس ہو رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔ "پہلے مسہری کو یہاں لانا ہوگا۔"

ان تینوں نے مل کر پہلے بستر اٹھا کر زمین پر رکھا۔ پھر مسہری کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے اسے روشندان کے نیچے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ رزمق مسہری پر چڑھ گیا۔ اس کے کندھے روشندان کے برابر آ گئے تھے۔ وہ سلاخوں کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ سلاخیں لکڑی کے فریم میں لگی ہوئی تھیں اور دو سلاخیں ہل رہی تھیں۔ رزمق نے جیب سے چاقو نکالا اور ایک سلاخ کے قریب سے لکڑی کاٹنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ پہلی سلاخ بڑی آسانی سے نکل گئی۔ اس نے سلاخ ہاتھ بڑھا کر دوسری طرف کمرے کی چھت پر رکھ دی اور دوسری سلاخ نکالنے کے لئے لکڑی کاٹنے لگا۔ لکڑی کاٹنے پر چاقو چلنے کی ہلکی سی آواز ابھر رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ سناٹے میں یہ ہلکی سی آواز بھی کہیں سن نہ لی جائے۔ اس لئے وہ رک رک کر چاقو چلا رہا تھا۔

لکڑی کٹ گئی۔ رزمق نے سلاخ باہر کی طرف کھینچی تو وہ اپنی جگہ سے تو نکل گئی لیکن اس کے ہاتھ سے بھی چھوٹ گئی۔ برآمدے کی چھت کسی قدر ڈھلواں تھی۔ لوہے کی سلاخ زوردار آواز سے چھت پر گری اور شور مچاتی ہوئی ڈھلان پر لڑھکنے لگی اور بالآخر دھپ کی آواز سے برآمدے کے سامنے کچی زمین پر گر گئی۔

سلاخ لڑھکنے کے شور کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی تھی۔ رزمق کو یقین تھا کہ یہ آواز گوپانگ یا خامس نے سن لی ہوگی کیونکہ گوپانگ کا کمرہ اور کچن والی عمارت وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

"جلدی سے اوپر آ جاؤ۔" رزمق نے نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ "لوہے کی سلاخ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گری ہے۔ ان دونوں میں سے کسی نے اگر آواز سن لی ہوگی تو وہ اس طرف آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔"

زریاب پہلے کندن کو اوپر بھیجنا چاہتی تھی مگر کندن نے زریاب کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے دھکیل دیا۔ زریاب مسہری پر چڑھ کر رزمق کے برابر پہنچ گئی۔ رزمق نے اسے سہارا دے کر روشندان کے دوسری طرف نکال دیا۔

"چھت ڈھلواں ہے۔ احتیاط سے لیٹ جاؤ۔ کھڑے ہونے کی کوشش مت کرنا۔" رزمق نے سرگوشی کی۔ اور پھر کچن والی عمارت کے قریب ٹارچ کی روشنی دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔ وہ خامس یا گوپانگ میں سے جو کوئی بھی تھا اسی طرف آ رہا تھا۔

"کندن! جلدی کرو۔ کوئی آ رہا ہے۔" رزمق نے نیچے کی طرف رخ کر کے سرگوشی کی۔

کندن بڑی تیزی سے مسہری پر چڑھ گئی۔ رزمق نے سہارا دے کر اسے بھی روشندان سے دوسری طرف پہنچا دیا اور پھر خود بھی دونوں ہاتھ روشندان کے فریم پر جما کر اس نے اپنے پیروں کو زوردار جھٹکا دیا۔ مسہری پیروں تلے سے نکل کر ایک زوردار دھماکے سے فرش پر گری۔

رزمق روشندان سے لٹکا ہوا تھا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ سامنے والی عمارت سے نکلنے والا آدمی باقاعدہ دوڑنے لگا تھا۔ مسہری گرنے کی آواز غالباً اس نے بھی سن لی تھی۔ رزمق اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔ اس نے اپنے جسم کو زوردار جھٹکا دیا۔ اس کا سینہ روشندان کے فریم پر ٹک گیا۔ وہ اپنے آپ کو آہستہ آہستہ آگے کھینچنے لگا اور بالآخر روشندان سے نکل کر برآمدے کی ڈھلواں چھت پر پہنچ گیا اور زریاب کے قریب ہی لیٹ گیا۔

وہ آدمی اب برآمدے کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جلتی ہوئی ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ خامس تھا۔

خامس نے برآمدے میں داخل ہو کر دروازے کا کنڈا کھولا۔ دروازے کو زور سے ٹھوکر ماری۔ ایک دو سیکنڈ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر اندر داخل ہو کر ٹارچ کی روشنی میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے صورت حال سمجھ گیا۔ ٹارچ کی روشنی دیوار پر رینگتی ہوئی روشندان پر پہنچ گئی۔ روشندان کی سلاخیں غائب پاکر وہ چیختا ہوا باہر دوڑا۔ تاریکی اور سناٹے میں اس کی آواز اس طرح گونج رہی تھی جیسے کوئی بدروح رو رہی ہو۔ وہ چیختا ہوا برآمدے میں دوڑا جارہا تھا۔

"بھاگو! جلدی۔" رزمق نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

زریاب اور کندن بھی اٹھ گئیں۔ وہ تینوں برآمدے کی چھت پر مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔ جب وہ برآمدے کے اختتام پر پہنچے تو دوسری طرف سے خامس چھت پر آ گیا تھا۔ پھر دفعتاً خاموش فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ خامس کے پاس شاٹ گن تھی اور اس نے گولی چلادی تھی۔

رزمق نے اپنی ٹارچ روشن کر کے اسے چھت پر سے نیچے پھینک دیا۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ خامس یہ سمجھا تھا کہ کسی نے چھت سے چھلانگ لگائی تھی اور جلتی ہوئی ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے ٹارچ کی روشنی پر فائر کر دیا۔ فضا ایک بار پھر دھماکے سے گونج اٹھی۔

"اس طرف سے چھلانگ لگادو۔ نیچے کچی زمین ہے۔" رزمق نے کندن اور زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کندن نے چھلانگ لگائی تھی۔ برآمدے کی چھت آٹھ فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ وہ دھب کی آواز سے نیچے گری۔ اس کے فوراً بعد ہی زریاب نے بھی چھلانگ لگا دی۔ نیچے گرتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے اپنی چیخ ضبط کر سکی تھی۔ نیچے گرنے کے بعد وہ پوری طرح سنبھل بھی نہیں پائی تھی کہ اوپر سے رزمق نے بھی چھلانگ لگادی۔

"اس طرف!" رزمق نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں ایک طرف دوڑنے لگے۔ فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی لیکن اس مرتبہ گولی کسی اور طرف چلائی گئی تھی۔ وہ یقیناً گوپانگ تھا جس نے کسی اور طرف فائر کیا تھا۔ وہ تینوں دوڑتے رہے۔ اب کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

وہ تینوں دوڑتے ہوئے ایک اور بلاک میں داخل ہو گئے۔ زریاب کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف جارہے تھے لیکن بالآخر وہ اس زیرزمین بال نما کمرے میں پہنچ گئے جہاں

کندن سے زریاب کی پہلی ملاقات ہوئی تھی اور وہ کندن کو روح سمجھی تھی۔

ایک بار پھر تاریک سرنگوں کا سفر شروع ہو گیا اور بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں حویلی سے باہر نکلنے کا راستہ تھا۔ لیکن وہ باہر نکلنے کی بجائے سرنگ کے دہانے کے قریب بیٹھ گئے۔ دہانے پر اگرچہ بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا لیکن رخنوں سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی۔

اس بھاگ دوڑ نے ان تینوں کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ زریاب تو باقاعدہ ہانپ رہی تھی۔ وہ سرنگ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور اس نے دونوں ٹانگیں سامنے کو پھیلا رکھی تھیں۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی اور بڑی آسائش کی زندگی گزاری تھی۔ وہ اس طرح بھاگ دوڑ کی عادی نہیں تھی۔ لیکن جب سے اس حویلی میں آئی تھی عجیب و غریب قسم کے حالات سے دوچار رہی تھی۔ وہ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ جس کام سے یہاں آئی تھی وہ تو بیچ میں ہی رہ گیا تھا۔ وہ ایک نئے چکر میں پھنس گئی تھی۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو جس طرح رزمق اسے حویلی سے نکال لے گیا تھا وہ سب کچھ بھول کر اپنے آپ پر بیتے ہوئے واقعات کو بھیانک خواب سمجھتے ہوئے شہر واپس چلی جاتی۔ لیکن تجسس کا مادہ زریاب میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے ضد کر کے دوبارہ حویلی میں آئی تھی اور یہاں ایک بار پھر وہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچی تھی۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس وقت ہم واپس چلے جائیں اور صبح درویش پور جاکر پولیس کو ان غیر قانونی سرگرمیوں کی اطلاع دیں اور جاگیردار کو بازیاب کرانے کے لئے پولیس کو ساتھ لے آئیں؟" زریاب نے کندن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پولیس....." کندن کے لہجے میں طنز تھا۔ "ایک مرتبہ ایسی کوشش کی جاچکی ہے۔ ہمارے ہی ایک آدمی نے درویش پور جاکر پولیس سے رابطہ کیا تھا۔ پولیس والے بڑی مشکل سے یہاں آنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ انہوں نے پوری حویلی چھان ماری تھی۔ انہیں بابا نو کیا بلی کا ایک بچہ تک نہیں ملا جسے حبس بیجا میں رکھا گیا ہو۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میری زندگی کا ایک طویل عرصہ یہاں گزرا ہے۔ اس حویلی کے تہہ خانوں کا راز تو میں بھی پوری طرح نہیں جان سکی۔ میں اپنے بابا کا سراغ نہیں لگا سکی۔ پولیس والے انہیں کس طرح تلاش کر سکتے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے۔ ہاں! البتہ پولیس کی اس کارروائی کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ ہمارا جو آدمی پولیس کو ساتھ لے کر آیا تھا، چوتھے دن جنگل میں اس کی لاش ملی تھی اور وہ انسپکٹر جو پولیس پارٹی کو لے کر یہاں آیا تھا اسے ڈی گریڈ کر کے درویش پور سے کہیں اور ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔ رکھیل شاہ کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس روز اگر وہ درویش پور میں ہوتا تو پولیس والے اس طرف آنے کی ہمت نہ کرتے بلکہ شکایت کرنے والے ہی کو اٹھا کر ٹانگ دیتے۔ وہ کلاچی گیا ہوا تھا۔ واپس آنے کے بعد جب اسے پولیس کی اس کارروائی کا پتہ چلا تو اس نے فوراً ہی اعلیٰ افسران سے رابطہ قائم کیا اور اس انسپکٹر کو ڈی گریڈ کروا کر کسی دور افتادہ مقام پر ٹرانسفر کروا دیا۔ اب کوئی پولیس آفیسر حویلی کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"لیکن تم۔" زریاب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تم جاگیر دار کی بیٹی ہو۔ قانونی طور پر اس کی وارث ہو۔ تم رکھیل شاہ کے خلاف کارروائی کر سکتی ہو۔ یہ تمہارا قانونی حق ہے۔"

"قانونی حق....." کندن کا لہجہ زہر آلود تھا۔ قانون پر حق صرف اس کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں طاقت ہو۔ کمزور لوگوں کو تو ویسے ہی زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے....." وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "اس میں شبہ نہیں کہ میں جاگیر دار نمران کی بیٹی اور اس کی وارث ہوں۔ لیکن میں دس سال پہلے مر چکی ہوں۔ پہلے تو مجھے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ میں زندہ ہوں۔ اس کے بعد ہی بات آگے بڑھائی جا سکے گی۔ لیکن میں جیسے ہی سامنے آئی مجھے ختم کر دیا جائے گا۔ رکھیل شاہ میرے وجود کو کیسے برداشت کرے گا۔ میرے سامنے آ جانے سے اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا اور وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ وہ تمہیں بھی اپنے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ سمجھنے لگا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم بابا کی کوئی عزیز ہو اور بابا نے جاگیر کی وراثت کے لئے تمہیں بلایا ہے۔ اسی لئے تو تمہیں بابا سے ملنے نہیں دیا گیا۔ رکھیل شاہ بہت کمینہ آدمی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دے گا جس کا بابا سے کوئی تعلق ہوگا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں بروقت تمہارے بارے میں اطلاع مل گئی اور ہم نے تمہیں ان کے چنگل سے نکال لیا۔ بابا کو اب تک اس لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ

رکھیل شاہ کو ابھی ان کی ضرورت ہے۔ ان کے دستخطوں کے بغیر رکھیل شاہ کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے ہی اس کی ضرورت پوری ہوئی وہ بابا کو بھی ختم کر دے گا۔ لیکن ہمیں اس سے پہلے بابا کو ان کی قید سے نکالنا ہوگا۔"

"یہ رکھیل شاہ کون ہے؟" زریاب نے پوچھا۔

"جاگیر دار کے ایک نمک خوار کا بیٹا۔" کندن نے جواب دیا۔ "اس کا باپ بہت شریف آدمی تھا۔ اس کے انتقال کے بعد رکھیل شاہ کو میرے بابا ہی نے پالا۔ اسے اعلیٰ تعلیم دلائی اور پھر اسے اپنی جاگیر کا منیجر مقرر کر دیا۔ وہ مجھ سے عمر میں دو چار سال ہی بڑا ہے۔ جب وہ تعلیم کے سلسلے میں درویش پور میں تھا تو اس نے کچھ ناپسندیدہ قسم کے لوگوں سے دوستیاں گانٹھ لی تھیں۔ وہ کالج کی چھٹیوں میں اپنے ان بدمعاش دوستوں کو حویلی میں بھی لانے لگا۔ بابا نے پہلے تو رکھیل شاہ کو نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ وہ بدستور اپنے دوستوں کو یہاں لاتا رہا۔ ایک مرتبہ بابا کے ایک دوست اپنی فیملی کے ساتھ یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کی دو جوان بیٹیاں تھیں۔ رکھیل شاہ اور اس کے دوستوں نے ایک لڑکی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ بابا کو اس کا پتہ چل گیا۔ بابا نے رکھیل شاہ کو ڈانٹا اور اسے ایک ہلکا سا تھپڑ مار دیا۔ بابا نے اسے یہ تھپڑ بیٹا سمجھ کر مارا تھا۔ انہوں نے اسے بیٹے ہی کی طرح پالا تھا۔ لیکن رکھیل شاہ نے اسے اپنی توہین سمجھا۔ وہ اپنے دوستوں کو لے کر درویش پور چلا گیا۔ اس نے دو سال تک حویلی کا رخ نہیں کیا۔ بابا اس عرصہ میں اس واقعہ کو بھول گئے۔ لیکن رکھیل شاہ بڑا کینہ پرور آدمی ہے۔ اس نے بات دل میں رکھی۔ وہ انتقام کی آگ میں جلتا رہا اور جب وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آیا تو بابا نے اسے اسسٹنٹ منیجر مقرر کر دیا تو اس نے اپنی سازشوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے آہستہ آہستہ حویلی کے وہ تمام ملازم نکال دیئے جو حویلی کے وفادار تھے۔ اس دوران اس نے لاکھوں روپے غبن کر لئے۔ بابا نے اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔ وہ دراصل جاگیر پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ مجھ سے شادی کر لے اور جاگیر کا مالک بن جائے۔ اس نے بابا سے میرا رشتہ بھی مانگا مگر بابا نے انکار کر دیا۔ اور پھر ایک رات اس نے میرے ساتھ دست درازی کی کوشش کی تو میں نے اپنی عزت بچانے کے لئے حویلی کی فصیل سے چھلانگ لگا دی۔ مجھے رزمق کا والد اٹھا کر لے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ بابا نے رکھیل شاہ کو ملازمت سے نکال دیا۔ اپنے والد کے قتل کے بعد رزمق مجھے اور خوشنما کو لے کر ملک سے باہر چلا گیا۔ اُدھر رکھیل شاہ بابا کے خلاف اپنی سازشوں کے جال پھیلا رہا تھا۔ دو سال پہلے اس نے حویلی پر قبضہ کر کے بابا کو قید کر دیا۔ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ بابا بیمار ہیں اور انہوں نے اسے دوبارہ جاگیر کا منیجر مقرر کر دیا ہے۔ جاگیر کے نام پر وہ اپنے تعلقات بڑھاتا رہا۔ اس نے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات استوار کر لئے۔ دولت کے بل بوتے پر اس نے بعض اعلیٰ سرکاری افسروں کو مٹھی میں لے رکھا ہے۔ جب حویلی کا ایک خیر خواہ پولیس کو لے کر یہاں آیا تھا تو رکھیل شاہ اس روز درویش پور میں نہیں تھا۔ انسپکٹر بھی شاید نیا نیا تھا اور رکھیل شاہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا ہو گا اس لئے پولیس پارٹی لے کر یہاں آ گیا تھا جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا۔ اسے رکھیل شاہ کے اشارے پر ڈی گریڈ کر کے دور افتادہ مقام پر ٹرانسفر کر دیا گیا۔

قانون کا سہارا لینا ہر شہری کا قانونی حق ہے۔ لیکن یہاں تو ہر شخص کو اس کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ قانون صرف ان لوگوں کا ساتھ دیتا ہے جن کے پاس دولت، طاقت ہو۔ یہاں حق مانگا نہیں جاتا ہے۔ اگر بابا کی زندگی خطرہ میں نہ ہوتی تو میں رکھیل شاہ سے قانونی جنگ ضرور لڑتی۔ لیکن مصیبت یہی ہے کہ بابا اس کی قید میں ہیں۔ اگر میں رکھیل شاہ کے خلاف عدالت سے رجوع کروں تو وہ مجھے بلیک میل کر سکتا ہے۔ لیکن سب سے پہلی بات تو میری شناخت ہے۔ سب لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں دس سال پہلے حویلی کی فصیل سے گر کر ہلاک ہو گئی تھی۔ اس کے بعد میں دس سال تک غائب رہی۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ میں زندہ ہوں۔ اس دوران اگر میں ایک آدھ بار بھی سامنے آئی ہوتی تو میرے زندہ ہونے کا تاثر قائم رہتا۔ لیکن میرے غائب ہو جانے سے سب نے یہاں تک کہ میرے باپ نے بھی مجھے مردہ سمجھ لیا۔ رکھیل شاہ جیسے آدمی کے سامنے اپنی شناخت ثابت کرنا بڑا مشکل ہو گا۔ معاملہ طویل ہو جائے گا اور اس طرح بابا کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے میں نے یہ کٹھن اور جان لیوا راستہ اختیار کیا ہے۔ بابا کو ان کی قید سے رہائی دلانے کے بعد میں کھل کر سامنے آؤں گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ آسان نہیں ہو گا۔" زریاب نے کہا۔

"ہاں.....!" کندن بولے جواب دیا۔ "اور عین ممکن ہے کہ اس میں میری جان بھی

چلی جائے۔ تمہارے لئے بھی بہت خطرات ہیں۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی یہی مشورہ دوں گی کہ تم اس خاندان کی ریسرچ کا خیال ذہن سے نکال کر واپس چلی جاؤ۔"

"بات ریسرچ سے بہت آگے نکل چکی ہے۔" زریاب نے کہا۔ "حویلی میں آنے کے بعد کچھ عجیب و غریب باتیں سامنے آئی ہیں جن سے میرا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا ہے اور جب تک ان کی وضاحت حاصل نہ کر لوں میں یہاں سے واپس نہیں جا سکتی۔"

"کیسی باتیں؟" کندن نے پوچھا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔" زریاب نے جواب دیا۔ "یہاں آنے سے پہلے میں نے اپنے والد کے کاغذات میں سے چند تصویریں نکالی تھیں۔ جس رات میں حویلی میں آئی تھی وہ تصویریں اسی رات میرے سوٹ کیس میں سے چوری ہو گئی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تصویریں خامس نے چرائی ہوں گی اور اس وقت رکھیل شاہ کے قبضے میں ہوں گی۔ لیکن ان میں ایک تصویر ایسی تھی جس کے ساتھ کی ایک بڑی تصویر اس حویلی کے ایک کمرے میں آویزاں ہے۔ میں نے حویلی میں ایک اور پورٹریٹ بھی دیکھا ہے۔ اس چہرے پر میرے مرحوم باپ کی شباہت ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ میرے والد کا اس حویلی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی تعلق نہیں تو وہ تصویر میرے والد کے پاس کیوں تھی؟"

"کون سی تصویر کی بات کر رہی ہو؟" کندن نے پوچھا۔

"تمہارے والد کے دادا جیدار بخت کی تصویر۔" زریاب نے جواب دیا۔ "اس رات میں نے تمہارے بابا سے اس تصویر کا ذکر کیا تھا۔ انہوں نے بھی بتایا تھا کہ وہ ان کے دادا کی تصویر ہے۔"

"اوہ!" کندن کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تمہارے والد نے اس تصویر کے بارے میں تمہیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا؟"

"نہیں! اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی تھی۔" زریاب نے جواب دیا۔ "انہوں نے کبھی اس حویلی کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ خاندان کے بارے میں ریسرچ کا خیال تو مجھے ان کے انتقال کے بعد آیا تھا۔ میں نے ان کے پرانے کاغذات کو ابھی اچھی طرح چیک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے ان میں کچھ ایسے کاغذات بھی ہوں جو اس راز سے پردہ اٹھا سکیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہو گا جب یہاں سے واپس جاؤں گی۔"

"ہو سکتا ہے تمہاری والدہ کو اس سلسلے میں معلومات حاصل ہوں۔" کندن نے کہا۔

"نہیں....." زریاب نے نفی میں سر ہلایا۔ "میری والدہ اس سلسلے میں زیادہ نہیں جانتیں کیونکہ ان کا تعلق سندس خاندان سے نہیں ہے۔ میری اب تک کی معلومات کے مطابق سندس خاندان کے لوگ شادی بیاہ اپنے ہی خاندان میں کیا کرتے تھے۔ لیکن کچھ لوگوں نے پرانی روایات کو بھلا کر خاندان سے باہر بھی رشتے ناتے جوڑنا شروع کر دیئے۔ میرے والد کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی خاندان سے باہر شادی کی تھی۔ انہوں نے میری والدہ کو اپنے خاندان کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو ضرور بتایا ہو گا لیکن وہ معلومات یقیناً ایسی نہیں ہیں کہ ان سے مجھے کچھ مدد مل سکے۔ تمہارے بابا نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ ان کے پاس کچھ قدیم دستاویزات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان دستاویزات سے بہت سے سربستہ راز کھل سکتے ہیں۔ لیکن یہ معاملہ اس قدر الجھ گیا ہے کہ آسانی سے حل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اب سب سے پہلے ہمیں تمہارے بابا کو ان کی قید سے نجات دلانا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ پیچیدہ گرہیں کھل سکیں گی۔"

کندن کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ سرنگ کے باہر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے گھوڑوں کو جس جگہ درختوں سے باندھا تھا وہ جگہ سرنگ کے دہانے سے زیادہ دور نہیں تھی۔

رزمق پتھر کو ہٹا کر سرنگ سے باہر نکل گیا۔ وہ بڑی احتیاط سے قد آدم گنجان جھاڑیوں سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چاقو تھا اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ۔ وہ جھاڑیوں میں کھڑا کچھ دیر تک جھاڑیوں میں دبکا سامنے دیکھتا رہا۔ پھر جھاڑیوں سے باہر آ گیا۔ گھوڑے کے ہنہنانے اور زور زور سے پیر پٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ رزمق اسی انداز میں چلتا ہوا آگے آ گیا۔ ایک گھوڑا زمین پر گرا ہوا اس طرح لوٹ رہا تھا جیسے اذیت میں مبتلا ہو۔ دوسرے گھوڑے بھی بدک رہے تھے۔ رزمق نے ٹارچ روشن کر لی اور دوسرے ہی لمحہ چونک گیا۔

ایک سیاہ ناگ گرے ہوئے گھوڑے کی ٹانگ سے لپٹا ہوا تھا۔ رزمق کو سمجھنے میں دیر

نہیں لگی کہ اس گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ روشنی پڑتے ہی سانپ نے گھوڑے کی ٹانگ سے بل کھول لئے اور تیزی سے رینگتا ہوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ رزمق نے آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی میں گھوڑے کا جائزہ لیا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔ کوئی بہت ہی زہریلا سانپ تھا۔ رزمق کے خیال میں اس گھوڑے کا زندہ بچنا بہت مشکل تھا۔ وہ کچھ دیر تک گھوڑے کو تڑپتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر واپس آ گیا۔ ظاہر ہے وہ دم توڑتے ہوئے گھوڑے کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

رزمق سرنگ میں واپس آ گیا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ وہ رات انہوں نے سرنگ میں بیٹھ کر ہی گزاری تھی۔ سرنگ کے باہر صبح کی بہت مدھم روشنی پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ رزمق ان دونوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کر کے سرنگ کے اندرونی حصے میں غائب ہو گیا۔ اس کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی۔

"حویلی خالی ہے۔ وہ لوگ کہیں جا چکے ہیں۔" رزمق نے بتایا۔

"کیا.....؟" کندن اچھل پڑی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ حویلی میں کسی کا نام و نشان نہیں ہے۔" رزمق نے جواب دیا۔

"چلو! میرے ساتھ چلو۔" کندن ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

وہ تینوں سرنگوں میں چلتے ہوئے حویلی کی ایک عمارت کے کمرے میں پہنچ گئے۔

رزمق نے غلط نہیں کہا تھا۔ حویلی میں کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ محتاط انداز میں حویلی کے مختلف حصوں میں گھومتے ہوئے اس عمارت میں آ گئے جہاں کچن بھی تھا اور گوپانگ والا کمرہ بھی۔ رزمق چاقو ہاتھ میں لئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن اس کا خدشہ بے بنیاد نکلا۔ حویلی میں کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ جیسے ہی گوپانگ والے کمرے میں داخل ہوئے، تینوں اچھل پڑے۔ سامنے ہی فرش پر ایک عورت کی لاش پڑی تھی۔ وہ تینوں دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ عورت خون میں لت پت تھی۔ سینے میں دستے تک ایک خنجر پیوست تھا۔

رزمق لاش کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے جیسے ہی سینے میں پیوست خنجر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس عورت نے آنکھیں کھول دیں..... وہ زندہ تھی۔

زریاب اور کندن بھی اس پر جھک گئیں۔ وہ دونوں گہری نظروں سے عورت کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

☆

"مم..... مت کھینچو..... میرے سینے سے خنجر مت کھینچو۔" اس زخمی عورت کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی بہت ہی کمزور سی آواز نکلی۔

رزمق نے جلدی سے اپنا ہاتھ خنجر کے دستے سے ہٹالیا اور مڑ کر زریاب اور کندن کی طرف دیکھنے لگا۔

زریاب نے کندن کی طرف دیکھا۔ پھر اس عورت کی طرف دیکھنے لگی جسے وہ مردہ سمجھے تھے۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ دونوں بانہوں پر بھی زخموں کے نشان تھے۔ دائیں رخسار پر آنکھ سے لے کر جبڑے تک ایک لمبا زخم تھا جس سے خون رس رہا تھا۔ پیٹ پر بھی زخم کے دو نشان تھے۔ اس کے پھٹے ہوئے کپڑوں اور جسم پر زخموں کے ان نشانات سے اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ اس نے ڈھیر ہونے سے پہلے اپنے بچاؤ کے لئے خاصی مزاحمت کی ہوگی اور پھر سینے میں خنجر پیوست کرنے کے بعد وہ لوگ اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔

"تم کون ہو.....؟ کیا تم میری آواز سن سکتی ہو؟" زریاب نے مزید جھکتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں زخمی عورت کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اس عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرب و اذیت کے تاثرات تھے۔ آنکھوں میں ویرانی تھی۔ اس نے دو تین مرتبہ پلکیں جھپکیں پھر کچھ کہنا چاہا مگر ہونٹ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

"تم کون ہو.....؟ اس حویلی میں کیسے آئی تھیں۔ وہ لوگ کہاں گئے؟" زریاب نے کہا۔ "ہاں ہاں..... کوشش کرو۔ تم بول سکتی ہو..... ہمت سے کام لو....."

"ج..... گیر دار کی..... زندگی خطرے میں..... ہے۔" اس عورت کے ہونٹوں سے ایک پھر سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔ آواز اس قدر کمزور تھی کہ زریاب کو مزید نیچے جھکنا پڑا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"جاگیر دار کہاں ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں؟ تم کون ہو؟" زریاب نے پوچھا۔

"مم..... میرا نام روشن ہے۔" اس عورت کے ہونٹ ایک بار پھر پھڑ پھڑائے۔

"مم..... میں..... نر..... س ہوں۔" وہ رک رک کر بتانے لگی۔ "یہ لوگ..... مجھے بہت عرصہ پہلے کسی بیمار کی دیکھ بھال کے لئے لائے تھے۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا کہ جس مریض کی دیکھ بھال کے لئے میری خدمات حاصل کی گئی ہیں وہ جاگیر دار نمران ہے۔ دوسرے ہی دن مجھے اندازہ ہو گیا کہ انہوں نے جاگیر دار کو قیدی بنا رکھا ہے۔ انہوں نے زمیندار کو تہہ خانے میں قید کر رکھا تھا۔ دن میں ایک مرتبہ دو تین گھنٹوں کے لئے اسے قید خانے سے نکالا جاتا۔ جن دنوں میں یہاں آئی تھی جاگیر دار نمران کو بظاہر کوئی بیماری نہیں تھی۔ بس ذرا سی کمزوری تھی۔ اسے جو دوائیں دی جا رہی تھیں انہوں نے مجھے چونکا دیا۔ وہ دراصل ایک طرح کا زہر ہے۔ جس سے انسان مرتا نہیں لیکن اس کے مسلسل استعمال سے انسان بتدریج کمزور اور مفلوج ہوتا چلا جاتا ہے۔ چند روز بعد انکشاف ہوا کہ میں بھی اس حویلی کی قیدی بن کر رہ گئی ہوں۔ ڈاکٹر شمیر مہینے میں دو مرتبہ یہاں آتا تھا۔ وہی علاج کے بہانے جاگیر دار کو ذہنی اور جسمانی طور پر مفلوج کرنے والی دوائیں دے رہا تھا۔ ڈاکٹر شمیر ایک لالچی آدمی ہے۔ اس کی باتوں سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس جاگیر کا منیجر رکھیل شاہ جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے ایک بھیانک کھیل، کھیل رہا ہے۔ مجھے جاگیر دار سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ میں نے جاگیر دار کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا اور اسے استعمال کرائی جانے والی دواؤں کی مقدار کم کر دی۔ موقع ملتا تو میں وہ دوا استعمال کرنے کی بجائے ضائع کر دیتی۔ اگر میں جاگیر دار کو وہ دوائیں باقاعدگی سے استعمال کراتی رہتی تو اب تک ان کا منصوبہ کامیاب ہو چکا ہوتا۔ انہیں بھی حیرت تھی کہ وہ دوائیں پوری طرح اثر کیوں نہیں کر رہیں۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ میں اسے باقاعدگی سے دوائیں استعمال نہیں کرا رہی تو شاید بہت پہلے مجھے قتل کر دیا جاتا۔

مجھے اور جاگیر دار کو دن میں دو تین گھنٹوں کیلئے تہہ خانے سے باہر لے جایا جاتا تھا۔ اس وقت خوفناک کتے کھول دیئے جاتے اور خامس بھی ہمارے آس پاس ہی موجود رہتا۔ لیکن پچھلے چند روز سے ہمارا تہہ خانے سے نکلنا بند کر دیا گیا اور پھر ایک روز جاگیر دار نے بتایا کہ زریاب نام کی کوئی لڑکی حویلی میں آئی ہوئی ہے۔ میں جانتی ہوں زریاب کو جاگیر دار ہی

نے خط لکھ کر یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

جاگیر دار ایک رات کسی خفیہ راستے سے زریاب کے کمرے میں جا کر اس سے ملا بھی تھا۔ لیکن شاید خامس اور گوپانگ کو شبہ ہو گیا تھا۔ وہ دن یا رات کو کسی بھی وقت چیک کرنے کے لئے تہہ خانے میں آجاتے۔ کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ خامس تہہ خانے کا چکر لگا کر گیا اور پانچ منٹ بعد پھر آگیا۔ وہ عجیب و غریب قسم کا انسان ہے یا کوئی بدروح۔ بہت ہی پراسرار آدمی ہے۔ اس کی وجہ سے جاگیر دار کو اپنے تہہ خانے سے نکلنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ بے چین سا رہنے لگا تھا۔ پچھلے چند روز سے اسے اپنی بیٹی کندن بہت یاد آرہی تھی جس کا دس سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ وہ اکثر مجھ سے اپنی بیٹی کا ذکر کیا کرتا تھا۔ زریاب سے ملاقات کے بعد تو اس نے کئی مرتبہ مجھ سے کہا تھا کہ اس کی بیٹی کی روح اس حویلی میں بھٹک رہی ہے۔" روشن کی آواز بہت کمزور ہو گئی تھی۔ وہ خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

کندن کے دل پر ایک گھونسہ سا لگا۔ اس کا باپ قید و بند کی صعوبتوں میں بھی اسے نہیں بھول سکا تھا۔ وہ بے چارہ یہی سمجھ رہا تھا کہ کندن مر چکی ہے۔ وہ خاموشی سے روشن کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا روشن؟" زریاب نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

"گزشتہ چند روز سے خامس اور گوپانگ خاصے پریشان ہیں۔" روشن کمزور سے لہجے میں کہنے لگی۔ "اس دوران جاگیر کا منیجر رکھیل شاہ بھی دو مرتبہ یہاں آچکا ہے۔ وہ جاگیر دار سے کچھ کاغذات پر دستخط کروانا چاہتا تھا لیکن جاگیر دار نے دستخط نہیں کئے۔ آخری مرتبہ اس پر کچھ تشدد بھی کیا گیا لیکن رکھیل شاہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"پچھلے دو تین روز سے تو خامس اور گوپانگ کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں۔ اس نے میرے سامنے جاگیر دار کو بتایا تھا کہ اس کی ہمدرد زریاب حویلی سے فرار ہو گئی ہے۔ یہ سن کر جاگیر دار بہت خوش ہوا تھا۔ اور پھر آج تو وہ دونوں بڑی افراتفری میں تھے۔ بار بار تہہ خانے میں آرہے تھے۔ ان کی آج کی رات بڑی بھاگ دوڑ میں گزری ہے۔ میں نے انہیں باتیں کرتے سنا تھا کہ کچھ لوگ حویلی میں گھس آئے ہیں اور اب یہ حویلی ان کے لئے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

محفوظ نہیں رہی۔ اس لئے انہیں فوری طور پر جاگیر دار کو لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ جب وہ جاگیر دار کو اس تہہ خانے سے لے جانے لگے تو جاگیر دار نے مزاحمت کی۔ جس پر خامس نے اس پر تشدد بھی کیا۔

جب میں نے ان کے پیچھے جانا چاہا تو خامس نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا اور خود جاگیر دار کو لے کر نکل گئے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ مجھے اس تہہ خانے میں بند کر کے جانا چاہتے ہیں جہاں میں ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گی۔ مجھے اس خفیہ راستے کا پتہ چل گیا تھا۔ میں بھی تھوڑی ہی دیر بعد باہر آ گئی۔ وہ لوگ گوپانگ والے کمرے میں تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ دونوں کچھ بدحواس سے ہو گئے اور پھر خامس نے گوپانگ کا اشارہ پا کر خنجر نکال لیا۔ پہلے اس نے مجھے ڈرا دھمکا کر کسی اور تہہ خانے میں دھکیلنے کی کوشش کی۔ میں مزاحمت کرتی رہی۔ اس مزاحمت میں میرے کپڑے بھی پھٹ گئے۔ اور جب خامس نے یہ دیکھا کہ میں اس طرح اس کے قابو میں نہیں آ رہی تو اس نے مجھ پر خنجر سے وار کیا۔ میں بچنے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ مجھ پر پے در پے وار کرتا رہا۔ آخری وار کے بعد میں تڑپ تڑپ کر بے حرکت ہو گئی اور وہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ وہ جاگیر دار کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔" روشن خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

"روشن.....!" زریاب اس پر مزید جھکتے ہوئے بولی۔ "کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ جاگیر دار کو کہاں لے گئے ہیں؟"

"زر..... زرغون....." روشن نے رک رک کر جواب دیا۔ "میں نے انہیں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا کہ وہ جاگیر دار کو زرغون لے جائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون سی جگہ ہے اور کہاں ہے لیکن....." وہ خاموش ہو گئی۔

اس کی آنکھیں بھی بند ہو گئی تھیں۔ زریاب نے اس کی ناک کے سامنے انگلی رکھ کر دیکھا۔ وہ زندہ تھی۔ سانس کی بہت ہلکی آمد و رفت محسوس ہو رہی تھی۔

"روشن! کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟" زریاب اس پر جھکتے ہوئے بولی۔ "جاگیر دار کے پاس کچھ کاغذات تھے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ اس نے وہ کاغذات کہاں رکھے ہوئے ہیں؟"

روشن نے آنکھیں کھول دیں۔ لگتا تھا جیسے اسے آنکھیں کھولنے میں بھی تکلیف ہو رہی ہو۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہونٹ پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔

"ہاں..... کہو کہو....." زریاب نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کر دیا۔

"ہاں.....!" روشن کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ بہت کمزور سی آواز زریاب کی سماعت سے ٹکرائی۔ "وہ..... وہ..... فا..... کل..... شیر..... ا..... ن....."

اس کی آواز بند ہو گئی۔ زریاب نے اس کی ناک کے سامنے انگلی رکھی.... پھر نبض ٹٹول کر دیکھی۔ لیکن..... وہاں کچھ نہیں تھا۔ روشن زندگی کی قید سے آزاد ہو چکی تھی۔

زریاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے روشن کی آنکھیں بند کر دیں اور سیدھی ہو کر رزمق کی طرف دیکھنے لگی۔ کندن بھی سیدھی ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ رزمق نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے روشن کے سینے میں پیوست خنجر کے دستے پر ہاتھ رکھا اور اسے ایک جھٹکے سے باہر کھینچ لیا۔ روشن کی لاش کو جھٹکا سا لگا اور زخم سے بہت گاڑھے خون کا فوارہ سا ابلا۔ رزمق نے روشن ہی کے لباس سے خنجر صاف کیا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ بہت ہی عمدہ سٹیل کا دو دھاری خنجر تھا۔ اس نے زریاب اور کندن کی طرف دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"زرغون کہاں ہے؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے کندن کی طرف دیکھا۔

"میں نے زرغون کا نام سنا تو ضرور ہے لیکن مجھے نہیں معلوم یہ جگہ کہاں ہے۔ شاید رزمق جانتا ہو۔" کندن کہتے ہوئے رزمق کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ جگہ دیکھی تو میں نے بھی نہیں۔ لیکن سنا ہے کہ یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو میل شمال کی طرف ایک ہل سٹیشن ہے۔ درویش پور سے پوری معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" رزمق نے کہا۔

"اور شیران کون ہے؟" زریاب نے پھر پوچھا۔

"میں اسے نہیں جانتا۔" رزمق نے جواب دیا۔

"اسے تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔" زریاب نے کہا۔ "تمام کاغذات اس کے قبضے میں ہیں۔ جاگیر دار نے مجھے جن تاریخی دستاویزات کے بارے میں بتایا تھا ان کے علاوہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جاگیر کے دیگر کاغذات بھی اس فائل میں ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ فائل رکھیل شاہ کے قبضے میں چلی گئی تو یہ جاگیر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

"مجھے جاگیر سے زیادہ بابا کی زندگی کی فکر ہے۔" کندن نے کہا۔ "پہلے ہمیں بابا کو تلاش کرنا چاہئے۔"

"پہلے ہم باباہی کو تلاش کریں گے۔" زریاب نے کہا۔ "لیکن حویلی سے نکلنے سے پہلے ہمیں یہاں کی تلاشی لے لینی چاہئے۔ ہو سکتا ہے یہاں کوئی ایسا سراغ مل جائے اس کے سہارے ہم آسانی سے ان تک پہنچ سکیں۔ اس کے علاوہ ہمیں اس کا بھی بندوبست کرنا ہو گا۔ اس نے روشن کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ اسے اس طرح تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"اس کا بندوبست میں کر لیتا ہوں۔ آپ لوگ ان کمروں کی تلاشی لے لیں جو کھلے ہوئے ہیں یا جہاں سے کچھ ملنے کی توقع ہو سکتی ہے۔" رزمق نے کہا۔ اسے تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک کدال مل گئی۔ وہ اس بلاک کے باہر گڑھا کھودنے لگا۔

زریاب کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس نے بستر پر بچھی ہوئی چادر اٹھا کر روشن کی لاش پر ڈال دی اور پھر کندن کے ساتھ مل کر کمرے کی تلاشی لینے لگی۔

گوپانگ کا یہ کمرہ بہت شاندار تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک کھڑکی کے سامنے تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر کنگ سائز ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں تین الماریاں تھیں۔ لکڑی کی دو الماریاں تو الگ سے دیوار کے ساتھ کھڑی تھیں اور تیسری الماری دیوار ہی میں بنی ہوئی تھی۔ کندن نے ایک الماری کھول لی تھی جس میں اوپر والے خانے میں ہینگروں پر کچھ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ نچلے خانے میں بھی کپڑے تہہ کئے ہوئے رکھے تھے۔ زریاب نے دوسری الماری کھولی اس میں بھی کپڑے تھے لیکن یہ کپڑے پہلی الماری میں بھرے ہوئے کپڑوں سے بہت مختلف تھے۔ ان کی تراش خراش پرانی طرز کی تھی۔

اس الماری میں بھی کام کی کوئی چیز نہیں ملی۔ وہ دونوں بیک وقت تیسری الماری کی طرف بڑھیں۔ یہ الماری ان دونوں الماریوں سے بڑی تھی۔ اس کے چار دروازے تھے۔ ان دونوں نے بیک وقت ایک، ایک دروازہ کھول لیا۔ زریاب نے جو دروازہ کھولا تھا اس میں بستر کی چادریں، تولئے اور اسی قسم کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

زریاب نے دوسرا دروازہ کھولا ہی تھا کہ اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ درمیان والے خانے میں اس کا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ اس نے سوٹ کیس نکال کر پلنگ پر رکھ دیا اور کھول کر چیزوں کا جائزہ لینے لگی۔ تمام چیزیں موجود تھیں۔ زپ والے خانے میں اس کی رقم بھی جوں کی توں رکھی ہوئی تھی۔ اس کی وہ ڈائری بھی موجود تھی جس کے صفحات سے اس کی تحریر غائب ہو چکی تھی۔

وہ اٹھ کر دوبارہ الماری کے قریب آ گئی۔ اس دوران کندن الماری کا آخری دروازہ کھول چکی تھی۔ اس خانے میں چند فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ فائلیں اس قدر پرانی تھیں کہ ان کے کاغذ بھی خستہ ہو چکے تھے۔ کندن ایک ایک کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

زریاب نیچے بیٹھ گئی۔ سب سے نیچے ایک دراز تھی۔ اس نے جیسے ہی دراز کھولی اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ دراز میں سب سے اوپر اس کی ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر پلنگ کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی ڈائری کھلے ہوئے سوٹ کیس میں سب سے اوپر رکھی ہوئی تھی۔

زریاب نے دراز میں سے وہ ڈائری نکال لی۔ پہلے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے جیسے ہی پہلا صفحہ کھولا، اُچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اندر والے پہلے صفحہ پر اس کی اپنی ہینڈ رائٹنگ میں اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے دوسرا صفحہ پلٹا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ صفحات پلٹتی گئی۔ اس ڈائری کے صفحات پر اس کی وہ تحریر موجود تھی جو اس رات اس نے لکھی تھی۔

زریاب کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ پلنگ کے قریب آ گئی اور سوٹ کیس میں سے دوسری ڈائری اٹھا کر دونوں ڈائریوں کا موازنہ کرنے لگی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سائز، حجم، کور کی رنگت اور نیچے بائیں کونے میں کمپنی کا نام بھی وہی تھا۔

زریاب چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ یہ ڈائریاں بازار میں عام طور پر دستیاب تھیں۔ زریاب کی اصل ڈائری غائب کرنے کے بعد گوپانگ درویش پور سے بالکل ایسی ہی ایک اور ڈائری لے آیا تھا جسے دوسرے دن اس کے کمرے میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس طرح حویلی کے بارے میں وہ لوگ جو تاثر دینا چاہتے تھے اس میں کامیاب ہو گئے تھے۔ حویلی میں پراسرار قسم کے واقعات رونما ہو رہے تھے جن

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سے زریاب واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی۔ ڈائری غائب ہو جانا اور پھر دوبارہ مل جانا اپنی جگہ ایک الگ بات تھی لیکن ڈائری کے صفحات سے تحریر غائب ہو جانا تو واقعی ایک پراسرار بات تھی جس نے نہ صرف زریاب کو چکرا کر رکھ دیا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ لیکن رونما ہونے والے دوسرے پراسرار واقعات کی طرح یہ راز بھی کھل گیا تھا اور ڈائری سے تحریر غائب ہو جانے والے معمہ کا اسرار بھی کھل گیا تھا۔

پھر زریاب الماری میں بھری ہوئی فائلوں کا جائزہ لینے لگی۔ بیشتر کاغذات پر پچاس سال پہلے کی تاریخیں درج تھیں۔ ان فائلوں میں زیادہ تر کاغذات کسی قسم کے حساب کتاب پر مشتمل تھے۔ کچھ خطوط تھے۔ کندن بھی ان فائلوں کو دیکھتی رہی۔ پھر وہ دونوں تصویروں والا لفافہ تلاش کرنے لگیں لیکن وہ لفافہ نہیں ملا۔ الماری کی ایک دراز میں بھورے رنگ کا ایک کاغذ بچھا ہوا تھا۔ زریاب نے جیسے ہی وہ کاغذ اٹھایا اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ کاغذ کے نیچے ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔ زریاب نے جلدی سے وہ تصویر اٹھالی۔

"یہ دیکھو!" اس نے کندن کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان میں سے ایک تصویر یہ ہے۔ انہوں نے میری تصویروں والا وہ لفافہ دراز میں بچھے ہوئے اس کاغذ کے نیچے رکھا ہو گا اور لفافہ یہاں سے نکالتے ہوئے یہ تصویر گر گئی ہو گی۔" اس نے تصویر کندن کی طرف بڑھادی۔

یہ تصویر دراصل ایک بڑے پورٹریٹ کو سامنے رکھ کر کھینچی گئی تھی۔ اس بلیک اینڈ وائٹ تصویر میں اس بوڑھی عورت کے نقوش بڑے نمایاں تھے۔

تصویر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس عورت کی عمر اسی پچاسی سال سے کسی طرح بھی کم نہیں رہی ہو گی۔ چہرے پر جھریاں مکڑی کے جالے کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ ٹھوڑی کے نیچے کھال لٹکی ہوئی تھی۔ بال بالکل سفید تھے۔ کانوں میں چوڑیوں کی طرح بڑے بڑے بالے تھے جن کے وزن سے کان بھی نیچے سے کچھ لٹکے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ اس عمر میں عام طور پر آنکھوں میں مایوسی کی جھلک آ جاتی ہے۔ لیکن اس عورت کی آنکھوں میں حیرت انگیز طور پر زندگی کی بھرپور چمک تھی۔

"یہ..... یہ تو میری دادی مہتاب کی تصویر ہے۔ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

کندن نے تصویر دیکھتے ہی کہا۔

"تمہاری دادی؟" زریاب کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ "یہ انہی تصویروں میں سے ایک ہے جو میں جاگیردار کو دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لائی تھی۔"

"کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ یہ تصویر تمہارے پاس تھی؟" کندن نے اسے گھورا۔

"ہاں! یہ تصویر بھی اسی لفافے میں تھی۔" زریاب نے کہا۔ "لیکن کیا تمہیں کوئی دھوکا تو نہیں ہو رہا؟ میرا مطلب ہے بعض چہرے....."

"نہیں زریاب!" کندن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں یہ چہرہ کیسے بھول سکتی ہوں۔ میرا بچپن اس کی آغوش میں گزرا ہے۔ بڑی شفیق، مہربان، رحمدل اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو میں گیارہ سال کی تھی۔ نہیں! میں اپنی دادی کو کبھی نہیں بھول سکتی۔ یہ میری دادی کی تصویر ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کا یہ پورٹریٹ ان کے انتقال سے صرف چار پانچ مہینے پہلے بنایا گیا تھا۔ وہ آرٹسٹ شہر سے آیا تھا..... کئی ہفتے حویلی میں رہا۔ جب وہ دیر تک دادی کو اپنے سامنے بٹھائے رکھتا تو دادی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر وہاں سے چلی جاتیں۔ آرٹسٹ نے بڑی محنت سے یہ پورٹریٹ بنایا ہے جسے دادی کے کمرے میں آویزاں کر دیا گیا تھا اور میرا خیال ہے وہ پورٹریٹ اب بھی اسی کمرے میں ہو گا۔"

"تمہارے والد کے دادا جیدار بخت اور تمہاری دادی کی یہ تصویر میرے ڈیڈی کے پاس! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" زریاب سر جھٹکنے لگی۔ "تمہاری دادی کا کمرہ کون سا ہے؟ میں وہ پورٹریٹ دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہیں اس کمرے میں لے چلوں گی۔ پہلے یہاں اپنا کام مکمل کر لیں۔" کندن نے کہا۔

وہ ایک بار پھر کمرے کی تلاشی لینے لگیں۔ انہوں نے پلنگ کا میٹرس اٹھا دیا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو ان کی رہنمائی کر سکتی۔

وہ اس کمرے سے نکل کر کچن میں آ گئیں۔ یہاں بھی انہیں کچھ نہیں ملا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں آ گئیں۔ یہاں خورد و نوش کا سامان بھرا ہوا تھا۔ زریاب کے خیال میں پانچ چھ افراد کے لئے کم از کم تین مہینوں کے لئے یہ راشن کافی تھا۔ اس کمرے میں بھی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

انہیں کام کی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔

وہ مختلف کمروں سے ہوتی ہوئیں ایک اور کمرے کے سامنے آکر رک گئیں۔ دروازے کو تالا لگا ہوا تھا۔ تالا بہت قدیم طرز کا تھا۔ زریاب نے تو اس قسم کا تالا زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے کسی تار وغیرہ سے کھولنا آسان نہیں تھا۔ کندن اور زریاب برآمدے سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ کندن برآمدے سے اتر کر ایک بڑا سا پتھر اٹھا لائی اور زور زور سے تالے پر مارنے لگی۔

تالے پر پتھر کی ضربوں کی آواز پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔ تالا بے حد مضبوط تھا۔ کئی ضربوں کے بعد بھی نہیں ٹوٹ سکا۔ اس کے برعکس پتھر کے کچھ ٹکڑے ٹوٹ گئے تھے۔ اب زریاب نے کندن سے پتھر لے لیا اور تالے پر ضربیں لگانے لگی۔ پندرہ بیس منٹ کی کوشش کے بعد بالآخر تالا ٹوٹ گیا۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہو گئیں لیکن انہیں بڑی تیزی سے واپس پلٹ جانا پڑا۔ یوں لگتا تھا جیسے کمرے میں کوئی زہریلی گیس بھری ہوئی ہو۔ یہ کمرہ کئی برسوں سے بند پڑا تھا۔ تمام کھڑکیاں اور روشندان بھی بند تھے جس کی وجہ سے کمرے کے اندر کی فضا بہت ہی ناگوار سی ہو گئی تھی۔

وہ تقریباً دس منٹ تک باہر کھڑی رہیں۔ پھر اندر داخل ہو کر سب سے پہلے کھڑکیاں کھول دیں۔ کھڑکیاں کھلتے ہی تازہ ہوا اندر داخل ہوئی تو فضا سانس لینے کے قابل ہوئی۔

"وہ ہے دادی اماں کا پورٹریٹ۔" کندن نے آتش دان کے اوپر دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

زریاب دیوار کی طرف دیکھنے لگی۔ چار بائی تین فٹ کا کینوس فریم تھا لیکن اس قدر گرد جمی ہوئی تھی کہ کینوس پر بنی ہوئی تصویر بھی گرد کی تہہ کے نیچے چھپ گئی تھی۔ زریاب نے ایک کرسی گھسیٹ کر آتش دان کے قریب رکھی اور اس پر چڑھ کر کینوس کا فریم اتارنے لگی۔ فریم دو کیلوں پر اٹکا ہوا تھا اور خاصا وزنی تھا۔ اوپر اٹھاتے ہوئے زریاب اس کا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور وہ الٹ کر اس کے سر پر گرا۔

زریاب کو یوں لگا جیسے مٹی کا بھرا ہوا ٹوکرا اس کے سر پر الٹ دیا گیا ہو۔ فریم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا جو کرسی سے ٹکراتا ہوا فرش پر گر گیا۔ زریاب دھول کے بادل میں

لپٹی ہوئی تھی۔ اور جب دھول چھٹی تو اسے دیکھ کر کندن کے حلق سے بے اختیار قہقہے پھوٹ پڑے۔ زریاب سر سے پیر تک دھول میں اٹی ہوئی تھی۔ کندن اسے پکڑ کر دوسری دیوار پر لگے ہوئے قد آدم آئینے کے سامنے لے گئی۔ آئینے پر بھی دھول کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کندن نے ہاتھ سے آئینے کا کچھ حصہ صاف کیا اور زریاب کو اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر زریاب بھی اپنے قہقہے نہیں روک سکی تھی۔

وہ دونوں کچھ دیر تک قہقہے لگاتی رہیں۔ پھر آئینے کے سامنے سے ہٹ کر آتش دان کی طرف آگئیں۔ زریاب فرش پر پڑے ہوئے فریم کی طرف دیکھنے لگی۔ گرنے سے فریم کی گرد جھڑ گئی تھی۔ تصویر صاف ہو گئی تھی۔ زریاب متوحش نظروں سے تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی تصویر تھی جو اس نے کندن کو دکھائی تھی۔

اس نے فریم اٹھا کر آتش دان کے کارنس پر رکھ دیا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر ایک بار پھر گہری نظروں سے تصویر کو دیکھنے لگی۔ بوڑھی عورت کا یہ چہرہ بہت خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا۔

"حیرت انگیز!" وہ کندن کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی۔ "یہ تمہاری دادی ہے اور جیدار بخت تمہارا پردادا۔ لیکن میرے ڈیڈی کے پاس ان دونوں کی تصویروں کی موجودگی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ اگر ڈیڈی نے کبھی ان کا تذکرہ کیا ہوتا تو شاید میرا ذہن اس قدر نہ الجھتا۔ اس رات جب تمہارے بابا سے ملاقات ہوئی تھی تو میں نے جیدار بخت والی تصویر کا تذکرہ کیا تھا۔ اس کا پورٹریٹ بھی میں نے اسی حویلی کے ایک کمرے میں آویزاں دیکھا تھا۔ تمہارے بابا کی باتوں سے صرف اتنا انکشاف ہوا تھا کہ جیدار بخت کا تعلق پٹنگ آباد سے تھا اور میرے دادا روشن ضمیر بھی پٹنگ آباد ہی سے آکر کلاچی میں آباد ہوئے تھے۔ میرے والد کی پیدائش کلاچی ہی میں ہوئی تھی لیکن میرے دادا روشن ضمیر اور تمہارے والد کے دادا جیدار کا پٹنگ آباد سے تعلق یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان دونوں میں بھی کوئی تعلق ضرور تھا۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ ہمارا اور تمہارا خاندان ایک ہی ہے لیکن حویلی میں اور میرے والد کے پاس ان تصویروں کی موجودگی نے معاملہ الجھا دیا ہے۔ کاش! یہ گتھی کسی طرح سلجھ جائے تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ روشن ضمیر اور جیدار بخت میں کوئی قریبی رشتہ ہو؟" کندن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کہا۔

"یہی تو معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ان کا آپس میں کیا رشتہ تھا۔" زریاب نے کہا۔ "وہ باپ بیٹا تھے یا بھائی تھے یا آپس میں دشمن تھے۔ کاش! کاش! کوئی ایسی چیز مل جائے جو اس معمے کو حل کر سکے۔ تمہارے والد سے ملاقات کے بعد یہ امید بندھی تھی کہ ان کی باتوں اور ان کے پاس موجود دستاویزات سے کچھ حقائق کھل کر سامنے آئیں گے لیکن یہاں صورتحال کچھ اور ہی رنگ اختیار کر چکی ہے۔ روشن کے کہنے کے مطابق ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہمیں سب سے پہلے ان پر توجہ دینی ہوگی۔"

"ہاں!" کندن نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "رکھیل شاہ اس جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ بابا کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جب تک اس سلسلے میں اس کے سارے کام مکمل نہیں ہو جاتے اور پھر وہ کاغذات جو بابا نے شیران نامی کسی آدمی کی تحویل میں دے رکھے ہیں بہت اہم ہیں۔ تم ہی نے بتایا تھا کہ بابا کے کہنے کے مطابق ان کاغذات کی موجودگی میں رکھیل شاہ کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کاغذات رکھیل شاہ کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ انہیں ضائع کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ بابا کے بعد سب سے اہم شخصیت ہمارے لئے شیران نامی اس شخص کی ہے جس کی تحویل میں وہ کاغذات ہیں۔ اگر رکھیل شاہ شیران کے بارے میں جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ کاغذات اس کی تحویل میں ہیں تو وہ اسے گرفت میں لے کر کاغذات پر قبضہ کر سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔" زریاب نے کہا۔ "اگر رکھیل شاہ کو شیران یا ان کاغذات کے بارے میں پتہ ہوتا تو وہ اب تک ان پر قبضہ کر چکا ہوتا اور اس طرح تمہارے بابا کو مسلسل قید میں نہ رکھتا۔"

"نہیں۔" کندن نے جواب دیا۔ بابا کے ہوتے ہوئے شاید وہ کاغذات اس کے لئے اتنی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن بہرحال اگر وہ کاغذات اس کی تحویل میں چلے گئے تو بہت ہی خطرناک بات ہوگی۔ اس لئے ہمیں شیران کا بھی سراغ لگانا ہوگا۔"

"شیران تمہارے بابا کا وکیل تو نہیں؟" زریاب نے پوچھا۔

"مجھے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں۔" کندن نے جواب دیا۔ "بارہ سال پہلے جب میں حویلی میں تھی تو زخمی ڈیڈی کا قانونی مشیر تھا۔ جاگیر کے تمام قانونی معاملات سے نمٹنا اسی

کی ذمہ داری تھی۔"

"زخمی؟" زریاب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن اتفاق سے وہ شاعر بھی تھا اور زخمی اس کا تخلص تھا۔ وہ اسی نام سے زیادہ معروف تھا۔ بہرحال اس وقت تو وہی ڈیڈی کا وکیل تھا۔ اس کے بعد اگر ڈیڈی نے کسی اور کی خدمات حاصل کر لی ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتی۔" کندن نے جواب دیا۔

"نہیں!" زریاب نے نفی میں سر ہلایا۔ "اتنی بڑی جاگیر کے قانونی مشیر کو آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ ریاستوں اور جاگیروں کے مسائل خاصے پیچیدہ ہوتے ہیں ان کے قانونی مشیروں کو آسانی سے سبکدوش نہیں کیا جا سکتا۔"

"لیکن جاگیر کا سارا انتظام اب رکھیل شاہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز اس کی مٹھی میں ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔" کندن نے کہا۔

"ہاں! یہ ممکن ہے۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ شیران تمہارے ڈیڈی کا وکیل نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی اتنا جانتے ہوں گے کہ رکھیل شاہ سب سے پہلے ان کے قانونی مشیر ہی کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وکیل ہی اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوگا۔ وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ جاگیردار کے اہم کاغذات اور جاگیردار کا وصیت نامہ وکیل ہی کی تحویل میں ہوگا۔"

"رکھیل شاہ نے سب سے پہلے پھر تو اسی پر ہاتھ صاف کیا ہوگا۔" کندن نے جواب دیا۔

"نہیں کندن!" زریاب نے نفی میں سر ہلایا۔ "شیران تمہارے ڈیڈی کا وکیل نہیں ہوگا۔ وہ کوئی ایسا شخص ہے جس پر تمہارے ڈیڈی کو بہت زیادہ بھروسہ ہے۔ ورنہ اتنے اہم کاغذات اس کی تحویل میں نہ دیئے جاتے۔"

کندن جواب دینے کی بجائے سوچ میں پڑ گئی۔

زریاب میز کی سطح پر جمی ہوئی گرد پر انگلی سے آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نظر اس کی درازوں پر پڑ گئی۔ دو درازیں دائیں طرف تھیں اور دو بائیں طرف۔

"تمہاری دادی کے کمرے میں یہ رائٹنگ ٹیبل! انہیں کچھ لکھنے لکھانے کا شوق تھا؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے کندن کی طرف دیکھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"وہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ عربی اور فارسی زبانوں پر انہیں عبور حاصل تھا اور سنا ہے کہ وہ اپنے دور کی بڑی ادب دوست خاتون تھیں۔ ان کی وجہ سے حویلی میں بڑی رونقیں ہوا کرتی تھیں۔ آئے دن ملک بھر کے شعراء اور دانشور جمع رہتے تھے۔" کندن نے بتایا۔

زریاب میز کے سامنے گرد آلود کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے دائیں طرف کی اوپر والی دراز کھول لی۔ اس میں دو تین گرد آلود کاغذ پڑے ہوئے تھے۔ ہر کاغذ پر فارسی میں ایک ایک دو دو شعر لکھے ہوئے تھے۔ کندن فارسی نہیں جانتی تھی۔ اس نے کاغذ اسی دراز میں رکھ دیئے اور نیچے والی دراز کھول لی۔ اس میں کاغذوں کا ایک موٹا سا پلندہ پڑا ہوا تھا۔ ان کاغذوں کو ایک موٹا دھاگا پرو کر باندھا گیا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح فائل کے کاغذات کو اوپر والے کونے میں ٹھیک سے باندھا جاتا ہے۔ لیکن اس پلندے پر کوئی فائل کور نہیں تھا۔

زریاب گرد جھاڑ کر سب سے اوپر والے کاغذ کو دیکھنے لگی۔ یہ تحریر اُردو میں تھی۔ ہینڈ رائٹنگ بڑی پختہ تھی۔ عام طور پر وکیلوں کے منشی اور عرضی نویس قسم کے لوگ اس انداز میں لکھا کرتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے کے ادیب، شاعر اور دانشور قسم کے لوگوں کے لکھنے کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

زریاب پہلے چند جملے بڑی مشکل سے پڑھ سکی تھی لیکن پھر اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ کسی دلچسپ داستان کی ابتدا تھی۔ زریاب صفحات پلٹ پلٹ کر رکھنے لگی۔ اس نے جو جملہ بھی پڑھا اس میں اسے خاصی دلچسپی نظر آئی تھی۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو کاغذ تھے اور ہر کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھا ہوا تھا۔ کاغذوں کی رنگت پیلی پڑ چکی تھی اور وہ خاصے خستہ ہو چکے تھے لیکن زریاب کو یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کہ یہ تحریر نامکمل تھی۔ اس سے آگے کے صفحات نہیں تھے۔ زریاب میز کی دوسری درازیں کھول کر دیکھنے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید باقی صفحات کسی دوسری دراز میں ہوں لیکن اسے بے حد مایوسی ہوئی۔ تمام درازیں خالی تھیں۔

کہیں کہیں سے چند جملے پڑھنے سے زریاب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کسی کے عشق کی داستان تھی۔ مختلف مقامات کے علاوہ کسی جگہ اس میں سندس محل کا ذکر بھی آیا تھا لیکن

اس کے بارے میں صحیح اندازہ پوری تحریر پڑھنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا تھا۔

"کیا یہ قلمی نسخہ میں اپنے پاس رکھ سکتی ہوں؟" زریاب نے سوالیہ نگاہوں سے کندن کی طرف دیکھا۔

"اگر تمہیں اس سے اپنے کام میں مدد مل سکتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" کندن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ویسے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بابا نے دادی اماں کے انتقال کے بعد ان کے اس طرح کے بہت سے قلمی نسخے ایک صندوق میں بند کر کے زخمی صاحب کے حوالے کر دیئے تھے۔ اگر وہ زندہ ہیں تو میں کوشش کر کے تمہیں دادی اماں کے وہ قلمی نسخے بھی دلوا سکتی ہوں۔"

"میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں گی۔" زریاب نے کہا۔ اسے اس تحریر سے اندازہ ہو گیا تھا کہ مہتاب اپنے دور کی معروف ادیبہ رہی ہو گی۔ ممکن ہے اس کے قلمی نسخوں میں کوئی ایسی چیز بھی ہاتھ لگ جائے جس سے زریاب کو اپنے مشن کی تکمیل میں بھی کوئی مدد مل سکے۔ وہ جانتی تھی کہ اس قسم کے لوگ صرف افسانہ نگاری اور شاعری ہی نہیں کرتے، انہیں اپنے حسب نسب کا بڑا خیال رہتا ہے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ صندوق میں بند مہتاب کے قلمی نسخوں میں کوئی ایسی تحریر بھی ہو گی جو اس خاندان کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈال سکے۔ لیکن زریاب کے خیال میں فوری طور پر ان قلمی نسخوں کا حصول ممکن نہیں تھا۔

"چلو! اب چلیں۔ یہاں سے تمہیں اور کچھ نہیں مل سکتا۔" کندن نے کہا۔

وہ دونوں اس کمرے سے باہر آ گئیں۔ دروازے سے نکلنے سے پہلے زریاب نے پیچھے مڑ کر آتش دان کے کارنس پر رکھی ہوئی مہتاب کی تصویر کی طرف دیکھا تھا۔ باہر نکل کر کندن نے دروازہ بھیڑ کر کنڈا لگا دیا۔

جب وہ دوبارہ گوپانگ والے کمرے کی راہداری سے ہوتی ہوئی باہر نکلیں تو رزمق ابھی تک گڑھا کھودنے میں مصروف تھا۔ اس کے پاس صرف ایک کدال تھی اور اس نے گڑھا کھودنے کے لئے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا وہاں زمین خاصی سخت تھی جس سے اسے کھدائی میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہاں دھوپ بھی براہ راست پڑ رہی تھی۔ رزمق کا جسم پسینے میں شرابور تھا اور پشت سے قمیص جسم پر چپکی ہوئی تھی۔ ان دونوں کو اپنے قریب

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پاکر رزمق نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ مہتاب کی تصویر گرنے سے اڑنے والی دھول کندن پر بھی پڑی تھی لیکن زریاب تو اس طرح دھول میں لپٹی ہوئی تھی کہ اس کی شکل پہچاننا دشوار ہو رہا تھا۔

"ابھی تک گڑھا نہیں کھدا۔ کیا ہم تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" زریاب نے رزمق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس تھوڑا سا کام باقی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ آپ دونوں اندر جا کر اپنا حلیہ درست کر لیں۔ قبر تیار ہو جائے گی تو میں بتا دوں گا۔ تاکہ ہم تینوں مل کر روشن کی نعش کو قبر میں اتار سکیں۔" رزمق نے کہا۔

زریاب کو اچانک ہی یاد آگیا کہ وہ دھول میں اٹی ہوئی تھی۔ وہ کندن کے ساتھ گوپانگ والے کمرے میں آگئی۔ اس کے سوٹ کیس میں کپڑوں کے تین چار جوڑے موجود تھے۔ اس نے ایک جوڑا اپنے لئے منتخب کیا اور دوسرا کندن کی طرف بڑھا دیا۔ کندن قد و قامت میں اس جیسی ہی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کا لباس کندن کو بھی ٹھیک آئے گا۔

پہلے زریاب باتھ روم میں گئی تھی۔ اس نے جسم کے کپڑے اتار کر وہیں ایک کونے میں ڈال دیئے اور نہانے کے بعد صاف کپڑے پہن لئے اور باتھ روم سے باہر آگئی۔ اس نے بال نچوڑ کر دوپٹہ اس طرح سر پر لپیٹ لیا تھا جیسے پگڑی باندھ لی ہو۔ کندن باتھ روم میں گئی تو زریاب نے دونوں ڈائریاں اور دوسری چیزیں سوٹ کیس میں رکھ لیں اور پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر مہتاب والے قلمی نسخے کا مطالعہ کرنے لگی۔ اس نے پہلے صفحہ سے پڑھنا شروع کیا تھا تاکہ اسے اس تحریر کو سمجھنے میں کچھ آسانی رہے۔

تحریر خاصی دلچسپ تھی۔ اس میں اتنی گرفت تھی کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پہلے جب زریاب نے کہیں کہیں سے اقتباسات پڑھے تھے تو اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ کوئی عشقیہ داستان تھی لیکن دس بارہ صفحات تواتر سے پڑھنے کے بعد زریاب کو اپنی رائے بدلنا پڑی۔ وہ محض عشقیہ داستان نہیں، جاں نثار نامی کسی شخص کی سوانح تھی۔ انداز بیاں بڑا دلچسپ تھا۔ عربی اور فارسی کے الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے تھے جس سے زریاب کو تسلسل سے پڑھنے میں کچھ دشواری پیش آرہی تھی لیکن وہ بہر حال پڑھتی رہی۔

پندرہ بیس منٹ بعد کندن بھی باتھ روم سے آگئی۔ زریاب کی قمیص اسے بالکل فٹ آئی تھی۔ اس نے بھی اپنے کپڑے باتھ روم ہی میں چھوڑ دیئے تھے۔ مزید بیس منٹ بعد رزمق دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔ "میرا خیال ہے اب ہمیں اس فرض سے بھی سبکدوش ہو جانا چاہئے۔" اس نے روشن کی نعش کی طرف اشارہ کیا۔

زریاب نے مہتاب کا قلمی نسخہ سوٹ کیس میں رکھ کر ڈھکن بند کر دیا اور کندن کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دونوں روشن کی نعش کے قریب آگئیں۔ ان تینوں نے مل کر نعش کو اسی چادر میں اچھی طرح لپیٹ دیا جو زریاب نے بستر سے اٹھا کر اس پر ڈالی تھی۔

وہ تینوں جھک کر نعش اٹھانے لگے۔ زریاب کی زندگی میں یہ اس قسم کا پہلا موقع تھا کہ وہ کسی لاش کو اس طرح اٹھا رہی تھی۔ لاش اکڑ گئی تھی اور خاصی وزنی تھی۔ رزمق نے اسے پیروں کی طرف سے اٹھایا اور زریاب اور کندن نے سر کی طرف سے۔ ان دونوں کو خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ لیکن جیسے تیسے وہ نعش کو کھدی ہوئی قبر تک لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ کندن اور رزمق قبر میں اتر گئے۔ انہوں نے بڑی مشکل سے لاش کو قبر میں ڈالا تھا۔

قبر سے نکل کر کندن زریاب کے قریب کھڑی ہو گئی اور رزمق قبر میں رکھی ہوئی نعش پر مٹی ڈالنے لگا۔ دونوں ایک طرف سوگوار سی کھڑی دیکھتی رہیں۔

نعش کو ابھی پوری طرح نہیں ڈھکا تھا کہ حویلی کے گیٹ کی طرف سے کسی موٹر کی آواز سنائی دی۔ آواز ان تینوں نے سنی تھی اور وہ تینوں چونک گئے تھے۔ رزمق ایک دم سیدھا ہو گیا۔ "تم لوگ یہیں رکو۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ کدال پھینک کر حویلی کے گیٹ کے قریب والی عمارت کی طرف دوڑتا چلا گیا۔

موٹر کی آواز سن کر زریاب پر وحشت سی طاری ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں خامس اور گوپانگ واپس تو نہیں آگئے؟ اس نے کندن کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی وحشت سی تھی..... اس دوران رزمق بھی دوڑتا ہوا واپس آگیا۔

"خامس پولیس کو لے کر آیا ہے۔ بھاگو!" وہ قریب پہنچ کر چیخا۔

زریاب نے دوڑ کر کمرے میں جا کر اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور کندن رزمق کے ساتھ ایک طرف دوڑنے لگی۔ رزمق دوڑتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ ایک دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔

کندن ایک قدم پیچھے تھی۔ اس کی چیخ سن کر زریاب نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کندن اس وقت لڑکھڑا کر گر رہی تھی اور دو پولیس والے تیزی سے دوڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔

☆

زریاب، کندن کو سہارا دینے کے لئے تیزی سے پیچھے مڑی۔

ٹھیک اسی لمحے ایک اور فائر ہوا۔ زریاب، کندن کے ساتھ ہی نیچے گر گئی۔ اس مرتبہ گولی زریاب کے سر سے چند انچ اوپر سے گزرتی ہوئی دیوار میں جا لگی تھی۔ اسی لمحے رزمق مڑ کر تیزی سے ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے سوٹ کیس زریاب کے ہاتھ میں تھما دیا اور کندن کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا۔

"تم دروازے کے اندر جاؤ..... جلدی۔" رزمق نے زریاب سے کہا۔

زریاب نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور زمین پر رینگتی ہوئی بڑی تیزی سے دروازے میں داخل ہو گئی۔ ایک سیکنڈ بعد رزمق بھی کندن کو گھسیٹتا ہوا اندر آ گیا۔ زریاب نے بڑی پھرتی سے بھاری دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اس لمحے ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی دروازے میں لگی تھی اور اس میں سوراخ کرتی ہوئی سامنے والی دیوار میں جا لگی۔

زریاب ہاتھ میں سوٹ کیس پکڑے بدحواس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ پچھلی طرف دو کھڑکیاں تھیں اور دونوں میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے خیال میں وہ چوہے دان میں پھنس گئے تھے۔ پولیس والوں کو دروازہ توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اس نے کندن کی طرف دیکھا۔ اس کی دائیں ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔

رزمق تیزی سے چلتا ہوا ایک دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ زریاب وحشت زدہ سی نظروں سے کبھی کندن اور کبھی رزمق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رزمق شاید اس کمرے میں اس لئے آیا تھا کہ اسے یہاں کے کسی خفیہ راستے کا علم تھا لیکن اگر وہ بدحواسی میں مطلوبہ کمرے کی بجائے کسی اور کمرے میں آ گئے ہیں تو پھر ان کا زندہ بچنا محال ہی ہو گا۔ اگر وہ خامس اور پولیس کی گولیوں سے بچ بھی گئے تو قانون کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پولیس نے اسے ایک عورت کی لاش کو دفن کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جسے قتل کیا گیا تھا۔ وہ لاش پولیس والوں کو یہ نہیں بتا سکے گی کہ اسے قتل کس نے کیا۔ البتہ وہاں وہ خنجر بھی موجود تھا جس پر اب خامس کے نہیں رزمق کی انگلیوں کے نشان تھے۔ اس طرح پولیس کیلئے رزمق کو قاتل اور ان دونوں کو شریک جرم ثابت کرنا مشکل نہیں ہوگا۔

دفعتاً وہ چونک گئی۔ باہر سے دروازے پر ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔ اگر دروازہ کمزور ہوتا تو اب تک ٹوٹ چکا ہوتا۔ لیکن یہ ساگوان کی لکڑی کا دروازہ تھا جو بہت بھاری اور بہت مضبوط تھا اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔ لیکن زریاب کو ڈر اس بات کا تھا کہ اگر پولیس والے پچھلی طرف آ گئے تو کھڑکیوں سے انہیں نہایت آسانی سے گولیوں کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ باہر سے ٹکروں کے ساتھ ساتھ اب خامس کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وہ چیخ چیخ کر پولیس والوں کو کہہ رہا تھا۔

"ارے کم بختو! پچھلی طرف جاؤ۔ وہ لوگ کھڑکی سے بھاگ جائیں گے۔"

زریاب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اب موت ان سے چند قدم کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔ اگر پولیس والے دوسری طرف پہنچ گئے تو ان تینوں میں سے کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔ دروازے پر اب بھی ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔ رزیاب کندن کے قریب بیٹھ گئی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ رزمق کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بڑی تیزی سے دیوار کے قریب فرش ٹٹول رہا تھا۔

اور پھر دفعتاً کندن کی آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی۔ دیوار شق ہو رہی تھی۔ رزمق تیزی سے کندن کے قریب آ گیا۔ وہ اسے کندھے پر اٹھا کر خلا میں داخل ہو گیا۔ اندر کا میکنزم تلاش کرنے میں اسے ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ دیوار کا خلا آہستہ آہستہ کم ہونے لگا اور پھر دونوں حصے آپس میں مل گئے۔

سرنگ میں گہری تاریکی تھی۔ وہ دیوار ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ حویلی میں کسی اور سرنگ سے داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا تھیلا سرنگ کے اس دہانے کے قریب چھوڑ دیا تھا جہاں سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ ان کی ٹارچیں بھی نجانے کہاں رہ گئی تھیں اور اب تاریکی میں چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ دفعتاً زریاب کو یاد آ گیا کہ جب وہ شہر سے روانہ ہوئی تھی تو اس نے دوسری چیزوں کے علاوہ سوٹ کیس میں ایک پنسل ٹارچ بھی

رکھی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ فوراً زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے سوٹ کیس سامنے رکھ لیا اور ٹٹول کر سیفٹی کیچ ہٹا کر اس کا ڈھکنا اٹھا دیا اور اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگی۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ دو منٹ کی کوشش کے بعد ٹارچ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے ٹارچ روشن کر لی۔ ٹارچ کی روشنی خاصی تیز تھی۔ گہری تاریکی میں اچانک روشنی ہو جانے سے ایک لمحہ کو ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ اس نے سوٹ کیس بند کر کے دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹارچ مجھے دے دو۔ تم میرے پیچھے آؤ۔" رزمق نے کہا۔

اس تنگ سی سرنگ میں رزمق کندن کو کندھے پر اٹھائے بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔ دو تین سرنگیں گھومنے کے بعد وہ تقریباً سات منٹ بعد دہانے کے قریب اس جگہ پہنچ گئے جہاں ان کا تھیلا بھی رکھا ہوا تھا۔ رزمق نے کندن کو کندھے سے اتار دیا۔ کندن سرنگ کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر زردی پھیل رہی تھی۔ اس نے زخمی ٹانگ آگے کو پھیلا رکھی تھی۔ گولی اس کی پنڈلی میں لگی تھی اور گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ زخم سے خون رس رہا تھا۔ شلوار کا پائنچے تک کا حصہ خون سے تر ہو رہا تھا۔

رزمق نے وہاں پڑے ہوئے تھیلے میں سے ایک چھوٹی سی گول ڈبیا نکالی۔ اس میں مرہم بھرا ہوا تھا۔ زریاب نے کندن کی شلوار کا پائنچہ اوپر تک ادھیڑ دیا۔ پہلے اپنے دوپٹے کے پلو سے زخم صاف کیا اور پھر زخم میں مرہم بھر کر دوپٹے کو لپیٹ کر پٹی کی طرح باندھ دیا۔

زخم پر مرہم رکھتے ہی کندن کو یوں محسوس ہوا جیسے برف کا ٹکڑا رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی پنڈلی میں برف جیسی ٹھنڈک کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی اور درد حیرت انگیز طور پر کافور ہو گیا۔ چند منٹ بعد وہ سرنگ کے دہانے سے نکل کر جھاڑیوں میں آ گئے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھوڑوں کے پاس آ گئے۔ اب ان کے پاس صرف دو گھوڑے رہ گئے تھے۔ تیسرے گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا تھا۔ اس کی لاش بھی قریب ہی پڑی تھی۔

میرا خیال ہے آپ دونوں اس سفید گھوڑے پر بیٹھ جائیے۔ میں اپنے والے گھوڑے پر بیٹھ جاتا ہوں۔" رزمق نے کہا۔

اس نے پہلے کندن کو گھوڑے پر بٹھایا پھر سہارا دے کر زریاب کو بھی گھوڑے پر سوار

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لرا دیا۔ کندن پیچھے تھی اور زریاب آگے۔ زریاب نے رزمق کا تھیلا گلے میں لٹکا لیا۔ اس کا سوٹ کیس رزمق نے لے لیا تھا۔ زریاب نے گھوڑے کی لگامیں تھام لیں۔ کندن نے قدرے آگے جھک کر اسے دونوں بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔

رزمق بھی گھوڑے پر بیٹھ چکا تھا۔ انہوں نے ابھی گھوڑوں کا رُخ موڑا ہی تھا کہ سناٹے میں ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وہ رہے..... گولی چلاؤ..... شوٹ کردو انہیں۔"

بچے کی طرح چیختی ہوئی یہ آواز خامس کی تھی۔ زریاب کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ رزمق نے مڑ کر دیکھا حویلی کی اونچی فصیل پر خامس اور دو پولیس والے کھڑے تھے۔ پولیس والوں کے ہاتھ میں رائفلیں تھیں۔ رزمق نے گردن موڑی ہی تھی کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔

رزمق کسی قدر کھلی جگہ پر تھا۔ اوپر سے چلائی جانے والی دو تین گولیاں رزمق کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں پر لگیں۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا بری طرح اچھلا اور پھر گر گیا۔ رزمق بھی گھوڑے سے گر کر قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا گرا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس کا پیر رکاب میں نہیں پھنسا تھا ورنہ وہ گھوڑے کے نیچے دب جاتا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اٹھ کر قریب پڑا ہوا زریاب کا سوٹ کیس اٹھایا اور ایک درخت کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

"زریاب!" رزمق کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ "گھوڑے کو بھگاؤ۔ کندن تمہیں راستہ بتاتی رہے گی۔ کھنڈر والے تہہ خانے سے میری بہن خوشنما کو ساتھ لے کر بستی میں چلی جاؤ اور کندن! راجو سے کہنا وہ تم لوگوں کو اپنے یکے پر فیروز آباد پہنچا دے۔ فیروز آباد میں تم لوگ بودی شاہ کے گھر پر میرا انتظار کرو۔ میری فکر مت کرو، میں پہنچ جاؤں گا۔ جلدی کرو زریاب! بھگاؤ گھوڑے کو۔"

حویلی کی فصیل سے مسلسل فائرنگ جاری تھی۔ لیکن زریاب کا گھوڑا درختوں میں ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک فائرنگ کی زد سے محفوظ تھیں۔ زریاب نے رزمق کو سوٹ کیس ہاتھ میں لئے درختوں میں ایک طرف دوڑتے دیکھا تو اس نے بھی گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا ہلکی رفتار سے درختوں میں دوڑنے لگا۔ درخت گنجان ہونے کی وجہ سے زریاب اسے زیادہ تیزی سے نہیں دوڑا سکتی تھی۔ اس کا رُخ اس طرف تھا جس طرف وہ

اس روز رزمق کے ساتھ حویلی سے فرار ہو کر گئی تھی۔ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ حویلی سے اس کا فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی آ رہی تھی۔ لیکن وہ آوازیں بتدریج معدوم ہوتی جا رہی تھیں۔ کندن نے بڑی سختی سے زریاب کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

☆

حویلی کی فصیل پر کھڑے پولیس والے اندھا دھند درختوں میں فائرنگ کر رہے تھے۔ تڑپتے ہوئے زخمی گھوڑے کے دو گولیاں اور لگیں۔ وہ ہنہناتا ہوا اور بھی زور سے لوٹنے لگا۔ اس کی چاروں ٹانگیں تیزی سے چل رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ بھاگ گئے۔" ایک پولیس والے نے کہا۔

"ان میں سے کم از کم ایک انہی درختوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ فائرنگ کرتے رہو۔ کوئی نہ کوئی گولی تو اسے لگے گی۔" خامس نے چیخ کر جواب دیا۔

پولیس والے کچھ دیر تک درختوں میں اِدھر اُدھر فائرنگ کرتے رہے۔ پھر انہوں نے رائفلیں جھکا لیں۔

"کوئی فائدہ نہیں۔" ایک پولیس والے نے کہا۔ "وہ لوگ فرار ہو چکے ہیں۔ گولیاں ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"چلو..... نیچے چلو....." خامس نے کہا اور ان سے پہلے دوڑتا ہوا فصیل کے اندر والی سیڑھیاں اُترنے لگا۔

دونوں پولیس والے بھی اس کے پیچھے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں اس پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر اور چار دوسرے پولیس والے کھڑے تھے۔ ان کے سامنے تازہ کھدی ہوئی وہ قبر تھی جو ابھی پوری طرح بند نہیں کی گئی تھی۔ سفید چادر نظر آ رہی تھی۔ ظاہر ہے اس چادر میں ایک لاش لپٹی ہوئی تھی لیکن یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ لاش کا سر کس طرف ہے اور پیر کس طرف۔

"کیسے کیسے چغد بھرتی کر رکھے ہیں تم لوگوں نے پولیس میں۔" خامس سب انسپکٹر کے سامنے پہنچ کر چیخا۔ اس کی آواز ایسی ہی تھی جیسے بارہ تیرہ سال کا کوئی لڑکا ناراض ہو کر چیخ رہا ہو۔ "انہیں تو غلیل بھی چلانی نہیں آتی ہو گی اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھما دی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گئی ہیں۔"

"کیا ہوا مسٹر خامس؟" سب انسپکٹر نے ناگوار سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہونا کیا تھا؟" خامس چیخا۔ "شکار ان کے سامنے تھا اور یہ لوگ تینوں میں سے کسی کو بھی نشانہ نہیں بنا سکے۔ اگر رائفل میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں دیکھتا کہ ان میں سے ایک بھی کیسے بچ کر جاتا ہے۔"

"ہم یہاں شکار کھیلنے نہیں آئے مسٹر خامس!" سب انسپکٹر نے کہا۔

"میں ان مجرموں کی بات کر رہا ہوں آفیسر! جو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ تمہارے یہ نشانچی صرف ایک گھوڑے کو مار گرانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ میں کہتا ہوں تم لوگ اب یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ یہاں سے نکلو اور ان کا پیچھا کرو۔" خامس نے چیختے ہوئے کہا۔ "ان میں دو عورتیں ایک گھوڑے پر ہیں۔ ایک عورت زخمی ہے۔ وہ گھوڑا بھی دو سواروں کا بوجھ اٹھا کر زیادہ تیزی سے نہیں دوڑ سکتا اور تیسرا آدمی پیدل ہے۔ وہ بھی زیادہ دور نہیں جا سکتا۔ جلدی کرو! وقت نکل گیا تو ان میں سے کوئی بھی ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"نہیں مسٹر خامس!" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ہمارے پاس صرف ایک جیپ ہے اور ہمیں اندازہ نہیں کہ وہ لوگ کس طرف گئے ہوں گے۔ اس لئے ان کا تعاقب بہت مشکل ہے۔"

"کیا..... کیا کہہ رہے ہو تم؟" خامس نے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم قاتلوں کا تعاقب کرنے سے انکار کر رہے ہو؟ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟"

"ہم میں سے کسی نے انہیں قتل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"انہوں نے قتل نہیں کیا تو بھاگے کیوں تھے؟" خامس بولا..... "اور پھر تم نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں اس عورت کی لاش کو دفن کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"عورت کی لاش....." سب انسپکٹر اچھل پڑا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا مسٹر خامس کہ یہ عورت کی لاش ہے؟"

"حویلی میں صرف ایک عورت ہی تھی جو کھانا وغیرہ پکانے کے لئے یہاں رکھی گئی تھی۔ ظاہر ہے یہ لاش اس عورت کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے؟" خامس نے کہا۔

"اور ہم یہ لاش اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ پھر اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لاش باہر نکالو۔"

"نہیں۔" خامس نے جھپٹ کر ایک کانسٹیبل کی رائفل چھین لی۔ "تم لوگ لاش کو چھونے کی بجائے میرے ساتھ حویلی سے باہر چلو گے اور ان لوگوں کو تلاش کرو گے۔"

"تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی خامس!" سب انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "رائفل واپس کر دو۔ ہم تمہارے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتے۔"

"تم جانتے ہو یہاں کس کے حکم پر بھیجے گئے ہو؟" خامس نے کہا۔ "رکھیل شاہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ کہلاتا ہے۔ تمہارے افسران اعلیٰ بھی اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تو رکھیل شاہ تم سب کو الٹا ٹانگ کر کھال کھنچوا دے گا۔ اگر تم لوگ اپنی چمڑی بچانا چاہتے ہو تو میرے کہنے پر عمل کرو۔ اس لاش کو یہیں سڑنے دو اور ان لوگوں کو تلاش کرو۔ بصورت دیگر میں نے تمہیں تمہارے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔"

سب انسپکٹر کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ وہ اس جاگیر کے منیجر رکھیل شاہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ خامس نے اس کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔ وہ واقعی اس علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا اور پولیس کے اعلیٰ افسران بھی اس کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوتے تھے۔

چمڑی اتروا دینے کی دھمکی سن کر سب انسپکٹر کی ساری اکڑ فوں ختم ہو گئی۔ وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر نہایت فرمانبرداری سے خامس کے ساتھ حویلی سے باہر آ گیا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ حویلی میں تازہ کھدی ہوئی قبر میں ایک لاش پڑی تھی۔ ایک ایسی عورت کی لاش جسے قتل کیا گیا تھا اور آلہ قتل بھی قبر کے قریب ہی پڑا تھا۔ سب انسپکٹر نے بڑی احتیاط سے وہ خنجر رومال میں لپیٹ کر اٹھا لیا۔ خامس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا کیونکہ اس نے خنجر روشن کے سینے میں رہنے دیا تھا اور جس نے بھی یہ خنجر نکالا تھا، دستے پر اس کی انگلیوں کے نشان ضرور آ گئے ہوں گے۔ اس طرح اسے اس بات کا خطرہ نہیں رہا تھا کہ خنجر پر اس کی انگلیوں کے نشان رہ گئے ہوں گے۔

خامس اس پولیس پارٹی کو لے کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ جنگل میں کچھ ایسے راستے

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے جن پر کار یا جیپ جیسی گاڑی چل سکتی تھی۔ جیپ کا رُخ اسی طرف تھا جس طرف زریاب اور کندن گئی تھیں۔ لیکن دو گھنٹے بعد جیپ کا پٹرول ختم ہو گیا۔

پولیس والے شام تک جنگل میں بھٹکتے رہے۔ انہیں رہ رہ کر خامس پر غصہ آ رہا تھا۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ خامس کو کچا چبا جائیں۔ جب وہ لوگ پیدل درویش پور پہنچے تو رات بھی اپنا نصف سفر طے کر چکی تھی۔ وہ اس قدر نڈھال ہو چکے تھے کہ ان کے لئے قدم اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے پولیس سٹیشن پہنچ گئے۔

خامس واقعی کسی پراسرار قوت کا مالک تھا۔ وہ بھی پولیس والوں کے ساتھ پورا دن اور آدھی رات تک پیدل چلتا رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں تھے۔ درویش پور شہر میں داخل ہونے کے بعد پولیس والے تو پولیس سٹیشن کی طرف چلے گئے تھے اور خامس اس علاقے میں آ گیا جسے شہر کا خوبصورت ترین حصہ کہا جا سکتا تھا۔

اونچے پہاڑ کے دامن میں اونچی نیچی ڈھلانوں پر خوبصورت کاٹیج اور بنگلے بنے ہوئے تھے۔ فلک بوس درخت، ڈھلانوں پر دبیز گھاس اور خودرو پھولوں کے پودوں کی بہتات، صاف ستھری اور پر سکون فضا.... یہ شہر کا وہ علاقہ تھا جہاں کوئی عام یا متوسط طبقہ کا آدمی رہائش کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ شہر کے امیر ترین لوگوں کا علاقہ تھا۔

ڈھلانوں پر بل کھاتی ہوئی اونچی نیچی سڑکیں اور سڑکوں سے کافی ہٹ کر درختوں میں گھرے ہوئے بنگلے۔ ہر بنگلے سے سڑک کے درمیان وسیع و عریض جگہ بنگلے ہی کی ملکیت تھی۔ ان درمیانی جگہوں پر خوبصورت لان بنے ہوئے تھے۔ سڑکوں پر مناسب فاصلوں پر سٹریٹ لائٹیں تھیں۔ اس علاقے میں بجلی کا کوئی پول ایسا نہیں تھا جس پر مرکری بلب روشن نہ ہو۔

خامس مختلف سڑکوں پر چلتا ہوا ایک جگہ رُک گیا۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایک گیٹ تھا جس کے ساتھ ہی اندر کی طرف محافظ کا کیبن بھی بنا ہوا تھا۔ گیٹ کے دونوں طرف سڑک سے تقریباً دس فٹ ہٹ کر خاردار تاروں کا ایک جنگلہ تھا جو اس بنگلے سے ملحقہ زمین کی حدود کا تعین کرتا تھا۔ گیٹ کے اندر بجری کی ایک سڑک تھی جس کے دونوں طرف سرو کے پودوں کی قطاریں تھیں اور تقریباً پچاس گز آگے بنگلہ تھا۔

خامس گیٹ کے سامنے رک گیا۔ اس وقت وہ کچھ تھکن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس

نے گیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر محافظ کے کیبن کی طرف جھانکا۔ کیبن میں روشنی ہو رہی تھی۔ گیٹ پر بھی دونوں طرف بلب روشن تھے اور ایک بلب کے نیچے چھوٹا سا بورڈ آویزاں تھا جس پر جلی حروف میں تحریر تھا۔

"خطرناک کتے بنگلے کی حدود میں گشت پر ہیں۔ بلا اجازت اندر آنے سے گریز کیجئے۔"

خامس چند سیکنڈ کیبن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر محافظ کا نام لے کر اسے پکارنے لگا۔ تیسری آواز پر محافظ کیبن سے باہر آ گیا۔ اس کے بیلٹ میں اڑسے ہوئے پستول کا دستہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے خامس کو دیکھ لیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔

"بڑے صاحب جاگ رہے ہیں؟" خامس نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے جاگ رہے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ پہلے ان کے مہمان گئے ہیں۔" محافظ نے جواب دیا۔

"مہمان کون تھے؟" خامس نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیپالی...." محافظ نے جواب دیا۔ "اسے تم جانتے ہو۔ وہ عام طور پر رات یہیں بسر کرتی ہے۔ لیکن آج وہ جلدی واپس چلی گئی۔ بڑے صاحب اس پر بڑے ناراض ہو رہے تھے۔"

"اس وقت بنگلے میں اور کون ہے؟" خامس نے پوچھا۔ "لگتا تھا جیسے وہ آگے جانے سے پہلے سب کچھ جان لینا چاہتا ہو۔

"گوپانگ صاحب کسی کو لے کر آئے ہیں اور میرا خیال ہے دیپالی کو اسی لئے رخصت کر دیا گیا ہے۔" محافظ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

خامس چند لمحے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ روش پر اس کے پیروں کے نیچے دبنے والی بجری اچھی خاصی آواز پیدا کر رہی تھی۔ وہ ابھی چند قدم آگے بڑھا تھا کہ بائیں طرف پودوں کے پیچھے سے خوفناک غراہٹیں سنائی دینے لگیں۔ وہ خطرناک کتے تھے۔

خامس نے اس طرف دیکھا اور مطمئن انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ دونوں خطرناک کتے غراتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ لیکن خامس کے قریب پہنچتے ہی حیرت انگیز طور پر وہ رک گئے اور خامس کے قدموں پر

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لوٹنے لگے۔ خامس آگے بڑھ گیا۔

بنگلہ بہت شاندار تھا۔ پورچ میں دو نئی کاریں کھڑی تھیں۔ خامس برآمدے میں آ گیا۔ یہاں مرکزی ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ اس نے راہداری میں داخل ہونے کے لئے دروازہ کھولنا چاہا مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دیوار پر لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ اندر کہیں گھنٹی بجنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور تقریباً دو منٹ بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ گوپانگ تھا۔

"صبح کے گئے ہوئے اب لوٹے ہو۔ کہاں مر گئے تھے؟" گوپانگ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اسے راستہ دینے کے لئے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

خامس جواب دیئے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے گوپانگ کو صورتحال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ بہت ہی شاندار ڈرائنگ روم تھا۔ ہر چیز قیمتی اور نفیس تھی۔ رکھیل شاہ کے پاس ہر شب کوئی نہ کوئی عورت آتی تھی۔ ان میں سے کچھ ایسی تھیں جو مستقل آنے والوں میں شمار ہوتی تھیں۔ دیپالی بھی ایسی ہی عورت تھی۔ رکھیل شاہ کو جب بھی ضرورت ہوتی اسے بلا لیا جاتا لیکن ایک نئی لڑکی آ جانے سے دیپالی کو واپس بھیج دیا گیا تھا۔

رکھیل شاہ دوسرے صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ عجیب بے ڈول اور بدہیئت سا آدمی تھا۔ رات اگرچہ آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی لیکن وہ اس وقت بھی پینٹ شرٹ میں تھا اور گلے میں ٹائی بھی بندھی ہوئی تھی۔ اس کا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ اس پر ستم یہ کہ گردن بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے سر کو شانوں پر ٹکا دیا گیا ہو۔ جسم بے حد بھدا اور چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ توند مٹکے کی طرح باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ بال بہت قریب سے تراشے ہوئے تھے۔ تنگ سی پیشانی اور بٹنوں جیسی چھوٹی چھوٹی آنکھیں جو اس کی مکار فطرت کی عکاسی کرتی تھیں۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" رکھیل شاہ نے خامس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ہمارے ہاتھ نہیں آ سکی سرکار۔" خامس نے مدھم سے لہجے میں جواب دیا۔ "اس کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی تھا۔ وہ تینوں فرار ہو گئے۔"

"کیا بک رہے ہو؟" رکھیل شاہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تم جانتے ہو وہ لڑکی

میرے لئے کتنی اہم ہے۔ اس کی وجہ سے حویلی خالی کر دی گئی۔ تم پولیس پارٹی کو لے کر گئے تھے لیکن وہ لڑکی اور اس کے ساتھی تم لوگوں کو دھوکا دے کر نکل گئے۔ ایسا کیوں ہو خامس.....؟ میں پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہوا؟ کیا وہ معمولی سی لڑکی تم سے زیادہ چالاک اور طاقتور ہے جو تمہارے ہاتھ نہیں آ سکی۔"

"یہ سب کچھ پولیس کی وجہ سے ہوا ہے سرکار....." خامس نے کہا۔ "پولیس والے عین وقت پر اڑی کر گئے تھے۔ اگر وہ بروقت میرا ساتھ دیتے تو وہ لوگ کبھی بھی نہیں بھاگ سکتے تھے۔"

"پولیس والوں کا بندوبست تو میں کر لوں گا۔ لیکن تمہیں میں صرف دو دن کی مہلت دے رہا ہوں۔ اگر اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تم اس لڑکی کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو چوہدری حرمت کی طرح تمہاری لاش کو بھی کتے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔" رکھیل شاہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"دو دن بعد وہ لڑکی آپ کے قدموں میں ہو گی سرکار۔" خامس نے کہا۔ جاگیر کے لوگوں کے لئے قہر بنا ہوا یہ شخص اس وقت رکھیل شاہ کے سامنے بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔

"دو آدمی اپنے ساتھ لے جاؤ اور جاگیر کا کونا کونا چھان مارو۔" رکھیل شاہ نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ کسی بستی ہی میں چھپی ہو گی۔ تلاش کرواسے۔ اس بار میں تمہارے منہ سے ناکامی کا لفظ نہیں سننا چاہتا۔ اور یاد رکھو! یہ تمہارے لئے آخری چانس ہے۔"

"گوپانگ...!" وہ گوپانگ کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی سرکار!" گوپانگ بھی ایک دم سیدھا ہو گیا۔ "اسے ساتھ لے جاؤ اور لینڈ کروزر اس کے حوالے کر دو۔ دو آدمی بھی اسے دے دو۔ میں اس کے چہرے پر تھکن دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اس کی سزا یہی ہے کہ یہ اسی وقت زریاب اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں روانہ ہو جائے اور تم بھی اپنے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ دوسرا آدمی اور اس کے ساتھ وہ عورت کون ہے۔"

"جی سرکار!" گوپانگ نے سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے! اب تم لوگ جا سکتے ہو۔" رکھیل شاہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں رعونت نمایاں تھی۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس نے پہلے رکھیل شاہ اور پھر صوفے پر بیٹھی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا اور مڑ کر گوپانگ کے ساتھ دروازے کی طرف چل پڑا۔ گوپانگ اور رکھیل شاہ اس کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرتے ہی رہتے تھے لیکن اس نے ہمیشہ فرمانبردار غلام کی طرح سر جھکائے رکھا تھا۔ مگر آج اس خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں اس نے پہلی مرتبہ اپنی توہین محسوس کی تھی۔

☆

جنگل سے نکلنے کے بعد گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگا۔

زریاب نے کسی ماہر گھڑ سوار کی طرح گھوڑے کی لگامیں سنبھال رکھی تھیں۔ اس نے ایک لمحے کو بھی گھوڑے کو بے قابو نہیں ہونے دیا تھا۔ کندن نے پیچھے سے اسے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جنگل کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک وہ ویرانے میں سفر کرتی رہیں۔ پھر آگے شاداب کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کھیتوں کے بیچ میں بیل گاڑیوں اور یکوں کی آمد و رفت کے لئے راستہ بنا ہوا تھا اور گھوڑا اس راستے پر دوڑ رہا تھا۔

اس جگہ زریاب نے گھوڑا روک لیا۔ اس نے اب تک کندن سے راستے کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا۔ لیکن اس جگہ پہنچ کر وہ الجھ گئی تھی۔

کندن نے سیدھی ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ہاتھ سے بائیں طرف اشارہ کر دیا۔

"اس طرف! وہ راستہ ہمیں کھنڈروں تک لے جائے گا۔"

زریاب نے ایک بار پھر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ پسینے میں بھیگا ہوا گھوڑا پھر دوڑنے لگا۔

اس وقت تقریباً گیارہ بجے تھے۔ دھوپ میں خاصی تپش تھی۔ زریاب اور کندن بھی پسینے میں شرابور تھیں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ کھنڈر دکھائی دینے لگے۔ تپتی ہوئی دھوپ میں یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں کوئی الاؤ دہک رہا ہو۔ زریاب نے گھوڑے کی رفتار ہلکی کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کھنڈروں کے سامنے پہنچ گئی لیکن گھوڑے کو روکنے کی بجائے وہاں سے کھنڈر والے ٹیلے پر لیتی چلی گئی۔ شکستہ کھنڈروں میں مختلف راستوں پر گھومنے کے بعد اس نے ایک جگہ گھوڑا روک لیا۔ پہلے خود اتری پھر کندن کو بھی سہارا دے کر نیچے اتار لیا۔

"تم یہاں اس دیوار کے سائے میں بیٹھ جاؤ۔ میں خوشنما کو لے کر آتی ہوں۔" زریاب نے گھوڑے کی لگام ایک پتھر سے باندھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" کندن نے کہا۔ "کھنڈروں کے نیچے تہہ خانہ بہت ہی خطرناک ہے۔ اگر تم ایک بار راستہ بھٹک گئیں تو باہر نکلنے کا راستہ تلاش نہیں کر سکو گی۔"

"لیکن تمہیں چلنے میں تکلیف ہو گی۔" زریاب نے کہا۔

"میں تکلیف برداشت کر سکتی ہوں لیکن تمہیں کھونا پسند نہیں کروں گی..... چلو!" کندن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

زریاب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتی ہوئیں اس خفیہ راستے کے قریب پہنچ گئیں۔ اس راستے میں داخل ہونے کے بعد انہیں خوشنما تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ خوشنما انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ لیکن پھر اس نے فوراً ہی کسی گڑبڑ کا اندازہ لگا لیا۔ کندن کے کپڑے خون آلود تھے۔ زریاب نے اسے سہارا دے رکھا تھا اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ دوڑ کر کندن کے قریب پہنچ گئی۔ "آپ کے کپڑوں پر خون اور....."

"کچھ نہیں خوشنما!" کندن نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ اب تو میں اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ تم جلدی سے میری اور اپنی ضروری چیزیں سمیٹو۔ ہم فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیوں؟" خوشنما نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "بھیا کہاں ہے؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم جہاں جا رہے ہیں وہ بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ دیر مت کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" کندن نے کہا۔

خوشنما باری باری چند لمحے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر تیزی سے ایک طرف چلی گئی۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں پانی لے کر آتی ہوں۔ بہت شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔" زریاب نے کندن کو پتھر کی ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور اس طرف چلی گئی جہاں پانی رکھا ہوا تھا۔ اس نے جگ بھرا اور اس کے ساتھ گلاس بھی اٹھا کر لے آئی۔ پہلے اس نے کندن کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

پانی پلایا اور پھر خود پیا۔

تقریباً دس منٹ بعد خوشنما ایک پوٹلی بغل میں دبائے آ گئی۔ اس نے واقعی بڑی پھرتی دکھائی تھی۔

"چلئے! میں نے آپ کے اور بھیا کے کپڑے سمیٹ لئے ہیں۔ دوسری چیزیں بھی اس پوٹلی میں ہیں۔ مگر جانا کہاں ہے؟" خوشنما نے کندن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے پاس گھوڑا ایک ہی ہے۔ ہم تینوں اس پر نہیں بیٹھ سکتیں۔ تم اس راستے سے نکل کر بستی میں راجو کے گھر پہنچ جاؤ۔ ہم بھی وہیں آ رہی ہیں۔" کندن نے کہتے ہوئے تہہ خانے میں ایک طرف اشارہ کیا۔

"جی بہتر ہے۔" خوشنما کہتے ہوئے مخالف سمت میں دوڑ گئی۔

"زریاب!" کندن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ دو تین مشعلیں جل رہی ہیں انہیں بجھا دو۔ ہم بعد میں یہاں آئیں گے تو یہ ہمارے کام آئیں گی۔ ایک جلتی ہوئی مشعل لے لو تاکہ ہم آسانی سے راستہ دیکھ سکیں۔"

زریاب نے دیواروں میں لگی ہوئی تمام مشعلیں بجھا دیں۔ ایک جلتی ہوئی مشعل ہاتھ میں پکڑ لی۔ دوسرے ہاتھ سے کندن کو سہارا دیا اور وہ اس طرف چلنے لگیں جس طرف سے آئی تھیں۔

تہہ خانے کے خفیہ راستے سے نکلنے سے پہلے زریاب نے وہ مشعل بھی بجھا کر ایک طرف رکھ دی اور وہ دونوں باہر آ گئیں۔ کندن نے راستہ اس طرح بند کر دیا تھا کہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکے۔ باہر آ کر زریاب نے کندن کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود بھی سوار ہو گئی۔ انہیں کھنڈروں کے اوپر سے ایک طویل چکر کاٹ کر بستی کی طرف آنا پڑا تھا۔ جب وہ بستی میں راجو کے گھر پہنچیں تو خوشنما پہلے سے وہاں موجود تھی۔ شاید وہ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

زریاب اور کندن ابھی ٹھیک سے بیٹھی بھی نہیں تھیں کہ چوہدری حرمت کے گھر والے آ گئے۔ ایک دن پہلے ہی تو خامس اور گوپانگ حرمت چوہدری کو پکڑ کر لے گئے تھے اور وہ دونوں حویلی میں اس کی لاش کو کتوں کی خوراک بنتے دیکھ چکی تھیں۔

"حوصلہ کرو عاشقہ!" کندن، حرمت کی بیوہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"حرمت اب ہم میں نہیں ہے۔ ہم اسے کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ اس نے اپنی جان وفا پر قربان کر دی۔"

"ہماری جانیں بھی حاضر ہیں آقازادی!" عاشقہ نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم لوگوں پر فخر ہے۔" کندن نے کہا اور سب کو تسلی دینے لگی۔

آدھے گھنٹے بعد راجو یکہ تیار کر چکا تھا۔ زریاب، خوشنما اور کندن سب سے رخصت ہو کر یکے پر بیٹھ گئیں۔ یکہ بستی سے نکل کر فیروز آباد کی طرف جانے والے کچے راستے پر دوڑنے لگا۔

فیروز آباد وہاں سے تقریباً پندرہ کوس کے فاصلے پر تھا۔ راستہ کچا اور ناہموار ہونے کی وجہ سے انہیں وہاں تک پہنچنے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔

فیروز آباد ایک بڑا قصبہ تھا۔ یہاں سے درویش پور اور دوسرے شہروں کو بھی سڑکیں نکلتی تھیں۔ یہ قصبہ نمران کی جاگیر ہی میں شامل تھا لیکن یہاں زیادہ لوگ باہر سے آ کر آباد ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تعداد کاروباری اور تجارت پیشہ لوگوں کی تھی۔ یہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ سکول بھی تھے۔

بودی شاہ منڈی میں آڑھتی کا کام کرتا تھا۔ کئی سال پہلے وہ بھی جاگیر کا ملازم تھا لیکن پھر اس نے اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ قصبے کے نواح میں اس کا مکان خاصا وسیع و عریض تھا۔ بودی شاہ اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ لیکن جب اسے مہمانوں کی آمد کی اطلاع بھجوائی گئی تو وہ فوراً ہی آ گیا۔

سب سے پہلے ان لوگوں کے کھانے کا بندوبست کیا گیا۔ پھر بودی شاہ ایک ڈاکٹر کو لے آیا جس نے کندن کی ٹانگ کے زخم کی ڈریسنگ کر دی اور تسلی دیتا ہوا چلا گیا۔ اسی شام رزمق بھی پہنچ گیا۔

بودی شاہ جاگیردار نمران کا وفادار تھا۔ کندن ایک دو مرتبہ پہلے بھی اس کی مہمان رہ چکی تھی اور اس مرتبہ بھی بودی شاہ نے انہیں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا۔

وہ دو دن یہاں رہے۔ اس دوران ڈاکٹر باقاعدگی سے آ کر کندن کو دیکھتا رہا۔

وہ جس رات میں ان کی آخری رات تھی۔ اسی رات زریاب، کندن اور رزمق نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ صبح سویرے درویش پور چلے جائیں گے جہاں نہ صرف رکھیل شاہ کے دفتر میں

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

موجود جاگیردار نمران کے ایک ہمدرد بنجان نامی شخص سے یہ معلوم کیا جائے گا کہ جاگیردار کو کہاں رکھا گیا ہے بلکہ شیران نامی شخص کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی جسے جاگیردار نمران نے اپنے کاغذات کی فائل دی تھی۔

درویش پور میں اگرچہ ان کے لئے کئی خطرات ہو سکتے تھے لیکن خطرہ مول لئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ زرغون جانے کے لئے انہیں درویش پور ہی سے بس مل سکتی تھی۔

بودی شاہ نے انہیں صبح سویرے لاری اڈے پہنچا دیا۔ درویش پور کے لئے بس کی روانگی میں چند ہی منٹ باقی تھے۔ انہیں بہرحال سیٹیں مل گئیں۔ خوشنما اور زریاب ایک سیٹ پر بیٹھ گئے اور کندن رزمق کے ساتھ دوسری سیٹ پر۔

درویش پور کا چھ گھنٹے کا راستہ تھا۔ اور یہ تمام سفر جاگیر ہی میں تھا۔ بڑا سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ زریاب حیرت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی جاگیر کی مالک کندن کیسی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھی۔

تقریباً تین گھنٹے کے سفر کے بعد بس رک گئی۔ سامنے سڑک پر ایک لینڈ کروزر کھڑی تھی اور دو آدمی سڑک کے وسط میں کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ بس رکتے ہی ایک تیسرا آدمی بھی لینڈ کروزر سے اتر آیا۔ اور اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر زریاب کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا..... وہ خامس تھا۔

☆

جن دو آدمیوں نے بس روکی تھی ان کے چہرے بہت ہی خوفناک تھے۔ لمبے قد، بل ڈاگ جیسی شکلیں اور بڑی بڑی مونچھیں۔ ان دونوں کے پاس جدید ترین آٹومیٹک رائفلیں تھیں اور ان کے رخ بس کی طرف تھے۔

زریاب نے کندن اور رزمق کی طرف دیکھا۔ کندن کے چہرے پر ہلکا سا خوف تھا لیکن رزمق بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔ زریاب کے ساتھ بیٹھی ہوئی خوشنما کے چہرے پر بھی خوف کی جھلک نمایاں تھی۔

"خامس ہم تینوں کو نہیں پہچانتا۔ لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔" خوشنما نے زریاب کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "یہ چادر تم لے لو اور اسے اس طرح اوڑھ لو کہ تمہارا چہرہ چھپ جائے۔" اس نے اپنی چادر کندھوں سے اتار کر زریاب کی طرف بڑھا دی۔

بس میں دس بارہ عورتیں تھیں۔ ان میں سے بعض نے پردے کے خیال سے چادریں اس طرح اوڑھی ہوئی تھیں کہ چہرے چھپ گئے تھے۔ زریاب نے بھی چادر اس طرح اوڑھ لی کہ اس کا سارا چہرہ چھپ گیا۔

"جب سے جاگیردار بیمار ہوا ہے ڈاکوؤں نے پورے علاقے میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ لوگوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ان ڈاکوؤں سے جاگیر میں کہیں بھی سفر محفوظ نہیں رہا۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی آواز زریاب کی سماعت سے ٹکرائی۔

"یہ ڈاکو نہیں ہیں۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "وہ دیو قامت سفید بنیان والا گنجا خامس ہے۔ جاگیر کے مینجر کا پالا ہوا غنڈا..... یہ ارنے بھینسے کی طرح پوری جاگیر میں دندناتا پھرتا ہے۔ پولیس والے بھی اس کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔"

"کیا جاگیردار کو اس کی سرگرمیوں کا پتہ نہیں؟ وہ اسے روکتا کیوں نہیں؟" پہلے آدمی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کہا۔

"وہ بیچارہ خود بے بس ہے۔" دوسرے آدمی نے جواب دیا۔ "سنا ہے مینجر نے اسے اپنا قیدی بنا رکھا ہے اور یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ بیمار ہے۔ کسی کو اس سے ملنے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی۔ پچھلے دو سال سے کسی نے جاگیر دار کو نہیں دیکھا۔"

زریاب بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جاگیر کے بہت سے لوگ جاگیر دار کے خلاف اس کے مینجر رکھیل شاہ کی سازش سے واقف تھے۔

زریاب اس گن مین کی طرف دیکھنے لگی جو ڈرائیور والے دروازے کی طرف آ گیا تھا اور ڈرائیور سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بس کا انجن ابھی تک چل رہا تھا۔ ڈرائیور نے انجن بند کر دیا اور چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا۔ زریاب گردن گھما کر خامس کی طرف دیکھنے لگی جو لینڈ کروزر کے اگلے حصے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ رائفل اس کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ اس جیسے دیو قامت آدمی کے ہاتھ میں یہ رائفل کھلونا ہی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنے دوسرے آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ رائفل سنبھالے اگلے دروازے سے بس پر چڑھ گیا۔

زریاب نے ذرا سی گردن گھما کر کندن اور رزمق کی طرف دیکھا۔ رزمق اب بھی بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا۔ وہ دوبارہ اس گن مین کی طرف دیکھنے لگی جو گھورتی ہوئی نظروں سے بس کے مسافروں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں بھی زیادہ تر عورتوں کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ چار پانچ عورتوں نے چادریں اس طرح اوڑھ رکھی تھیں کہ چہرے بھی چھپ گئے تھے۔ وہ شخص چند لمحے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر بے حد سفاکی نظر آ رہی تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا سیٹوں کے درمیان والی جگہ پر چلنے لگا اور بس کے تقریباً درمیان میں رک گیا۔

اس کے دائیں والی سیٹ پر ایک عورت اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ مرد کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے نیوی بلیو پینٹ اور سفید شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ صحت مند قسم کا آدمی تھا۔ عورت کھڑکی والی طرف تھی۔ اس نے چادر اس طرح لپیٹ رکھی تھی کہ ایک آنکھ کے علاوہ باقی چہرہ چھپ گیا تھا۔ گن مین سیٹ کے قریب رکا تو عورت کسمسا کر باہر کی طرف دیکھنے لگی۔ گن مین چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس

نے اچانک ہی بایاں ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے چادر نوچ لی۔ عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کا چہرہ خوف سے ایک دم پیلا ہو گیا تھا۔ وہ بائیس تئیس سال کی خوبصورت عورت تھی۔

"اے..... اس کے ساتھ بیٹھا ہوا مرد ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اپنے ہاتھ قابو میں رکھو..... تم نے چادر کیوں کھینچی میری بیوی کے سر پر سے؟" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ وہ غصیلی نگاہوں سے گن مین کو گھور رہا تھا۔

گن مین نے خونخوار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی رائفل کا بٹ زور سے اس کے منہ پر مار دیا۔ وہ آدمی چیختے ہوئے لڑکھڑا کر سیٹ پر گرا۔ ضرب خاصی زوردار تھی۔ اس کا اوپر کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور منہ سے خون بہہ نکلا تھا جو اس کی ٹھوڑی تر کرتا ہوا قمیص پر ٹپک رہا تھا۔

"کسی اور نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو اسے گولی سے اڑا دوں گا۔" گن مین دھاڑا۔

سب لوگ اپنی جگہوں پر دبک کر بیٹھے رہے۔ وہ بدمعاش اگر خالی ہاتھ ہوتا تو شاید بس کے لوگ سب اس پر ٹوٹ پڑتے اور اس کے بخیے ادھیڑ ڈالتے لیکن اس کے ہاتھ میں آٹو میٹک رائفل تھی۔ دو اور آدمی رائفلیں لئے باہر کھڑے تھے۔ ایسی صورت میں کون ان کے منہ لگنے کی جرات کر سکتا تھا۔ اپنا ایک دانت تڑوانے کے بعد وہ شخص بھی خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔

گن مین کچھ دیر تک اس عورت کی طرف دیکھتا رہا جس کی اس نے چادر نوچی تھی۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا اور زریاب والی سیٹ کے قریب رک گیا۔ خوشنما کھڑکی کی طرف بیٹھی ہوئی تھی اور زریاب اندر کی طرف۔ ان کے سامنے والی سیٹ پر ایک عورت اور مرد بیٹھا ہوا تھا۔ اس عورت نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ گن مین بڑی خونخوار نظروں سے اس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس عورت کا ساتھی مضطرب ہو کر سیٹ پر پہلو بدلنے لگا۔ اور پھر گن مین نے اس عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ زریاب ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"ٹھہرو!" اس نے اپنی چادر اتار کر پھینک دی۔ "اس طرح بے غیرت بن کر ان عورتوں کے سروں سے چادریں مت نوچو..... جس کی تمہیں تلاش ہے وہ میں ہوں۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چلو..... میں تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔"

"اوہو!" گن مین نے اسے گھور کر دیکھا۔ "تم کون ہو؟" وہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"میں زریاب ہوں جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔" زریاب نے دبنگ لہجے میں جواب دیا۔ "میں ہی سندس محل سے بھاگی تھی۔ خامس کو میری ہی تلاش ہے۔ وہ ذلیل باہر کھڑا ہے۔ اسے بلاؤ تاکہ وہ مجھے پہچان لے۔"

بس کے سارے ہی مسافر حیران تھے کہ کہیں اس لڑکی کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو اپنے آپ کو اس طرح موت کے حوالے کر رہی تھی۔ کندن اور خوشنما بھی زریاب کی اس حرکت پر حیران ہو گئی تھیں۔ مگر رزمتی کے چہرے پر اب بھی سکون تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی کندن نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی مگر رزمتی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ کندن کسمسا کر رہ گئی۔

گن مین کچھ دیر تک زریاب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مکروہ سی مسکراہٹ آ گئی۔

"یقین نہیں آتا کہ تم زریاب ہو۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "خامس ایسا تو نہیں کہ تم جیسی حسین اور دھان پان سی عورت اسے نچا کر رکھ دے۔ اس سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔"

"تو اس شیطان کو بلاؤ تاکہ وہ مجھے پہچان لے۔" زریاب نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں خوف کی ذرا بھی جھلک نہیں تھی۔ "اور تم بھی مجھے پہچان لو۔ تاکہ بعد میں کبھی آمنا سامنا ہو تو تم جان سکو کہ تمہاری گردن مروڑنے والی کون ہے۔"

"بلے بھئی بلے!" اس شخص نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اب تم جیسی چھوکریاں بھی بدری کو گردن مروڑنے کی دھمکیاں دینے لگیں۔ کوئی سورما تو آج تک بدری کی طرف آنکھ اٹھا کر تمہیں دیکھ سکا اور تم....." اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھر کھڑکی کی طرف جھکتے ہوئے خامس کو آواز دی۔ "خامس! ادھر آ کر دیکھو۔ یہ چھوکری کہہ رہی ہے کہ میں زریاب ہوں۔ آؤ دیکھو..... یہ کون ہے؟"

بس کے مسافر بے حد خوفزدہ تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے بھی تھے جو [illegible]

کانپ رہے تھے۔ ان کے خیال میں یہ لڑکی واقعی بدقسمت تھی جو جان بوجھ کر موت کے منہ میں چھلانگ لگا رہی تھی۔ بیشتر لوگ خامس کے بارے میں جانتے تھے۔ جنہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ بھی اس کی دہشت گردیوں سے واقف تھے۔

خامس بس کے اگلے دروازے سے اوپر چڑھ گیا۔ لیکن وہ آگے آنے کی بجائے دروازے ہی میں رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر زریاب پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخا تھا۔

"یہی ہے..... یہی ہے وہ حرافہ..... اسے نیچے اتارو اور یہ بھی معلوم کرو کہ اس کے ساتھ دوسری عورت اور آدمی کون ہے۔"

لوگ خامس کی آواز سن کر حیران رہ گئے تھے۔ لمبا تڑنگا دیو قامت آدمی اور لڑکوں جیسی آواز۔

"میرے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔" زریاب نے کہا۔ "میں اس بس میں اکیلی ہوں۔ میرے ساتھی ایک روز پہلے ہی کلاچی جا چکے ہیں۔ ہٹو! مجھے راستہ دو۔"

زریاب، بدری کو ایک طرف دھکیلتی ہوئی اگلے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے معنی خیز انداز میں رزمتی کی طرف دیکھا تھا۔ خامس بس سے اتر کر سامنے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں رائفل تھی جو نیچے جھکی ہوئی تھی۔

زریاب دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بدری اس سے دو قدم پیچھے تھا۔ دروازے کے نیچے والے پائیدان پر قدم رکھتے ہوئے زریاب نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کے اوپر والا راڈ پکڑ لیا اور اچانک ہی ہوا میں جھول گئی۔ اس کے دونوں پیر سامنے کھڑے ہوئے خامس کے سینے پر لگے تھے۔ خامس کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل سڑک پر گر گیا۔ رائفل بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ زریاب کے پیر دوبارہ پائیدان پر نہیں ٹکے تھے۔ وہ ایک بار پھر وہیں جھولتی ہوئی سڑک پر پہنچ گئی۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہو گیا تھا کہ کوئی بھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ زریاب کی اس حرکت نے بدری کو بھی ایک لمحہ کو بدحواس کر دیا تھا۔ اپنے آپ کو سنبھالتے ہی وہ دروازے کی طرف لپکا۔ اس کا ایک پیر اوپر والے پائیدان پر تھا۔ دوسرا پیر نچلے پائیدان پر

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے کولہوں پر ایک زور دار لات پڑی اور وہ قلا بازیاں کھاتا ہوا سڑک پر گرا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے بھی چھوٹ کر گر گئی تھی۔

بدری کو لات مارنے والا رزمق تھا۔ اس نے بھی بدری کے پیچھے ہی چھلانگ لگادی اور بدری کے سنبھلنے سے پہلے ہی اسے چھاپ لیا تھا۔ دوسری طرف زریاب زمین پر پڑے ہوئے خامس پر ٹھوکریں برسا رہی تھی۔

بدری اور خامس کا تیسرا ساتھی بس کے دوسری طرف ڈرائیور سائیڈ پر کھڑا تھا۔ وہ یہ صورتحال دیکھتے ہی اس طرف لپکا۔ اس نے رائفل کا رُخ اوپر کر کے ہوا میں ایک برسٹ مارا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی پشت پر بھی زور دار لات پڑی اور وہ بری طرح لڑکھڑا گیا۔ جھٹکا لگنے سے رائفل اس کے ہاتھ سے نہیں گری تھی لیکن دوسرے لمحے رائفل اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل گئی جیسے چھین لی گئی ہو۔

تیسرے آدمی پر حملہ کرنے والا بس کا وہی مسافر تھا جس کی بیوی کے سر سے بدری نے چادر کھینچی تھی اور رائفل کا بٹ مار کر اس کا دانت توڑ دیا تھا۔ بدلتی ہوئی صورت حال دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ پر بیٹھا نہیں رہ سکا تھا۔ رزمق نے جیسے ہی بدری کو لات ماری تھی وہ بھی اپنی سیٹ سے اٹھ گیا تھا وہ اس دروازے سے اترنے کی بجائے ڈرائیور والے دروازے کی طرف لپکا۔ اس نے تیسرے آدمی کو دوسری طرف سے گھوم کر سامنے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

ڈرائیور کی سیٹ پر پیر رکھ کر اس نے نیچے چھلانگ لگادی۔ ڈرائیور ایک طرف کھڑا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے کھیتوں کی طرف چھلانگ لگادی اور بدحواسی کے عالم میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

بس سے اترنے والا زخمی مسافر انجن والے حصے کی آڑ میں ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ تیسرے بدمعاش نے دوسری طرف پہنچ کر زریاب اور رزمق کو خوفزدہ کرنے کے لئے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ زخمی مسافر انجن کی آڑ سے نکل کر چیتے کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے فائرنگ کرنے والے بدمعاش کے کولہوں پر زوردار لات رسید کر دی تھی۔ گن مین بری طرح لڑکھڑا گیا۔ دوسرے ہی لمحہ زخمی مسافر نے لپک کر اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔

اچانک فائرنگ سے زریاب اور رزمق کچھ بدحواس ہو گئے تھے اس طرح خامس اور بدری کو موقع مل گیا۔ بدری نے رزمق کا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ رزمق لڑکھڑاتا ہوا گر گیا اور بدری نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

دوسری طرف خامس بھی ایک طاقتور سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کے دیو قامت جسم میں حیرت انگیز لچک تھی۔ اس نے اٹھتے ہی زریاب پر حملہ کر دیا تھا۔ زریاب پھرتی سے ایک طرف ہٹی تھی لیکن خامس کے پیر کی ٹھوکر اس کی بائیں کہنی پر لگی۔ زریاب کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی بہت وزنی ہتھوڑے سے اس کی کہنی پر ضرب لگائی گئی ہو۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

بس میں بیٹھے ہوئے مسافر خوف زدہ ہو کر چیخ رہے تھے۔ عورتوں اور بچوں کی چیخیں زیادہ ہوش اڑا دینے والی تھیں۔

زخمی مسافر اس بدمعاش سے رائفل چھیننے کے بعد سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ وہ بدمعاش سنبھل کر ایک پیر پر تیزی سے گھوما۔ اس کے پیر کی ٹھوکر مسافر کے رائفل والے بازو پر لگی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری۔ بدمعاش نے اس مسافر پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ وہ پہلے ہی زخمی تھا۔ ان تابڑ توڑ حملوں سے اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

اب وہ تینوں خامس اور اس کے ساتھیوں کے رحم و کرم پر تھے۔ خامس اور اس کے دونوں ساتھی، رزمق اور زخمی مسافر کی پٹائی کر رہے تھے۔ زریاب کے ہونٹوں سے بھی خون بہنے لگا تھا۔ اس کا حریف ان سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ سفاک تھا۔ یوں تو ان تینوں میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی لیکن خامس ان سب میں زیادہ سنگ دل اور بے رحم تھا۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے مقابلے میں ایک عورت ہے۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ ایک ایسے دشمن سے مقابلہ ہے جس نے کئی روز سے اس کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ اب تو اس کی زندگی کا دارومدار بھی اس دشمن کو زیر کرنے پر تھا۔ رکھیل شاہ نے اسے واضح الفاظ میں وارننگ دی تھی کہ اگر وہ زریاب کو پکڑ کر لانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اسے بھی کتوں سے نچوا دے گا۔ وہ رکھیل شاہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا اس پر عمل بھی کرتا تھا۔ اس نے دو روز کی مہلت دی تھی اور آج یہ مہلت بھی ختم ہو

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رہی تھی۔ وہ اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھا تھا کہ اس بس کو چیک کرتے ہوئے زریاب ہاتھ آ گئی تھی لیکن وہ اس کی توقع سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہی تھی۔ خامس کو یہ بھی یقین تھا کہ جس شخص نے سب سے پہلے بدری پر حملہ کیا تھا وہ زریاب کا ساتھی تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان کی ساتھی دوسری عورت بھی اس بس میں ہو گی۔

خامس کا خیال تھا کہ وہ آسانی سے ان لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیں گے لیکن یہاں صورت حال ایک نیا رخ اختیار کر گئی اور انہیں ناکوں چنے چبانے پڑ رہے تھے۔ زریاب پہلی مرتبہ جب حویلی سے فرار ہوئی تھی تو اس روز بھی جنگل میں اس سے مقابلہ ہوا تھا اور زریاب جس طرح اسے زیر کر کے بھاگ گئی تھی اس سے خامس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ دبلی پتلی اور کمزور سی ہونے کے باوجود وہ کس قدر طاقت ور تھی۔ اس لئے آج وہ اس کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔ لیکن اتنی دیر میں تو وہ بدری جیسے دو بدمعاشوں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا لیکن اس لڑکی نے اسے نچا کر رکھ دیا تھا۔

خامس پر اب جنون سا طاری ہو رہا تھا اور اسی جنون میں وہ بے تکے انداز میں ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔ اس نے زریاب کو ایک ٹھوکر مارنا چاہی تو زریاب بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ گئی۔ خامس کے پیر کی ٹھوکر بدری کو لگی جو لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ ٹھوکر زوردار تھی۔ بدری کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل سامنے گرا اس طرح رزمق کو بھی بدری پر قابو پانے کا موقع مل گیا۔

بازی ایک بار پھر پلٹ گئی۔ اب خامس اور اس کے دونوں ساتھی پٹ رہے تھے۔ اسی دوران بس میں بیٹھے ہوئے آٹھ دس آدمی نیچے اتر آئے۔ انہیں بڑی دیر بعد خیال آیا تھا کہ انہیں بھی کچھ کرنا چاہئے۔ وہ لوگ بس سے اتر کر چیختے ہوئے خامس اور اس کے ساتھیوں پر پل پڑے۔

یہ نئی صورتحال دیکھ کر خامس اور اس کے ساتھی بدحواس ہو گئے۔ اب وہ مقابلہ کرنے کی بجائے فرار کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ خامس اس وقت دو آدمیوں کی گرفت میں تھا۔ اس نے چنگھاڑتے ہوئے ان دونوں آدمیوں کو دور اچھال دیا اور خود بھی چیختے ہوئے کھیتوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ دو تین آدمی اس کے پیچھے دوڑے لیکن خامس حیرت انگیز تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سے بہت دور نکل گیا۔

بدری اور اس کے ساتھی کو گرفت میں لے کر ان کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ بس کا ڈرائیور بھی جو کھیتوں میں چھپا ہوا تھا واپس آ گیا۔

"انہیں اگلے قصبے میں پولیس کے حوالے کر دینا۔" رزمق نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بس کے تمام مسافر گواہی دیں گے کہ یہ ڈاکو ہیں اور انہوں نے بس کو روک کر لوٹنے کی کوشش کی تھی لیکن مسافروں نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں گرفت میں لے لیا۔ اور ان کی یہ رائفلیں بھی پولیس کے حوالے کر دینا اور یہ بھی بتا دینا کہ ان کا تیسرا ساتھی بھاگ گیا تھا۔

رزمق نے اپنا سامان بس سے اتار لیا تھا۔ کندن اور خوشنما بھی بس سے اتر آئیں۔ تمام مسافر بس میں سوار ہو گئے۔ رزمق نے اپنا سامان خامس کی لینڈ کروزر میں رکھا اور زریاب وغیرہ کو اشارہ کیا۔ وہ تینوں لینڈ کروزر میں بیٹھ گئیں۔ زریاب قمیص کے دامن سے اپنے خون آلود ہونٹ صاف کرنے لگی۔

رزمق نے لینڈ کروزر سٹارٹ کرنے سے پہلے ڈیش بورڈ پر نظر ڈالی۔ فیول بتانے والے ڈائل کی سوئی بتا رہی تھی کہ ٹینکی میں خاصی مقدار میں ایندھن موجود تھا۔ یوں بھی پٹرول سے بھرے ہوئے دو جیری کین لینڈ کروزر کے پچھلے حصے میں رکھے ہوئے تھے اس لئے انہیں پٹرول کی کوئی فکر نہیں تھی۔

رزمق نے انجن سٹارٹ کر کے لینڈ کروزر واپس موڑ دی۔ ان کا رخ اسی طرف تھا جس طرف سے وہ آئے تھے۔ واپسی کی سمت میں تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے لینڈ کروزر کھیتوں میں ایک کچے راستے پر موڑ دی۔

"اس طرف کہاں جا رہے ہو رزمق؟" کندن نے پوچھا۔ وہ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"درویش پورا!" رزمق نے جواب دیا۔ "یہ راستہ اگرچہ طویل ضرور ہے لیکن ہم کسی دشواری کے بغیر اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

کندن نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے مڑ کر زریاب اور خوشنما کی طرف دیکھا اور پھر سیٹ کے اوپر سے پھلانگ کر پچھلے حصے میں ان دونوں کے پاس آ گئی۔ اور وہ تینوں باتیں کرنے لگیں۔ لینڈ کروزر کھیتوں کے درمیانی کچے راستے پر ہچکولے کھاتی ہوئی چلتی رہی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

☆

خامس اندھا دھند کھیتوں میں دوڑتا رہا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا اور بالآخر جب اس کے پھیپھڑے جواب دے گئے تو وہ لڑکھڑاتا ہوا رک گیا۔ اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اس سے کھڑے بھی نہیں رہا جا سکا اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے بیٹھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ نہ تو دوزانو تھا اور نہ آلتی پالتی مارے ہوئے تھا۔ بلکہ وہ کچھ اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں سے دہری ہو کر پیچھے کو مڑی ہوئی تھیں اور قدرے آگے کو جھک کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر ٹکا رکھی تھیں۔ سانس بری طرح پھولا ہوا تھا اور منہ سے کف جاری تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تا حد نظر کھیت تھے اور کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر اونچے درخت تھے۔ بس یا کسی اور چیز کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ پتہ نہیں کتنے میل تک بھاگتا چلا آیا تھا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اس قسم کی ذلت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ وہ جان بچانے کے لئے اس طرح بھاگا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اسے کبھی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ لڑکپن میں بھی وہ اپنے جیسے تین تین چار چار لڑکوں کو اٹھا کر پٹخ دیا کرتا تھا۔ جوانی میں تو کبھی کسی نے اس کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لوگ اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر ہی ڈر جایا کرتے تھے لیکن اب چند روز کے اندر اندر یہ اس کی دوسری شکست تھی اور وہ بھی ایک لڑکی کے ہاتھوں۔

دھوپ میں مسلسل دوڑتے رہنے سے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ بنیان پسینے میں بھیگ کر جسم سے چپک گئی تھی اور گردن پر پسینے کی دھاریں کینچوؤں کی طرح رینگ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی بڑی شدت کی پیاس بھی لگ رہی تھی۔ اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کے بعد اس نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ تقریباً ایک فرلانگ آگے اسے قدرے بلندی پر درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔

خامس اچھی طرح جانتا تھا کہ کھیتوں میں کہیں کہیں ٹیلوں پر یا اس قسم کے درختوں کے جھنڈوں میں کاشتکاروں نے ڈیرے بنا رکھے تھے۔ وہاں رہٹ والے کنویں بھی تھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے کاشتکار دوپہر کا وقت ایسی ہی جگہوں پر گزارا کرتے تھے اور کھیتوں کو پانی بھی ان رہٹوں میں سے دیا جاتا تھا۔

وہ اٹھ کر درختوں کے اس جھنڈ کی طرف چل دیا۔ فاصلہ اگرچہ زیادہ نہیں تھا لیکن اسے وہاں تک پہنچنے میں کئی منٹ لگ گئے۔ ٹیلے پر درختوں کے نیچے جا بجا کھونٹے گڑھے ہوئے تھے ان کے آس پاس خشک گوبر بکھرا ہوا تھا۔ بائیں طرف ایک ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا بھی تھا لیکن اس ٹیلے پر یا اس کے آس پاس زندگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ چند لمحے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر جھونپڑے کے قریب آ گیا۔ تقریباً دو فٹ کی بلندی تک گارے مٹی کی دیوار تھی اور اس کے اوپر لکڑی کی بلیاں لگا کر درختوں کی شاخوں اور گھاس پھونس کا جھونپڑا بنا لیا گیا تھا لیکن وہ جھونپڑا اُجڑا ہوا تھا۔ جھونپڑے کی چھت آدھی سے زیادہ ٹوٹی ہوئی تھی۔

خامس کچھ دیر وہاں کھڑا اس شکستہ جھونپڑے کو دیکھتا رہا۔ پھر چند قدم آگے جا کر رک گیا۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ وہ کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ ٹیلے کے دوسری طرف نشیب میں چند کچے مکان نظر آ رہے تھے اور درختوں کے بیچ میں دو ڈھائی فٹ اونچی ایک گول منڈیر نظر آ رہی تھی۔ اس پر ایک چرخی لگی ہوئی تھی جو کسی کنویں کی نشاندہی کر رہی تھی۔

خامس ٹیلے سے اتر کر درختوں کے اس جھنڈ میں آ گیا جہاں کنویں کی منڈیر تھی۔ منڈیر کئی جگہوں سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ چرخی سے بندھا ہوا رسا کنویں میں لٹکا ہوا تھا۔ خامس نے کنویں میں جھانک کر دیکھا۔ پھر سیدھا ہو کر ایک ہاتھ چرخی کے ہتھے پر رکھ کر اسے گھمانا ہی چاہتا تھا کہ چرخی اس کے ہاتھ کے بوجھ سے خود بخود گھوم گئی۔ ایسے کنوؤں سے پانی نکالنے کے لئے عام طور پر چمڑے کے بنے ہوئے ڈول استعمال ہوتے ہیں جنہیں رسی سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا جاتا ہے اور اس میں پانی بھر جانے کے بعد چرخی گھما کر اوپر کھینچ لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ چرخی بہت ہلکی تھی جس سے خامس کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ رسی کے ساتھ کوئی ڈول وغیرہ بندھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے چرخی چھوڑ دی اور رسی کو دونوں ہاتھوں سے اوپر کھینچنے لگا۔ بالآخر رسی کا بھیگا ہوا سرا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ خامس رسی کا سرا منہ میں ڈال کر اسے چوسنے لگا۔ پیاس تو بہر حال نہیں بجھی تھی لیکن بار بار رسی کنویں کے پانی میں بھگو کر چوسنے سے ہونٹ، زبان اور حلق تر ہو گیا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ کچھ دیر کنویں کی منڈیر پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر کچے کانوں کی طرف چل دیا۔ پانچ چھ مکان تھے اور سب شکستہ تھے۔ دروازے اور کھڑکیاں سب ہی کے غائب تھے۔ ان شکستہ مکانوں کی حالت بتا رہی تھی کہ یہاں رہنے والے کاشت کار عرصہ پہلے کسی دوسری جگہ منتقل ہو چکے تھے۔

وہ کچھ دیر تک کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ تھکن سے اب اس کا برا حال ہو رہا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس قدر شدید تھکن محسوس کر رہا تھا۔

خامس کے ذہن میں زریاب کا خیال ابھر آیا۔ وہ جاگیر دار نمران سے ملنے کے لئے سندس محل آئی تھی۔ رکھیل شاہ کو پہلے ہی اس کی آمد کا پتہ چل گیا تھا۔ اس نے گوپانگ اور خامس کو حکم دیا تھا کہ اس لڑکی کو جاگیر دار سے نہ ملنے دیا جائے اور اسے ڈرا دھمکا کر وہاں سے بھگا دیا جائے۔ لڑکی کو ڈرانے کے لئے خامس نے حویلی میں کئی ڈرامے کئے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ حویلی کو آسیب زدہ سمجھ کر ڈر گئی تھی لیکن وہاں سے بھاگنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا بلکہ زریاب ان کے لئے مسئلہ بنتی گئی تھی۔ خامس کو شبہ تھا کہ اس رات جاگیر دار نمران نے کسی خفیہ راستے سے زریاب کے کمرے میں داخل ہو کر اس سے ملاقات کی تھی اور شاید اس ملاقات کے بعد وہ کچھ نڈر سی ہو گئی تھی۔

زریاب کے آنے سے پہلے بھی کئی روز سے حویلی میں ناقابل فہم سے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ بعض لوگ باہر سے حویلی میں مداخلت کر رہے تھے۔ وہ لوگ کون تھے اور کیا چاہتے تھے؟ خامس کو اس کا کچھ علم نہیں تھا لیکن وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ کچھ لوگ رات کے وقت کسی خفیہ راستے سے حویلی میں داخل ہوتے ہیں اور مختلف عمارتوں کے کمروں اور راہداریوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو وہ انہیں آسیب یا بدروحیں سمجھ کر حویلی سے بھاگ جاتا۔ مگر وہ خامس تھا۔ خود اس حویلی کا سب سے بڑا آسیب.....

اس طرح پراسرار طور پر حویلی میں داخل ہونے والوں میں ایک عورت بھی تھی۔ خامس نے کئی مرتبہ انہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ ایک دو مرتبہ وہ عورت تو اس کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی تھی مگر ہر مرتبہ پراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی۔ خامس اس حویلی کے خفیہ راستوں سے بھی واقف تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ اس حویلی کے نیچے سرنگوں کا ایک

جال سا بچھا ہوا ہے اور اس کا ہر راستہ الگ تھا۔ خامس کو چند راستوں کا تو علم تھا لیکن باقی راستے اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اور وہ لوگ وہی راستے استعمال کر رہے تھے جن کا خامس کو علم نہیں تھا۔

زریاب کے حویلی میں آنے کے بعد پہلی ہی رات اس کے کمرے سے کچھ چیزیں چوری کر لی گئی تھیں۔ ان میں ایک ڈائری تھی اور ایک براؤن رنگ کا لفافہ جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ ان میں سے چند تصویریں وہ پینٹنگز کی صورت میں اس حویلی میں آویزاں دیکھ چکا تھا۔ زریاب کے پاس یہ تصویریں دیکھ کر خامس کو شبہ ہوا تھا اور اس نے ڈائری اور تصویریں گوپانگ کے حوالے کر دی تھیں۔ گوپانگ نے ایک اور چکر چلایا اور بالکل اسی طرح کی ایک ڈائری درویش پور سے لا کر اس کے کمرے میں رکھوا دی۔ وہ اس طرح زریاب کو جو تاثر دینا چاہتا تھا اس میں کامیاب رہا تھا۔

وہ تصویریں دیکھنے کے بعد گوپانگ نے خامس کو حکم دیا تھا کہ زریاب کی نگرانی کی جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ کسی طرح بھی حویلی سے نکلنے نہ پائے۔ لیکن اس کے دو چار روز بعد ہی حویلی میں راتوں کو دخل در معقولات کرنے والے وہ پراسرار لوگ زریاب کو حویلی سے نکال لے گئے تھے۔ اتفاق سے اس روز گوپانگ بھی حویلی میں موجود تھا۔ خامس نے گوپانگ کے حکم پر خونخوار کتے چھوڑ دیئے تھے۔ زریاب کے پراسرار حمایتیوں میں سے ایک خونخوار کتوں کے ہاتھ لگ گیا تھا جبکہ دوسرا آدمی زریاب کو لے کر کسی خفیہ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

خامس اور گوپانگ نے حویلی سے نکل کر جنگل میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ خامس نے زریاب کو تلاش کر لیا تھا لیکن وہ دبلی پتلی سی لڑکی اس کے لئے اودھے کا چنا ثابت ہوئی تھی اور اپنے ساتھی کی مدد سے اسے زیر کر کے بھاگ نکلی تھی۔

یہ خامس کی پہلی شکست تھی۔ اور پھر اس کے دوسرے ہی روز وہ ایک بار پھر حویلی میں گھس آئے تھے۔ گوپانگ اس رات بھی حویلی میں تھا۔ وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بڑی حد تک قابل عمل تھا۔ خامس نے نرس روشن کو خنجر کے پے در پے وار کر کے اسے وہیں پھینک دیا اور وہ رات کے آخری پہر جاگیر دار نمران کو لے کر حویلی سے نکل گئے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ درویش پور پہنچتے ہی خامس پولیس لے کر دوبارہ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حویلی پہنچ جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ اس دوران حویلی کو خالی پا کر زریاب اور اس کے ساتھی بے فکر ہو جائیں گے اور پولیس انہیں گھیر کر گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ان پر روشن کے قتل کا الزام لگانا زیادہ مشکل نہ ہوتا۔ لیکن ان کا یہ منصوبہ بھی بری طرح ناکام ہو گیا تھا اور خامس کو ایک بار پھر منہ کی کھانی پڑی تھی۔

اور جب بدری نے اسے بس میں زریاب کی موجودگی کی نوید سنائی تھی تو خامس بے حد خوش ہوا تھا۔ اپنی آنکھوں سے زریاب کو دیکھ کر وہ اپنی پچھلی ساری تکلیفیں بھول گیا تھا۔ اس نے زریاب کو بس سے اتارنے کا حکم دیتے ہوئے سوچا تھا کہ اس پر تشدد کر کے اس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں بھی دریافت کر لے گا لیکن زریاب نے بس سے اترتے ہوئے جو حرکت کی تھی اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر جو کچھ بھی ہوا وہ بھی اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا تھا۔ البتہ بدری اور اس کا ساتھی ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ لیکن خامس کو ان دونوں کی پروا نہیں تھی۔ انہیں مار بھی دیا جاتا تو خامس کو کوئی غم نہ ہوتا۔ ان دونوں کی حیثیت ہی کیا تھی۔ رکھیل شاہ کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے اب تک کئی آدمی خامس کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے خامس کو کبھی افسوس نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً خامس کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور اس خیال کے ساتھ ہی وہ کانپ اٹھا۔ اس نے اب تک کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ان میں زیادہ تر بے گناہ تھے۔ انہیں صرف اس لئے قتل کیا تھا کہ ان کی زندگی سے رکھیل شاہ کے مفادات خطرے میں پڑ جاتے۔ زریاب کو بھی محض اس لئے تلاش کیا جا رہا تھا کہ رکھیل شاہ کو یہ شبہ ہو چکا تھا کہ وہ سندس خاندان کی لڑکی ہے اور عین ممکن ہے کہ جاگیر دار نے اسے جاگیر کی وراثت کے سلسلے میں ہی بلایا ہو۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ چند روز حویلی میں رہ کر اس کے بہت سے راز جان چکی تھی۔ رکھیل شاہ نے آج تک کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں چھوڑا تھا جو اس کے کسی راز سے واقف ہو چکا ہو اور اس سے کوئی خطرہ ہو۔

خامس کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ وہ رکھیل شاہ کے بہت سے راز جانتا تھا اور زریاب جیسی لڑکی سے پے در پے شکست کھانے کے بعد رکھیل شاہ کے لئے بیکار ہو چکا

تھا۔ جو ایک معمولی لڑکی کو نہیں پکڑ سکا ہو وہ رکھیل شاہ کے اور کس کام آ سکتا تھا؟ اور پھر رکھیل شاہ نے تو اسے پہلے ہی وارننگ دے دی تھی کہ اگر وہ ناکام واپس آیا تو اسے خونخوار کتوں کے آگے ڈال دیا جائے گا۔

یہ خیال آتے ہی خامس کانپ اٹھا تھا۔ وہ رکھیل شاہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اسے واقعی کتوں سے نچوا دے گا۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں آیا کہ وہ دردلیش پور واپس جانے کی بجائے بھاگ جائے۔ لیکن وہ جائے گا کہاں؟ اس دنیا میں اس کا کون تھا؟ اس نے کسی کے ساتھ بھی تو اچھا سلوک نہیں کیا تھا جو اس مصیبت کے وقت اسے پناہ دے سکے۔ اس نے جاگیر میں رہتے ہوئے دشمن تو بہت بنائے تھے لیکن اس کا دوست ایک بھی نہیں تھا۔ اس کا اپنا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی..... کوئی بھی تو نہیں تھا۔ وہ تو ان رشتوں ہی سے نا آشنا تھا۔ اسے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کون تھا اور اس کے ماں باپ کون تھے اور وہ کہاں سے آیا تھا۔ اسے تو صرف اتنا یاد تھا کہ جب وہ دس گیارہ سال کا تھا تو ایک آدمی اسے جاگیر دار نمران کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ رکھیل شاہ اس وقت بھی جاگیر کا منیجر تھا۔ اس نے خامس کو جاگیر دار سے مانگ لیا اور اپنے طور پر اس کی پرورش کرنے لگا۔

خامس بہت جلد قد کاٹھ نکالنے لگا۔ اسے خوراک اچھی ملتی تھی۔ رکھیل شاہ اپنے مخصوص انداز میں اس کی پرورش کر رہا تھا۔ اس کے جسم میں فولاد بھرتا گیا۔ اس کا دل بھی گوشت پوست کے ایک لوتھڑے کی بجائے فولاد کا ایسا ٹکڑا بن گیا جس میں کوئی جذبہ نہیں تھا، کوئی احساسات نہیں تھے۔ اس کے دل میں صرف ایک چیز بھری گئی تھی۔ بے رحمی، سفاکی..... اگر بے رحمی یا سفاکی کو کسی جذبے کا نام دیا جا سکتا ہو تو اس کے سینے میں صرف یہی ایک جذبہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور جذبے سے آشنا نہیں تھا۔

رکھیل شاہ نے اسے جو تربیت دی تھی اس میں یہ چیز خاص طور پر شامل تھی کہ کسی دشمن کی گردن کس طرح مروڑی جاتی ہے۔ اسے ارنا بھینسوں اور باؤلے بیلوں کے ساتھ تقابلے کروا کر یہ تربیت دی گئی تھی۔ اس قسم کے مختلف مقابلوں میں وہ دو بیلوں اور پانچ ارنا بھینسوں کی گردنیں مروڑ چکا تھا اور خود بھی کئی بار مرتے مرتے بچا تھا۔

خامس تیس سال کا تھا جب اس نے رکھیل شاہ کے اشارے پر ایک آدمی کی گردن

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مروڑی تھی۔ وہ جاگیر کا ایک کاشت کار تھا۔ رکھیل شاہ، خامس کو اپنے ساتھ لے کر جاگیر کے دورے پر نکلا ہوا تھا۔ رات اس نے ایک دور افتادہ چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ رکھیل شاہ کے اشارے پر بستی کے دو آدمی ایک کاشت کار کی بیٹی کو اٹھا لائے تھے۔ لڑکی کا باپ چیخ چیخ کر رکھیل شاہ سے اپنی بیٹی کے لئے رحم کی بھیک مانگتا رہا لیکن رکھیل شاہ کے دل پر اس کی فریادوں اور آہ وزاری کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اور جب لڑکی کے باپ نے دھمکی دی کہ وہ جاگیردار کے پاس اس کی شکایت کر دے گا تو رکھیل شاہ کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

لڑکی کا باپ اسی وقت سندس محل جانے کے لئے بستی سے روانہ ہو گیا تھا۔ رکھیل شاہ کے اشارے پر اس کے کچھ ہی دیر بعد خامس بھی بستی سے نکل کھڑا ہوا اور کچھ ہی دور جا کر اس نے ویرانے میں لڑکی کے باپ کو جالیا۔ کاشت کار اپنے آپ کو بچانے کی بھرپور کوشش کرتا رہا۔ اس نے بڑی مزاحمت کی تھی لیکن خامس کی فولادی گرفت سے نہیں نکل سکا۔ خامس نے اس کی گردن اس طرح مروڑ دی جیسے اس نے درخت کی کوئی شاخ توڑی ہو۔

یہ خامس کے ہاتھوں مرنے والا پہلا انسان تھا اور اسے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ اور اس کے بعد تو پھر یہ سلسلہ چل نکلا تھا۔ خامس کو یاد نہیں تھا کہ اس نے رکھیل شاہ کے اشارے پر اب تک کتنے انسانوں کو ان کی زندگیوں سے محروم کیا تھا۔

جاگیردار نمران نے جب رکھیل شاہ کو اس کی بد دیانتیوں کی وجہ سے ملازمت سے برطرف کر کے جاگیر سے نکال دیا تو رکھیل شاہ خامس کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ رکھیل شاہ اسے لے کر ملک کے شمال میں پہاڑی علاقے میں آگیا۔ پہاڑوں کی زندگی شہر کی زندگی سے زیادہ کٹھن تھی۔ ان کٹھنائیوں نے خامس پر اس طرح اثر کیا کہ وہ پتھروں میں رہ کر مکمل طور پر پتھر بن گیا۔

اور جب رکھیل شاہ نے دوبارہ جاگیر میں آکر حویلی پر قبضہ کیا تو خامس اس کے ساتھ تھا۔ جاگیردار کو حویلی کے تہہ خانے میں قید کر دیا گیا اور خامس کو حویلی کا نگران بنا دیا گیا۔ کیونکہ وہ رکھیل شاہ کا تربیت یافتہ تھا اور جانتا تھا کہ حویلی کی حفاظت کے لئے خامس سے بہتر اور کوئی آدمی ہو ہی نہیں سکتا۔

جاگیردار پچھلے دو سال سے حویلی میں قید تھا۔ اس دوران جاگیردار کے بہت سے وفاداروں کو بھی اگلے جہان پہنچا دیا گیا تھا۔ خامس کو یاد نہیں تھا کہ اس کے ہاتھوں کتنے آدمی مارے گئے تھے۔ رکھیل شاہ نے جس کو بھی اپنے راستے کی رکاوٹ یا خطرہ سمجھا تھا اسے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ان میں کئی ایسے بھی تھے جو رکھیل شاہ کے اپنے آدمی تھے لیکن وہ اس کے لئے بیکار ہو گئے تھے۔

اور اب خامس بھی رکھیل شاہ کے لئے بیکار ہو گیا تھا اور خامس اچھی طرح جانتا تھا کہ رکھیل شاہ کسی کو معاف کرنے کا عادی نہیں ہے۔ اس کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ گوپانگ کے ذریعے رکھیل شاہ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے خیال میں جان بچانے کا یہ ہی سب سے بہتر طریقہ تھا۔ یہ سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کھیتوں کے درمیان ایک پگڈنڈی پر چل پڑا۔ تقریباً تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے مکھیا کے گھر دوپہر کا کھانا کھایا اور اسی کا گھوڑا لے کر درویش پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس بستی سے درویش پور کا راستہ خاصا طویل تھا لیکن اب اسے اطمینان تھا کہ اسے گھوڑا مل گیا تھا۔

سورج غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے وہ ایک نہر کے سامنے پہنچ گیا۔ درویش پور یہاں سے تقریباً دس کوس تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹی سی بستی پڑتی تھی۔ خامس نہر کے قریب گھوڑے سے اتر گیا۔ اس نے گھوڑے کو ایک جھاڑی کی شاخ سے باندھ دیا اور نہر کے پل سے ذرا ہٹ کر کنارے پر بیٹھ گیا اور نہر کے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھونے لگا۔

وہ کچھ دیر تک نہر کے کنارے پر بیٹھا رہا اور پھر اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نظر پل کے قریب نہر کے پانی میں ڈوبی ہوئی کسی چیز پر پڑی۔ وہ اس طرف آگیا اور غور سے پانی میں ڈوبی ہوئی اس چیز کو دیکھنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ اس کی لینڈ کروزر تھی جو پوری طرح نہر کے پانی میں نہیں ڈوب سکی تھی۔ خامس کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ زریاب اور اس کے ساتھی بس کو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

چھوڑ کر لینڈ کروزر پر اسی طرف آئے تھے۔ یہاں پہنچ کر لینڈ کروزر میں یا تو پٹرول ختم ہو گیا تھا یا کسی اور وجہ سے انہوں نے لینڈ کروزر کو نہر میں دھکیل دیا تھا اور پیدل ہی کسی طرف نکل گئے تھے۔

خامس نے سیدھے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر گھوڑے کو کھول کر نہر کے پل پر لے آیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور پھر گھوڑے کو درویش پور کی طرف جانے والے راستے پر سرپٹ دوڑا دیا۔

☆

خامس جب درویش پور کے نواح میں پہنچا تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سامنے تقریباً ایک میل دور شہر کی جھلملاتی ہوئی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ سیدھا شہر جانے کی بجائے تقریباً نصف میل آگے ایک نواحی بستی قطب آباد کی طرف مڑ گیا۔

قطب آباد میں داخل ہونے کے بعد خامس مختلف راستوں پر گھومتا ہوا نہر کی طرف نکل آیا۔ یوں تو پورے علاقے میں رونق تھی لیکن نہر کے ساتھ والا علاقہ زیادہ بارونق تھا۔ تمام ریستوران آباد تھے۔ ہر ریستوران کے سامنے نہر کے کنارے ایک خوبصورت لان بنا ہوا تھا جہاں میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور لوگ کھلی فضا میں بیٹھے ناؤنوش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تمام تفریح گاہیں بھی پوری طرح آباد تھیں۔ برقی قمقمے جگمگا رہے تھے اور بچے شور مچاتے ہوئے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے۔

خامس ایک ریستوران کے قریب سے ہوتا ہوا نہر کی پلیا پر آ گیا۔ نہر پر اس طرح کی لاتعداد پلیاں بنائی گئی تھیں۔ ان پلیوں اور نہر کے دونوں کناروں پر برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ نہر کے پانی میں ان کے عکس اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے آسمان کے لاتعداد ستارے نہر میں اتر آئے ہوں۔

کوئی اور ہوتا تو اس خوبصورت منظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے کچھ دیر پلیا پر ضرور رکتا۔ لیکن وہ خامس تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ اس میں جمالیاتی حس نام کو نہیں تھی۔ حسین صورتیں اور دلفریب مناظر اس پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔

پلیا پار کرنے کے بعد خامس نے گھوڑے کو نہر کے کنارے کے ساتھ دائیں طرف موڑ دیا۔ نہر کے ڈھلواں کنارے پر خوشنما پھولوں کے پودے تھے۔ اس کے ساتھ تقریباً تیس فٹ چوڑی پختہ سڑک تھی اور اس سڑک کے ساتھ ساتھ بنگلے تھے۔ ہر بنگلے کے سامنے خوبصورت لان تھے۔ سڑک سے بنگلوں کے گیٹوں تک پختہ روشیں بنی ہوئی تھیں۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس نے گھوڑا ایک روش پر موڑ دیا۔ لان کے اختتام پر بھی بنگلوں کے سامنے بیس فٹ چوڑا پختہ راستہ تھا۔ ایک دو بنگلوں کے سامنے کاریں بھی کھڑی تھیں۔ لیکن خامس نے جس بنگلے کے سامنے گھوڑا روکا تھا اس کے سامنے کوئی کار نہیں تھی۔ خامس گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور بنگلے کی کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

خامس جب اس بستی سے کھیا کا گھوڑا لے کر درویش پور کے لئے روانہ ہوا تھا تو اس کے چہرے پر بڑی مایوسی تھی۔ وہ راستے بھر یہ سوچتا آیا تھا کہ گوپانگ بھی اس کے کام نہ آیا تو وہ کہاں جائے گا؟ اسے کہاں پناہ ملے گی؟ رکھیل شاہ تو اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا۔ اس مایوسی میں اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اس نے آج تک اپنے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کی سوچیں صرف رکھیل شاہ کے مفادات کے لئے تھیں۔ وہ حکم کا غلام تھا۔ وہی کرتا جو اسے کہا جاتا۔ وہ انسان تھا ہی کب۔ وہ تو روبوٹ تھا جس کا ریموٹ کنٹرول رکھیل شاہ کے ہاتھ میں تھا اور رکھیل شاہ وہ آدمی تھا جو بیکار ہو جانے والی چیزوں کو توڑ دیا کرتا تھا۔ خامس اب اس کے لئے بیکار ہو گیا تھا۔ وہ اسے بھی ختم کر دے گا، اور خامس کو اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے بارے میں سوچنا چاہا تو اس نے اپنے لئے سوچوں کے تمام راستے بند پائے تھے۔ اسے صرف ایک ہی راستہ نظر آیا تھا۔ گوپانگ..... اور وہ اسی امید پر درویش پور آیا تھا۔

لیکن..... نہر میں ڈوبی اپنی لینڈ کروزر دیکھ کر اس کے ذہن پر چھائی ہوئی مایوسی کسی حد تک چھٹ گئی تھی۔ زریاب اور اس کے ساتھیوں نے گاڑی کا پٹرول ختم ہو جانے پر یا کسی اور وجہ سے اسے نہر میں دھکیل دیا تھا اور پیدل ہی کسی طرف گئے تھے۔ خامس کو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی ہلکی سی کرن نظر آ گئی تھی۔ نہر میں لینڈ کروزر دیکھ کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ زریاب اور اس کے ساتھی قرب و جوار ہی میں کہیں موجود تھے۔ درویش پور، قطب آباد یا کاشت کاروں کی وہ بستی جو اس نہر کے پل سے تقریباً دو میل جنوب میں واقع تھی جہاں لینڈ کروزر نہر میں پھینکی گئی تھی۔ خامس کو یقین تھا کہ وہ انہی تینوں میں سے کسی ایک جگہ روپوش تھے اور اس کے خیال میں انہیں تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

دو منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے دوبارہ گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ اس مرتبہ اسے زیادہ

دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ صرف ایک منٹ بعد گیٹ کھل گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ لیکن قوی مضبوط نظر آ رہے تھے۔ اس نے دھوتی باندھ رکھی تھی۔ چیک دار کپڑے کا لمبا کرتا اور سر پر مختصر سی پگڑی تھی۔ وہ اگرچہ کلین شیو تھا لیکن لگتا تھا جیسے دو دن سے شیو نہ کیا ہو۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں جو عجیب سی لگ رہی تھیں۔

"خامس تم!" وہ اسے دیکھتے ہی بولا۔ "گوپانگ صاحب نے آج دوپہر ہی کو پوچھا تھا کہ تمہاری طرف سے کوئی اطلاع تو نہیں آئی۔ کہاں غائب تھے تم؟"

"گوپانگ کہاں ہے؟" خامس نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بڑے صاحب کے بنگلے پر ہے۔ پتہ نہیں کیا گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ بہت پریشان ہے۔" اس آدمی نے کہا۔

"یہ گھوڑا پیچھے لے جا کر باندھ دو۔ میں گوپانگ سے بات کر لیتا ہوں۔" خامس نے کہتے ہوئے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں تھما دی اور گیٹ میں داخل ہو گیا۔

گوپانگ اگرچہ رکھیل شاہ کا اسسٹنٹ تھا اور سب ہی لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ وہ بھی بد دیانت، بے ایمانی، جاگیر کے لوگوں پر ظلم و ستم اور لوٹ مار میں رکھیل شاہ سے کم نہیں تھا۔ لیکن خامس اس سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کا نام لے کر پکارتا تھا۔ گوپانگ اس کی بعض کمزوریوں سے واقف تھا اور اسے کنٹرول کرنا جانتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ بعض اوقات وہ بھی خامس سے خوف محسوس کرنے لگتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ خامس جب بے قابو ہونے لگتا تو گوپانگ اسے رکھیل شاہ کے نام کی دھمکی دے ڈالتا۔ رکھیل شاہ کے نام میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ خامس کا سارا جوش و غصہ اس کا نام سنتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا۔

گوپانگ کے بیوی بچے کلاچی میں تھے۔ وہ مہینے میں ایک آدھ چکر لگا لیا کرتا تھا۔ یہاں یہ خوبصورت بنگلہ اس نے تقریباً ایک سال پہلے خریدا تھا۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ کام کاج اور کھانا پکانے کے لئے حاتم نامی یہ ملازم موجود تھا۔

خامس ڈرائنگ روم میں آ کر قالین پر ڈھیر ہو گیا۔ حالانکہ خوبصورت اور آرام دہ صوفے بھی موجود تھے لیکن وہ کبھی صوفے پر نہیں بیٹھا تھا۔ گھر میں ہوتا تو قالین پر اور کہیں باہر ہوتا تو کھردری زمین پر بیٹھنے اور لیٹنے کو ترجیح دیتا۔ نرم و گداز بستر کی بجائے اسے کھردری اور سخت زمین پر لیٹ کر زیادہ آرام ملتا تھا۔ وہ اب بھی بے حد تھکن محسوس کر رہا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ نجانے کیا بات تھی کہ آج یہ تھکن اس کے اعصاب پر بھی طاری ہو گئی تھی۔

چند منٹ بعد حاتم پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا اور خامس کو قالین پر لیٹے دیکھ کر دروازے ہی میں رک گیا۔ اسے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ پچھلے آٹھ دس روز سے گوپانگ بھی پریشان تھا اور اب خامس بھی کچھ بجھا بجھا سا نظر آ رہا تھا۔ وہ اس طرح کبھی نہیں لیٹا تھا۔ وہ اس طرح بیٹھا کرتا تھا کہ دونوں ٹانگیں آگے کو پھیلی ہوتیں اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر ٹکی ہوتیں۔ لیکن وہ آج آتے ہی ڈھیر ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر تھکن کے آثار بھی نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے خامس؟ تم بہت اداس اور پریشان نظر آ رہے ہو۔" حاتم نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"پانی پلاؤ۔" خامس نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

حاتم باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پانی سے بھرا ہوا ایک جگ اور گلاس اس کے قریب پڑی ہوئی ٹیبل پر رکھ دیا۔ خامس ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس نے گلاس کو نظر انداز کرتے ہوئے جگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس نے جگ اس وقت منہ سے ہٹایا جب اس کا آدھا پانی ختم ہو چکا تھا۔ اس نے لمبا سانس لیا اور جگ کو دوبارہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس مرتبہ جگ اس وقت ہونٹوں سے ہٹا جب وہ بالکل خالی ہو گیا۔ نجانے کیا بات تھی کہ آج اس کی پیاس نہیں بجھ رہی تھی۔

"کھانا کھاؤ گے خامس؟" حاتم نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے جگ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کھانا..... ہاں! لے آؤ۔ بھوک لگ رہی ہے۔" خامس نے جواب دیا اور دوبارہ لیٹنے کی بجائے اس مخصوص انداز میں بیٹھ گیا کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں قالین پر ٹکی ہوئی تھیں اور پیر سامنے کو پھیلے ہوئے تھے۔ جسم کا سارا بوجھ اس کے ہاتھوں پر تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد حاتم کھانا لے آیا۔ اس نے کھانا میز پر رکھنے کی بجائے قالین پر ہی دسترخوان بچھا کر رکھ دیا۔ خامس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اس طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا جیسے کئی وقتوں کا بھوکا ہو۔ حاتم اس کی خوراک سے واقف تھا اور اسی حساب سے کھانا لے کر آیا۔ چار صحت مند آدمی شکم سیر ہو کر کھاتے تو پھر بھی تھوڑا بہت کھانا بچ جاتا، لیکن

خامس پورا کھانا چٹ کر گیا۔ اس نے پلیٹیں بھی انگلیوں سے چاٹ کر اس طرح صاف کر دی تھیں کہ انہیں دھونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

حاتم برتن اٹھا کر لے گیا۔ اس نے پانی کا ایک اور جگ بھر کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ خامس نے کھانا کھانے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر سٹینڈ پر رکھا ہوا ٹیلی فون اٹھا کر اپنے قریب رکھ لیا۔ وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ملانا ہی چاہتا تھا کہ ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا اور اس نے ریسیور رکھ دیا۔ گوپانگ، رکھیل شاہ کے بنگلے پر تھا۔ اگر کال رکھیل شاہ نے ریسیو کر لی یا اسے پتہ چل گیا کہ گوپانگ کو فون کرنے والا خامس ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ خامس ناکام لوٹا ہے۔ اس طرح بات کچھ اور الجھ جائے گی۔ یہی سوچ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ایک بار پھر قالین پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ایک بار پھر پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ کچھ تھکن اور کچھ کھانے کا خمار تھا کہ لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ حالانکہ یہ وہی خامس تھا جسے سندس محل کا آسیب کہا جاتا تھا اور اسے ہمیشہ جاگتے ہوئے اور چاق و چوبند دیکھا گیا تھا۔

پسلیوں پر پڑنے والی زوردار ٹھوکر سے خامس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ گڑبڑا کر اٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے دماغ پر نیند کا خمار طاری تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے ٹھوکر کس نے ماری تھی اور اس کی آنکھ کیوں کھلی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دائیں طرف دیکھا تو اس سے چند قدم کے فاصلے پر گوپانگ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا اور چہرہ غیض و غضب کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

"مم..... مجھے ٹھوکر کس نے ماری تھی؟ تمہارے علاوہ اور کون ہے یہاں.....؟" خامس کہتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"میں نے ماری تھی ٹھوکر۔ تم ہو ہی اس قابل کہ....."

"تم نے مجھے ٹھوکر ماری تھی پدے۔" خامس نے کسی ناراض بچے کی طرح چیختے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ اس کا چہرہ غصے سے ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

"ہاں! میں نے ماری تھی ٹھوکر....." گوپانگ غرایا۔ "تم آرام سے یہاں سو رہے ہو اور جانتے ہو تمہاری وجہ سے کیا قیامت مچی ہوئی ہے؟"

"تمہیں ہمت کیسے ہوئی مجھے ٹھوکر مارنے کی؟" خامس بلے کی طرح غراتا ہوا ایک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس کے دماغ پر نیند کا خمار کافور ہو گیا تھا۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔ تمہارے جسم کا جوڑ جوڑ ہلا دوں گا۔ نمک حرام!" گوپانگ نے کہتے ہوئے ہنٹر چلایا۔

شڑاپ کی آواز سے ہنٹر خامس کے جسم پر لگا۔ وہ سسک کر رہ گیا۔ گوپانگ نے جیسے ہی دوسرا وار کیا خامس نے ہنٹر پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف زوردار جھٹکا دیا۔ گوپانگ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور لڑکھڑاتا ہوا خامس کے قدموں پر ڈھیر ہو گیا۔ خامس نے اسے زوردار ٹھوکر ماری۔ گوپانگ ہلبلا کر پیچھے لڑھک گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ اس دوران خامس نے ایک اور ٹھوکر ماری۔ گوپانگ صوفے پر گرا اور صوفے سمیت پیچھے الٹ گیا۔ اس نے اٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ خامس کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر گوپانگ نے بڑی پھرتی سے جیب سے پستول نکال لیا۔

"رک جا خامس! ورنہ گولی مار دوں گا۔" وہ چیخا۔

"تم نے مجھے ٹھوکر کیوں ماری تھی؟ اور ہنٹر سے حملہ کیوں کیا تھا؟ میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔" خامس بدستور آگے بڑھ رہا تھا۔

"خامس! رک جاؤ..... میں گولی چلا دوں گا۔" گوپانگ الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

"تم نہیں جانتے تمہاری وجہ سے رکھیل شاہ کتنی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

رکھیل شاہ کا نام سنتے ہی خامس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ وہ عجیب سی نظروں سے گوپانگ کی طرف دیکھنے لگا۔

"رکھیل شاہ کو پتہ چل گیا تھا کہ تم یہاں موجود ہو۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ تمہیں شوٹ کر دیا جائے۔ لیکن میں تو تمہیں صرف اتنی سزا دینا چاہتا تھا جس سے تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو سکے اور تم اپنی غلطی کی تلافی کر سکو..... میں تمہارا دشمن نہیں ہوں خامس..... میں تمہیں رکھیل شاہ کے غضب سے بچانا چاہتا ہوں۔ تم رکھیل شاہ کو اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ اپنے کسی ایسے آدمی کو زندہ نہیں چھوڑتا جو تمہاری طرح غلطیاں کرتا چلا جائے۔" گوپانگ نے کہا۔ وہ خامس پر پستول تانے بدستور پیچھے ہٹتا چلا جا رہا تھا۔

"مجھ سے کیا غلطی ہوئی.....؟" خامس چیخا۔ "تم بھی جانتے ہو وہ عورت کتنی خطرناک ہے۔ اور اس حویلی کے باہر بھی اس کے حمایتی موجود تھے۔ اگر وہ ان کی مدد سے

بھاگ گئی ہے تو اس میں میری کیا غلطی تھی؟ میں نے اسے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اگر اس کے بھاگ جانے میں، میں قصوروار ہوں تو تم بھی میرے اس جرم میں برابر کے شریک ہو۔ رکھیل شاہ نے جو سزا میرے لئے تجویز کی ہے وہی سزا تمہیں بھی ملنی چاہئے۔"

"میں وہ بات نہیں کر رہا۔" گوپانگ نے کہا۔ "آج صبح جو کچھ ہوا وہ تم بھی جانتے ہو۔ تم زریاب سے پٹنے کے بعد بھاگ گئے تھے۔ لیکن بدری اور اس کا ساتھی ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئے جنہیں بس کے مسافروں نے شاہ پور قصبے کی پولیس کے حوالے کر دیا اور ان سب نے مشترکہ طور پر یہ بیان دیا کہ تم لوگ بس سے کسی عورت کو اسلحہ کے زور پر اغوا کرنا چاہتے تھے اور بدری بس کی مسافر عورتوں کے سروں سے چادریں کھینچ رہا تھا۔ اور تم جانتے ہو یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ بدری جیسے آدمی کو ساتھ لے کر مت جاؤ۔ وہ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔"

"کیا رکھیل شاہ اتنا بے بس ہو گیا ہے کہ قانون سے ڈرنے لگا ہے؟ بڑے بڑے پولیس آفیسر اس کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ قانون اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟" خامس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہے۔" گوپانگ نے کہا۔ "اگر راشی اور بددیانت پولیس آفیسر رکھیل شاہ کے سامنے نظریں جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ قانون اس کا غلام بن گیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ بدری نے پولیس کو جو بیان دیا ہے اس سے رکھیل شاہ کے لئے کتنے مسائل کھڑے ہو گئے ہیں؟"

"کیا بیان دیا ہے بدری نے؟" خامس بولا۔ "اگر اس نے رکھیل شاہ کے خلاف کوئی بات کی ہے تو میں اس کی گردن مروڑ دوں گا۔"

"شاید اب تم ایسا نہ کر سکو۔ اس لئے کہ وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔" گوپانگ نے کہا۔

"اس نے کیا بیان دیا ہے؟" خامس نے پوچھا۔

"اس نے کہا ہے کہ یہ سب کچھ رکھیل شاہ کے کہنے پر ہوا ہے اور یہ کہ تم ان دونوں کے ساتھ تھے۔ تم لوگوں نے بستیوں میں اور سڑکوں پر بسیں اور پرائیویٹ گاڑیاں روک کر جو کچھ بھی کیا وہ سب انہوں نے پولیس کے سامنے بک دیا ہے۔ بات بدری یا کسی اور پر

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں، رکھیل شاہ پر آ رہی ہے۔ رکھیل شاہ اس وقت جس قسم کی صورتحال سے دوچار ہے اس کے پیش نظر تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ بات رکھیل شاہ کو کتنا نقصان پہنچا سکتی ہے۔"

"میں..... میں تو زریاب کو تلاش کر رہا تھا۔ اسے ہر قیمت پر پکڑنا چاہتا تھا۔" خامس نے جواب دیا۔ وہ واقعی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

"تو کیا پکڑ لیا اسے؟ کہاں ہے وہ؟" گوپانگ کے لہجے میں کسی قدر درشتی آ گئی۔ خامس کو پسپائی اختیار کرتے دیکھ کر اس کا حوصلہ کسی قدر بڑھ گیا تھا۔ اس نے پستول جیب میں ڈال لیا اور صوفے کے پیچھے سے پے تلے قدم اٹھاتا ہوا خامس کے قریب پہنچ گیا اور بڑے محتاط انداز میں اس کے ہاتھ سے ہنٹر لے لیا۔

"وہ..... وہ آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔" خامس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"آس پاس ہی موجود ہے؟ میں سمجھا نہیں!" گوپانگ نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے درویش پور یا قطب آباد میں یا پھر آدم پور میں۔" خامس نے جواب دیا۔

"اوہ!" گوپانگ کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "تم جانتے ہو کہ درویش پور اور آدم پور کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ ہے اور آدم پور کا تقریباً اتنا ہی فاصلہ قطب آباد سے ہے اور قطب آباد سے درویش پور کا فاصلہ بھی تم جانتے ہو۔ اس طرح طویل فاصلوں پر مشتمل یہ ایک تکون بن گئی ہے۔ درویش پور کی آبادی دو لاکھ سے کم نہیں ہے اور بیس پچیس ہزار کی آبادی تو قطب آباد کی بھی ہو گی۔ اگر وہ لوگ قطب آباد یا درویش پور پہنچ گئے ہیں تو کیا تمہارے خیال میں انہیں تلاش کرنا آسان ہو گا؟ ویسے تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ لوگ اس تکون میں کہیں موجود ہوں گے۔ وہ لوگ درویش پور کی طرف آنے کا خطرہ مول کیوں لینے لگے؟ کسی اور طرف بھی تو جا سکتے ہیں۔"

"میں نے ماچھی نہر کے پل کے قریب وہ لینڈ کروزر دیکھی تھی جو انہوں نے پٹرول ختم ہو جانے کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر نہر میں دھکیل دی تھی۔" خامس نے جواب دیا۔

"کیسی لینڈ کروزر.....؟ تمہارا مطلب ہے کہ....." گوپانگ خاموش ہو کر اسے گھورنے لگا۔

"ہاں! ہماری لینڈ کروزر۔" خامس نے کہا۔ "ہم نے زریاب اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ لیا تھا۔ لیکن پھر اچانک ہی بس کے تمام مسافروں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ مجھے شبہ ہے کہ زریاب اور اس کے ساتھی دوبارہ بس میں بیٹھنے کی بجائے ہماری لینڈ کروزر پر اس طرف آئے تھے جسے بالآخر انہوں نے نہر میں دھکیل دیا۔ ویسے مجھے شبہ ہے کہ وہ لوگ قطب آباد یا درویش پور نہیں آئے ہوں گے۔ آدم پور وہاں سے زیادہ قریب ہے۔ وہ لوگ اسی طرف نکل گئے ہوں گے اور انہوں نے اس بستی ہی کے کسی گھر میں پناہ لی ہو گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اب تم اپنے دماغ سے بھی کچھ سوچنے لگے ہو۔" گوپانگ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "کچھ کرو خامس! کچھ کرو!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم نہیں جانتے کہ رکھیل شاہ تم سے کتنا ناراض ہے۔ اس کے خیال میں یہ ساری گڑبڑ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ تم اس کے زیادہ قریب رہے ہو اور اسے مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ ایسے کسی انسان کو برداشت نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے اسے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ وہ تو محض شبہ کی بنا پر اپنے مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتا ہے۔ تم خود اس کے کہنے پر کتنے آدمیوں کی گردنیں مروڑ چکے ہو۔ اس لئے کہتا ہوں کہ کچھ کرو..... اگر تم کسی طرح زریاب کو تلاش کر کے اس کے سامنے پیش کر دو تو تمہارے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور تم ایک بار پھر رکھیل شاہ کی آنکھ کا تارا بن جاؤ گے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے زریاب کہاں ہو سکتا ہے؟"

"آدم پور میں۔" خامس نے جواب دیا۔ "وہ چھوٹی بستی ہے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ اس طرف کسی کا دھیان نہیں جائے گا۔ اس طرف آنے والے راستے پر لینڈ کروزر نہر میں اس لئے پھینکی گئی ہو گی کہ اگر لینڈ کروزر نظروں میں آ جائے تو ہم دھوکا کھا جائیں گے اور اس چھوٹی سی بستی کو نظر انداز کر کے انہیں درویش پور کی گنجان آبادیوں اور قطب آباد میں ڈھونڈتے پھریں۔"

"گڈ!" گوپانگ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "میں تو تمہیں ایک ایسا روبوٹ سمجھتا تھا جو صرف رکھیل شاہ کے اشاروں پر چلتا ہے۔ لیکن تم تو بہت ذہین نکلے۔ آدم پور تقریباً پندرہ سو نفوس پر مشتمل ہے اور وہ جاگیر کی حدود میں بھی شامل نہیں ہے۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مجھے ذرا سوچنے دو..... زریاب وہاں کس کے پاس جا سکتی ہے۔ اس بستی کا کون سا ایسا گھر ہے جو اسے پناہ دے سکتا ہے۔" وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔ "بنجان کو جانتے ہو؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے خامس کو دیکھنے لگا۔

"بنجان کون؟ وہی بوڑھا جو رکھیل شاہ کے دفتر میں کام کرتا ہے؟" خامس بولا۔

"ہاں وہی!" گوپانگ نے جواب دیا۔ "مجھے یاد ہے پچھلے سال وہ بیمار ہوا تھا تو ایک ہفتے کی چھٹی لے کر آدم پور گیا تھا جہاں اس کا کوئی رشتہ دار رہتا ہے۔ اس کی کچھ اراضی ہے اور لیچی کا باغ ہے۔ وہ لیچی کا سیزن تھا۔ جاگیر کے باغوں کی لیچی ابھی نہیں آئی تھی مگر بنجان آدم پور سے ہمارے لئے لیچی کی دو پیٹیاں لایا تھا۔"

"لیکن زریاب کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" خامس نے اسے گھورا۔

"زریاب کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی ہے۔ زریاب کا نہ سہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کا تعلق ہو اور انہیں وہاں پناہ مل گئی ہو۔" گوپانگ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" خامس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔" گوپانگ نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ پہلے ہم بنجان سے یہ معلوم کر لیں کہ آدم پور میں اس کا رشتے دار کون ہے تاکہ اس تک پہنچنے میں آسانی رہے۔"

"بنجان تو درویش پور میں ہے۔" خامس نے کہا۔

"ہاں! ہم وہیں چل رہے ہیں۔" گوپانگ نے جواب دیا۔ "اور تم ایک بات یاد رکھنا..... تم اپنے دماغ پر قابو رکھو گے۔ گرم دماغی بنا بنایا کھیل بگاڑ سکتی ہے کیونکہ وہ بستی ہماری جاگیر میں شامل نہیں ہے۔"

خامس جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ گوپانگ نے حاتم کو بلا کر صوفے وغیرہ درست کرنے کو کہا اور خامس کے ساتھ باہر نکل گیا۔

☆

انہوں نے تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ کھیتوں کے درمیان کچے راستوں پر ہی طے کیا تھا۔ راستہ کچا اور ناہموار ہونے کی وجہ سے لینڈ کروزر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی زریاب، کندن اور خوشنما کو مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے جس کی وجہ سے کندن اپنی ٹانگ کے زخم میں تکلیف محسوس کرنے لگی تھی اور زریاب بھی بعض اوقات

بے اختیار کراہ اٹھتی۔ خامس سے ہنگامہ آرائی کے دوران اسے ایک دو اندرونی چوٹیں بھی آئی تھیں جن میں وہ لینڈ کروزر کو لگنے والے جھٹکوں کی وجہ سے کچھ تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

بالآخر وہ کھیتوں سے نکل کر پختہ سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک سیدھی درویش پور کی طرف چلی گئی تھی۔ شاہ پور نامی وہ قصبہ اس سڑک پر بہت پیچھے رہ گیا تھا جہاں ان کے خیال میں بس کے ڈرائیور اور مسافروں نے بدری اور اس کے ساتھی کو پولیس کے حوالے کر دیا ہو گا۔

پختہ سڑک پر آتے ہی رزمق نے لینڈ کروزر کی رفتار بڑھا دی۔ کھیتوں میں ڈرائیو کی وجہ سے ان کا راستہ خاصا طویل ہو گیا تھا۔ اس وقت ساڑھے دس بجے تھے اور رزمق کے خیال میں درویش پور اب بھی تقریباً دو گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔

دھوپ میں خاصی تیزی آ گئی تھی۔ جس سے لینڈ کروزر کی کینوس کی سائیڈز اور چھت بری طرح تپ گئی تھی۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی دہکتے ہوئے تنور میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ گرمی کی وجہ سے پیاس بھی شدت اختیار کر رہی تھی۔ رزمق بھی ان لڑکیوں کی کیفیت سے آگاہ تھا۔ سڑک کے دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی ایسی جگہ نظر آ جائے جہاں سے پانی مل سکے۔ ابھی تک اسے ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آئی تھی۔

تقریباً پون گھنٹے کے سفر کے بعد سڑک پر بہت آگے ایک چھوٹی سی بستی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اس نے لینڈ کروزر کی رفتار کم کر دی۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر آٹھ دس گھروں پر مشتمل وہ کاشت کاروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ سڑک کے دونوں کناروں پر جھونپڑی نما دکانیں اور ہوٹل بنے ہوئے تھے۔ جس طرف یہ لوگ جا رہے تھے اس طرف ہوٹل کے سامنے تین مال بردار ٹرک کھڑے تھے جو یقیناً درویش پور جا رہے تھے۔ ٹرکوں کے ڈرائیور چائے وغیرہ پینے اور کچھ ستانے کے لئے یہاں رک گئے تھے جبکہ دوسری طرف سڑک کے کنارے درویش پور سے آنے والی ایک بس کھڑی تھی۔ بس غالباً ابھی ابھی وہاں آ کر رکی تھی۔ کیونکہ میلے کچیلے دیہاتی کپڑوں میں ملبوس خواتین والوں نے بس کو گھیر رکھا تھا۔ وہ بس کی کھڑکیوں سے مسافروں کو گنڈیریاں، سموسے، پکوڑے، چنے اور اسی قسم کی چیزیں فروخت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دو بندے پانی کی بالٹیاں اٹھائے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

مسافروں کو پانی پلا رہے تھے۔

رزمق نے لینڈ کروزر سڑک سے اتار لی اور اسے کچے میں ڈرائیو کرتا ہوا جھونپڑی نما ہوٹلوں اور دکانوں کے پیچھے لے آیا اور ٹاہلی کے درختوں کے نیچے روک لیا۔ درختوں کے نیچے بان کی کھردری سی چارپائی پر بیٹھے ہوئے دو تین بوڑھے دیہاتی حقے کے کش لگا رہے تھے۔

"تم لوگ یہاں بیٹھو۔ میں پانی لے کر آتا ہوں۔" رزمق نے انجن بند کر دیا اور لینڈ کروزر سے نیچے اتر گیا۔

"رزمق! یہاں چائے مل جائے گی؟ سر میں بڑا شدید درد ہو رہا ہے۔" کندن نے کہا۔

"میں لے کر آتا ہوں۔ پانی بھی اور چائے بھی۔ میرا خیال ہے چائے سب ہی لوگ پئیں گے۔" رزمق کہتے ہوئے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں! ہم بھی پئیں گے۔ لیکن پہلے پانی۔ حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہیں۔" زریاب نے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

رزمق اوپر سے گھوم کر دکانوں کے سامنے والے رخ پر چلا گیا۔ اس کی واپسی میں تین چار منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس کے ساتھ میلے کچیلے لباس میں دس بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا بھی تھا جس نے پلاسٹک کا ایک میلا سا جگ اور شیشے کے دو گلاس اٹھا رکھے تھے۔ ایک جگ اور گلاس رزمق کے ہاتھ میں بھی تھا۔ اس نے گلاس بھر کر زریاب کی طرف بڑھا دی۔ لڑکا کندن اور خوشنما کو گلاس بھر کر دے رہا تھا۔ رزمق نے جیب سے اسپرین کی گولیوں کا ایک پتہ نکال لیا۔

"کھوکھے سے سر درد کے لئے یہ گولیاں مل گئی ہیں۔ کوئی کھانا چاہے تو....."

ان تینوں نے دو دو گولیاں پانی کے ساتھ کھا لیں۔ رزمق نے خالی جگ اور گلاس لڑکے کی طرف بڑھا دیئے اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ ایک خالی چارپائی پڑی ہے۔ اسے یہاں لا کر ڈال دو اور چائے بن جائے تو لے آنا۔ دیر مت کرنا۔ ہم لوگ ذرا جلدی میں ہیں۔"

لڑکا دوڑ کر پہلے جگ اور گلاس رکھ آیا اور پھر اس نے دور پڑی ہوئی خالی چارپائی اٹھا کر لینڈ کروزر کے قریب درختوں کے سائے میں ڈال دی۔ لینڈ کروزر کی کینوس کی چھت

اب بھی تپ رہی تھی۔ وہ تینوں گاڑی سے اتر کر اس جھلنگ سی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ کندن کی پشت دوسری چارپائی پر بیٹھے ہوئے بوڑھوں کی طرف تھی۔ جبکہ خوشنما اور زریاب اس طرح بیٹھی تھیں کہ ان کے چہرے ان بوڑھوں کی طرف تھے۔ ان بوڑھوں نے ان دونوں کو سرسری سے انداز میں دیکھا اور پھر حقے کے کش لگاتے ہوئے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ تقریباً دس منٹ بعد لڑکا پلاسٹک کی ایک ٹرے میں چائے کے کپ رکھے ہوئے آ گیا۔ رزمق نے ایک ایک کپ اٹھا کر ان تینوں لڑکیوں کو دیا اور چوتھا خود لے لیا اور چارپائی کے قریب ہی کھڑے کھڑے چسکیاں لینے لگا۔

کندن چائے پی کر خالی کپ نیچے زمین پر رکھنے کے لئے مڑی تو دوسری چارپائی پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔ اس کے چونکنے کا انداز ایسا تھا جیسے ذہنی طور پر کوئی جھٹکا لگا ہو۔ وہ گہری نظروں سے کندن کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے حقے کی نے دوسرے بوڑھے کی طرف بڑھا دی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی چارپائی کے قریب آ گیا۔ اس کی نظریں ابھی تک کندن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ کندن بھی اس بوڑھے کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے بابا جی؟ آپ مجھے اس طرح گھور کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟" کندن نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سیانوں نے کہا ہے کہ بعض اوقات آنکھوں دیکھے پر بھی یقین نہیں کرنا چاہئے۔ وہ فریب نظر ہوتا ہے۔ لیکن میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" کندن نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ویسے وہ بوڑھے کی اس بات پر چونک گئی تھی۔

"لوگ جسے مردہ تصور کر چکے ہیں آج وہی ہستی زندہ جاوید میرے سامنے موجود ہے۔ نہیں..... مجھے جھٹلانے کی کوشش مت کرنا کندن بیٹی..... میں بوڑھا ضرور ہو گیا ہوں لیکن میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہوا ابھی بصارت دھوکا دے رہی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"آ... آپ کون ہیں؟" کندن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں زرقند ہوں..... نصر کوٹ کا سکول ماسٹر۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میں مہینے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں ایک مرتبہ جاگیردار سے ملنے سندس محل ضرور آیا کرتا تھا۔ وہ بڑے اچھے انسان ہیں۔ بڑے علم دوست..... ہم رات رات بھر علمی بحثیں کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تم بھی ہماری محفل میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ یاد آیا تمہیں بیٹی..... ؟ ان دس برسوں نے مجھے ایک دم بوڑھا کر دیا ہے لیکن غور سے دیکھو تو تم مجھے پہچان لو گی۔"

"ہاں..... مجھے یاد آ گیا۔" کندن نے جواب دیا۔ "آپ ایک مرتبہ اپنی بیٹی کو بھی سندس محل لے کر آئے تھے اور میں نے اسے زبردستی ایک ہفتے کے لئے روک لیا تھا۔"

"اب تم نے واقعی مجھے پہچان لیا ہے۔" بوڑھے زرقند نے کہا۔ "لیکن دس سال پہلے....."

"بڑی طویل داستان ہے۔" کندن نے اس کی بات کاٹ دی۔ "زندگی نے مہلت دی اور کبھی اتفاق سے ملاقات ہو گئی تو تفصیل سے بتاؤں گی۔"

"جاگیردار کیسے ہیں؟ سنا ہے دو سال سے بیمار ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں دیکھنے کے لئے سندس محل گیا تھا مگر مینیجر کے آدمیوں نے مجھے حویلی میں داخل نہیں ہونے دیا۔"

"یہ بھی ایک طویل داستان ہے۔" کندن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کیسے ہیں؟ اس بستی میں رہتے ہیں؟"

"نہیں! درویش پور میں بیٹے کے پاس رہ رہا ہوں۔ وہ کالج میں پروفیسر ہے۔ میں بیٹی سے ملنے شاہ پور جا رہا تھا۔ میرا ایک بیلی یہاں رہتا ہے۔" اس نے چارپائی پر بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس سے ملنے کے لئے یہاں اتر گیا تھا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ رک کر دوسری بس پر چلا جاؤں گا۔ تم کہاں جا رہی ہو۔ درویش پور؟"

"ہاں ماسٹر جی!" کندن نے جواب دیا۔

"میں دو دن میں شاہ پور سے واپس آ جاؤں گا۔ تم مجھ سے ملنے ضرور آنا۔ گھر کا پتہ شاید میں ٹھیک طرح نہ سمجھا سکوں۔ میرا بیٹا بدران گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہے۔ کالج میں اس سے مل لو تو وہ تمہیں گھر لے آئے گا۔" زرقند نے کہا۔

"میں آپ سے ملنے ضرور آؤں گی ماسٹر جی۔" کندن نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر رزمق نے کندن کو اشارہ کیا اور کندن ماسٹر زرقند کو خدا حافظ کہتی ہوئی لینڈ کروزر میں بیٹھ گئی۔ زریاب اور خوشنما بھی چارپائی سے اٹھ

کر گاڑی میں آ گئیں۔ رزمق نے لڑکے کو بلا کر چائے کے پیسے دیئے اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد لینڈ کروزر ایک بار پھر سڑک پر دوڑنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک پکی سڑک پر سفر کرنے کے بعد رزمق نے لینڈ کروزر کو ایک بار پھر دائیں طرف کھیتوں میں کچے راستے پر اتار لیا۔ وہ آدھے گھنٹے تک ان کچے راستوں پر سفر کرتے رہے۔ پھر ایک نہر کے پل پر پہنچ کر رزمق نے لینڈ کروزر روک لی۔

"اپنا سامان لے کر نیچے اتر آؤ۔ ہمیں یہ گاڑی یہاں چھوڑنی ہو گی۔" رزمق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہاں تو دور دور تک کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے۔" زریاب نے گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جہاں ہمیں جانا ہے وہاں یہ گاڑی لے جانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا۔" رزمق نے جواب دیا۔

"لیکن ہمیں جانا کہاں ہے؟ آس پاس تو کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔" زریاب نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"پل سے دوسری طرف یہ راستہ درویش پور کی طرف جاتا ہے جو یہاں سے تقریباً دس کوس کے فاصلے پر ہے۔ جبکہ پختہ سڑک سے یہ فاصلہ آٹھ میل کے برابر ہے۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ راستہ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ ہم اس لینڈ کروزر کو اس نہر میں دھکیل دیں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کچھ عرصہ تک کسی کی نظروں میں نہیں آئے گی۔ اگر یہ لینڈ کروزر کسی کی نظروں میں آ بھی گئی تو وہ یہی سمجھے گا کہ ہم درویش پور کی طرف گئے ہیں لیکن....." وہ ایک لمحہ کو رکا۔ پھر دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ہم اس طرف جائیں گے۔ یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر آدم پور نام کی ایک بستی ہے۔ بنجان کی پھوپھی زاد بہن اس بستی میں رہتی ہے۔ اس کا شوہر ایک چھوٹا سا زمیندار ہے۔ بنجان نے اپنے بہنوئی نامدار سے میری ملاقات کرائی تھی اور کہا تھا کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو ہم لوگ یہاں آ سکتے ہیں۔"

وہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "میں پورے یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ [illegible] کے ساتھی کی گرفتاری اور خامس کی پٹائی اور جان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بچا کر بھاگنے کی خبر درویش پور پہنچ چکی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ خامس بھی اب تک درویش پور پہنچ گیا ہو۔ ایسی صورت میں شہر کے تمام راستوں کی نگرانی کی جا رہی ہو گی۔ اس لئے میں تم لوگوں کو لے کر فوری طور پر شہر کا رخ نہیں کرنا چاہتا۔ ہم ایک دو روز نامدار کے مہمان رہیں گے۔ اس دوران میں اکیلا شہر جا کر یا نامدار کو بھیج کر شہر کی صورت حال کا جائزہ لوں گا۔ اس کے بعد ہم شہر کا رخ کریں گے۔ ممکن ہوا تو اس دوران بنجان سے بھی ملاقات کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس سے صحیح طور پر یہ معلوم ہو سکے کہ آقا کو کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری تجویز مناسب ہے۔" زریاب نے کہا۔

"آپ چل سکیں گی؟" رزمق نے سوالیہ نگاہوں نے کندن کی طرف دیکھا۔ وہ کندن کو کبھی آپ اور کبھی تم کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

"ہاں ہاں! میں چل لوں گی۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" کندن نے جواب دیا۔

انہوں نے اپنا سامان لینڈ کروزر سے اتار لیا۔ اس سامان میں زریاب کا سوٹ کیس اور وہ پوٹلی شامل تھی جس میں کندن، خوشنما اور رزمق کے کپڑے اور بعض دوسری چیزیں تھیں۔ رزمق نے لینڈ کروزر کا رخ پل کے قریب نہر کے کنارے کی طرف کر دیا۔ کسی بھی نہر کے پل کے قریب پانی عام طور پر گہرا ہوتا ہے۔ اس لئے رزمق نے لینڈ کروزر کو پل کے قریب ہی نہر میں دھکیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ گاڑی کا رخ سیدھا کر کے وہ نیچے اتر آیا۔ اور پھر چاروں مل کر اسے دھکا لگانے لگے۔ لینڈ کروزر کے اگلے پہیے نہر میں اتر گئے اور پھر گاڑی قلابازیاں کھاتی ہوئی شڑاپ سے نہر میں جا گری۔ کئی منٹ تک پانی میں بڑے بڑے بلبلے اٹھتے رہے اور پھر نہر کا پانی پہلے کی طرح پر سکون انداز میں بہنے لگا۔ رزمق نے اس جگہ پانی کا جائزہ لیا۔ لینڈ کروزر پانی کی تہہ میں بیٹھ گئی تھی۔ پانی گاڑی کے تقریباً چھ انچ اوپر سے بہہ رہا تھا۔ پل پر سے گزرنے والا کوئی شخص گدلے پانی میں ڈوبی ہوئی لینڈ کروزر کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن رک کر غور سے دیکھنے سے لینڈ کروزر نظروں میں آ سکتی تھی۔ رزمق نے مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے زریاب کا سوٹ کیس اٹھا لیا۔ پوٹلی خوشنما نے سر پر رکھ لیا اور نہر کی پٹڑی پر جنوب کی طرف چلنے لگے۔ کندن اگرچہ ان کا ساتھ دے رہی تھی لیکن اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی اور وہ [illegible]

سے دوسروں کو بھی آہستہ چلنا پڑ رہا تھا۔ ہر دو ڈھائی سو گز کے بعد وہ کچھ دیر کے لئے رک جاتے۔

وہ تقریباً ایک میل تک نہر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ پھر وہ نہر کی پٹڑی سے اتر کر کھیتوں میں پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ نہر کی پٹڑی پر تو درختوں کا سایہ تھا لیکن کھیتوں میں دھوپ تھی البتہ جہاں کہیں کوئی درخت نظر آتا وہ کچھ دیر کے لئے اس کے سائے میں رک جاتے۔

زریاب کے لئے یہ سب کچھ زندگی کا ایک نیا سنسنی خیز تجربہ تھا۔ وہ گھر سے نکلی تھی اپنے خاندان کی تاریخ پر ریسرچ کرنے اور حقائق جمع کرنے کے لئے۔ لیکن صورت حال نے ایک عجیب شکل اختیار کر لی تھی۔ اس کی پر سکون زندگی میں تہلکہ سا مچ گیا تھا۔ ان چند دنوں میں وہ کئی مرتبہ موت سے نبرد آزما ہوئی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو سب کچھ چھوڑ کر اپنے شہر واپس چلی جاتی اور باپ کی چھوڑی ہوئی دولت پر اطمینان سے زندگی گزار دیتی۔ لیکن وہ ایک مہم جو فطرت کی مالک تھی۔ اور یہ مہم اس کے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ سنسنی خیز ثابت ہو رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جلد یا بدیر حقائق کی تہہ تک پہنچ جائے گی اور اسے سندس خاندان کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے بہت سا مواد مل جائے گا۔ اور پھر وہ کندن کو ان حالات میں چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتی تھی۔

زریاب کو کندن کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب جاگیر کی جاگیر کی اکلوتی وارث اس طرح ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھی۔ اس کا باپ دشمن کی قید میں تھا۔ اس کی زندگی خطرے میں تھی اور وہ اسے بچانے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھی۔

زریاب یہ سب کچھ سوچتی ہوئی ان کے ساتھ چلتی رہی۔ کندن کو کبھی وہ سہارے سے چلاتی اور کبھی خوشنما۔ وہ لوگ جیسے تیسے گاؤں سے کچھ فاصلے پر لیچی کے ایک باغ کے قریب پہنچ گئے۔ اتفاق سے بنجان کا بہنوئی نامدار انہیں باغ ہی میں مل گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے جو وہاں کام کر رہے تھے۔

نامدار انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ رازداری کے خیال سے وہ انہیں گاؤں لے جانے کی [illegible] متصل ایک مکان میں لے آیا۔ اس مکان کے صحن میں ایک طرف لکڑی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کی خالی پیٹیوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور ایک کمرے میں کچھ اور سامان بھرا ہوا تھا۔ البتہ دو کمرے خالی تھے۔ ایک کمرے میں کھردرے بان کی دو چارپائیاں بھی بچھی ہوئی تھیں۔

نامدار کچھ دیر اُن سے باتیں کرتا رہا۔ پھر کھانے وغیرہ کا بندوبست کرنے گاؤں چلا گیا جو باغ کے دوسری طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔ وہ دونوں آدمی اس کے مزدور تھے اور نامدار نے انہیں ہدایت کر دی تھی کہ مہمانوں کا خیال رکھے۔

نامدار تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا۔ اس نے ان کے سامنے دستر خوان بچھا کر بڑی عاجزی سے کھانا چن دیا۔ کھانے کے بعد رزمق نے دونوں چارپائیاں کمرے سے نکال کر صحن میں درخت کے سائے میں بچھا دیں۔ کندن ایک چارپائی پر لیٹ گئی اور زریاب خوشنما کے ساتھ دوسری چارپائی پر۔ وہ بے حد تھکی ہوئی تھیں۔ فوراً ہی سو گئیں۔

رزمق نامدار کے ساتھ مکان سے باہر آ گیا تھا اور لیچی کے درختوں کے نیچے اس سے باتیں کرتا رہا۔

شام ہو گئی۔ نامدار نے اندھیرا پھیلنے کے کچھ ہی دیر بعد ان کے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ کمروں میں گرمی تھی۔ کھانے کے بعد وہ صحن ہی میں رہے۔ دو چارپائیاں اور منگوا دی گئی تھیں۔

نامدار تقریباً دس بجے تک وہاں رکا رہا۔ پھر گاؤں چلا گیا۔ یہ چاروں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹے کچھ دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر زریاب وغیرہ تو سو گئیں۔ لیکن رزمق جاگتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کل یا تو نامدار کو شہر بھیجے گا یا ایک دو دن بعد حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود درویش پور جائے گا تاکہ بنجان سے ملاقات کر کے یہ معلوم کیا جا سکے کہ جاگیردار نمران کو وہ لوگ کہاں لے گئے ہیں۔ اسے پورا احساس تھا کہ جاگیردار کی زندگی خطرے میں ہے۔ زریاب کی وجہ سے یہ خطرہ اور بڑھ گیا تھا۔ وہ لوگ زریاب کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا تھے۔ ان کے خیال میں زریاب جاگیردار کی کوئی قریبی عزیز تھی اور نمران نے جاگیر کی وراثت کے سلسلے میں اسے بلایا تھا۔ اس لئے وہ لوگ ہاتھ دھو کر زریاب کے پیچھے پڑ گئے تھے اور ہر قیمت پر اسے گرفت میں لینا چاہتے تھے۔

رزمق یہ سوچ کر مسکرا دیا۔ رکھیل شاہ کو ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ جاگیردار کی بیٹی کندن زندہ ہے۔ اگر اسے پتہ چل جاتا تو دنیا کے سارے کام چھوڑ کر کندن کی تلاش

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شروع کر دیتا اور اسے ہر قیمت پر ختم کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ابھی تک اس حقیقت سے لاعلم تھا کہ جاگیر کی اصل وارث زندہ ہے۔

رزمق یہ سب کچھ سوچتے ہوئے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ کسی نے اسے جھنجھوڑا تو وہ گڑبڑا کر اٹھ گیا۔

"رزمق اٹھو! جلدی کرو۔" نامدار کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"کیا ہوا.....؟ کیا بات ہے؟" رزمق نے پوچھا۔

"خامس..... خامس اور اس کے آدمی گاؤں پہنچ گئے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت یہاں آ سکتے ہیں۔ جلدی کرو! ان کو بھی جگاؤ۔ نامدار کے لہجے میں بدحواسی نمایاں تھی۔

اور پھر ایک منٹ کے اندر اندر زریاب وغیرہ بھی اٹھ گئیں۔ زریاب کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں..... حویلی کا وہ آسیب یہاں بھی پہنچ گیا تھا۔

☆

زریاب کے خیال میں خامس واقعی آسیب تھا یا کوئی بدروح۔ یہ لوگ کتنی رازداری سے چھپتے چھپاتے آدم پور نامی اس چھوٹی سی بستی میں آئے تھے۔ لیکن انہیں وہاں پہنچے ہوئے چند گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے۔ تھکن بھی پوری طرح نہیں اتری تھی کہ وہ بھی ان کی تلاش میں یہاں پہنچ گیا تھا۔

رات کے پچھلے پہر اس طرح جگائے جانے سے وہ تینوں بری طرح بدحواس ہو گئی تھیں۔ لیکن صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی انہوں نے اپنے حواس پر قابو پانے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ تینوں سوٹ کیس اور پوٹلی اٹھا کر کمرے سے باہر نکلیں تو نامدار پہلے ہی سے گویا بھاگنے کو تیار کھڑا تھا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر خوشنما کے ہاتھ سے پوٹلی لے لی۔ زریاب سے سوٹ کیس رزمق نے لے لیا تھا۔

"اس طرف..... میرے پیچھے آؤ..... جلدی۔" نامدار مکان کے پچھلی طرف تقریباً دوڑتے ہوئے بولا۔

وہ چاروں مکان کے پچھلی طرف آ گئے۔ چند گز آگے پچھلی چار دیواری میں ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ نامدار نے کنڈا کھینچ کر دروازہ کھول دیا اور سب تیزی سے باہر نکل گئے۔

اس طرف کچھ دور تک کھلی جگہ تھی اور اس سے آگے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ فضا گلاب کی خوشبو سے مہکی ہوئی تھی۔ نامدار تقریباً دوڑتے ہوئے رزمق کو بتا رہا تھا کہ اس طرف گلاب کے پودوں کے کھیت ہیں۔ قطب آباد اور درویش پور میں پھولوں کی بڑی مانگ تھی۔ قرب وجوار کے بعض زمینداروں کی طرح نامدار نے بھی تین چار کھیتوں میں گلاب لگا رکھے تھے جن سے اسے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔

"ذرا احتیاط سے آیئے آپ لوگ۔ یہ گلاب کے پودے ہیں۔ کہیں کانٹوں میں نہ الجھ جائیں۔" نامدار کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بولا۔

پگڈنڈی بہت تنگ سی تھی۔ دونوں طرف سے پودوں کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے ان کے کپڑے بار بار کانٹے دار شاخوں میں الجھ رہے تھے۔ نامدار سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے کندن، خوشنما، زریاب اور سب سے آخر میں رزمق تھا جو بار بار پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔

تاریکی میں آگے بڑھنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ بار بار ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ گلاب کے کھیتوں سے نکل کر وہ دوسرے کھیتوں میں پہنچ گئے اور پھر دفعتاً وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ فائرنگ کی آواز سن کر ان سب کے دل اچھل کر حلق میں آ گئے تھے۔ رزمق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ آواز سے تو یوں لگا تھا جیسے فائرنگ ان کے بہت قریب سے کی گئی ہو لیکن حقیقت یہ تھی کہ فائرنگ وہاں سے تقریباً چار سو گز دور گاؤں میں ہو رہی تھی۔ ہوا کا رخ ہونے کی وجہ سے آواز بالکل قریب سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ گاؤں کی طرف آسمان پر شعلے لپکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ غالباً خامس اور اس کے ساتھی گاؤں کے لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے ہوائی فائرنگ کر رہے تھے لیکن زریاب اور رزمق وغیرہ جانتے تھے کہ وہ گاؤں والوں سے ان کا پتہ معلوم کرنے کے لئے انہیں تشدد کا نشانہ بنائیں گے۔

وہ لوگ مکان سے تقریباً نصف میل دور پہنچ چکے تھے۔ نامدار ایک جگہ آ کر رک گیا۔ آگے ایک بہت بڑا ٹیلا تھا جس پر خودرو جھاڑیوں اور درختوں کی بہتات تھی۔

"اس سے آگے اب تم لوگوں کو خود ہی جانا پڑے گا۔" نامدار نے رزمق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس وقت میرا گاؤں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ گاؤں میں صرف ایک دو آدمیوں کو یہاں تمہاری موجودگی کا علم ہے۔ ممکن ہے وہ لوگ زبان نہ کھولیں۔ لیکن خامس اور اس کے آدمی پورے گاؤں والوں کو ظلم کا نشانہ بنائیں گے۔ اس ٹیلے سے تقریباً دو سو گز آگے ایک ویران ڈیرہ ہے۔ اس سے پچاس قدم بائیں طرف ایک باؤلی ہے۔ میرا خیال ہے تم لوگ وہاں محفوظ رہو گے۔ میں صبح دن چڑھنے سے پہلے تم لوگوں کے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر کندن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "معاف کرنا آقازادی! میں آپ لوگوں کی خدمت نہیں کر سکا لیکن انشاء اللہ وہ وقت ضرور آئے گا جب یہ ظالم اپنے انجام کو پہنچیں گے اور آپ کو اپنا حق ملے گا۔"

"تم نے ہمارے لئے بہت کچھ کیا ہے نامدار۔" کندن نے کہا۔ "ہم تمہارا یہ احسان

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔"

"شرمندہ نہ کیجئے۔" نامدار بولا۔

"اب تم جاؤ اور اپنے گاؤں والوں کی خبر لو۔" کندن نے کہا۔

نامدار نے پوٹلی زریاب کے ہاتھ میں تھمادی اور انہیں خدا حافظ کہہ کر واپس مڑ گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کھیتوں میں جا رہا تھا۔

رزمق وغیرہ چند لمحے وہاں کھڑے رہے۔ پھر ایک پگڈنڈی پر ہوتے ہوئے ٹیلے پر چڑھنے لگے۔ ٹیلے پر بڑی دبیز گھاس تھی۔ گنجان جھاڑیاں تھیں اور ٹاہلی اور پیپل کے درخت تھے۔

وہ ٹیلے پر پہنچ کر رک گئے۔ کندن کا سانس پھول گیا تھا۔ اس نے کھڑے کھڑے مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ رزمق، زریاب اور خوشنما بھی اس کی چیخ سن کر مڑے۔ دوسرے ہی لمحہ ان کے چہرے بھی دھواں ہو گئے۔ گاؤں میں ایک جگہ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ زریاب کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں کو گاڑوں میں نہ پا کر خامس اور اس کے ساتھیوں نے بستی کے کسی گھر کو آگ لگا دی تھی۔ فاصلہ اگرچہ بہت زیادہ تھا لیکن فائرنگ اور لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں وہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔

"خدا غارت کرے ان لوگوں کو۔" کندن نے دانت کچکچائے۔ "انسانیت تو ان لوگوں کو چھو کر بھی نہیں گزری۔"

"انسان ہوتے تو ان کا انسانیت سے کوئی تعلق ہوتا۔ یہ تو بھیڑیئے ہیں۔ خونی بھیڑیئے!" رزمق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "چلو! ٹیلے کے دوسری طرف چلو..... زیادہ دیر یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ لوگ ٹیلے پر گنجان جھاڑیوں اور درختوں میں چلنے لگے۔ زریاب اور کندن بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھیں۔ گاؤں میں آگ کے شعلے پھیلتے اور بلند ہوتے جا رہے تھے۔

کندن کی ٹانگ کا زخم ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ صبح انہیں اچھا خاصا چلنا پڑا تھا اور اس وقت بھی بھاگ دوڑ کے باعث وہ زخم میں تکلیف محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کی ٹانگ میں ہلکی سی لنگڑاہٹ آ گئی تھی۔ زریاب نے اس کی تکلیف کو بھانپ لیا اور کندن کو

سہارا دے کر چلنے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ٹیلے کے دوسری طرف ڈھلان پر اتر رہے تھے۔

نامدار نے بتایا تھا کہ ٹیلے سے تقریباً دو سو گز آگے ویران ڈیرہ ملے گا۔ لیکن اس ڈیرے تک پہنچنے کے لئے چار سو گز کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ وہ تین کمروں کا ایک مختصر سا مکان تھا جس کے آگے کشادہ صحن بھی تھا۔ مکان کے سامنے آغار اب بھی موجود تھے۔ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہاں ڈھور ڈنگر باندھے جاتے تھے۔ مکان بھی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اس قابل نہیں تھا کہ وہاں ٹھہرا جا سکتا۔

وہ لوگ کچھ دیر تک شکستہ مکان کے سامنے درختوں کے نیچے کھڑے رہے۔ رزمق اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے باؤلی اس طرف ہونی چاہئے۔ میرے ساتھ آؤ تم لوگ۔"

کندن وغیرہ اس کے پیچھے چل پڑیں۔ تاریکی میں انہیں بار بار ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ رزمق کے پاس اگرچہ زریاب والی پنسل ٹارچ موجود تھی لیکن وہ ٹارچ روشن کر کے کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ انہیں محتاط ہو کر چلنے کی ہدایت کرتا ہوا ان کے آگے چلتا رہا۔

باؤلی تلاش کرنے میں انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ بھی دراصل ایک سرسبز ٹیلا تھا جس کے نیچے کھدائی کر کے ایک سرنگ سی بنائی گئی تھی۔ رزمق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہاں باؤلی کیوں بنائی گئی تھی۔ ٹیلے کے سامنے ایسے آثار موجود تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں یہاں سے ایک بڑی نہر گزرتی تھی۔ تقریباً سو سال یا اس سے بھی پہلے یہ علاقہ کسی بڑے زمیندار یا جاگیردار کی ملکیت رہا ہو گا۔ نہر کے کنارے ٹیلے کے نیچے یہ باؤلی اس نے اپنے آرام کے لئے بنوائی ہو گی۔

پرانے زمانے میں بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار اپنے اپنے علاقوں میں دریا یا نہر کے قریب اسی قسم کی باؤلیاں بنوایا کرتے تھے۔ دریا یا نہر کا پانی باؤلی کے قریب سے اس طرح گزارا جاتا کہ اندر داخل ہونے والی ہوا ٹھنڈی ہو کر آتی۔ یہ لوگ اپنی دوپہر انہی باؤلیوں میں گزارا کرتے تھے۔ بعض زمینداروں اور جاگیرداروں نے تو ان باؤلیوں میں عیش و عشرت کا سامان اکٹھا کر رکھا ہوتا۔

اس باؤلی کے اندر پانی کی گزرگاہ پختہ اینٹوں کی تھی اور اس کے اردگرد کا فرش بھی۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

لیکن امتداد زمانہ سے اینٹیں جگہ جگہ سے اکھڑ چکی تھیں۔ پانی کی گزرگاہ کے دونوں طرف کشادہ جگہ تھی۔ کئی آدمی بیک وقت آرام کر سکتے تھے۔ بائیں طرف ایک اور چھوٹی سی سرنگ تھی جس میں دیوار پر تقریباً پانچ فٹ اوپر اندر کی طرف ایک کارنس سی بنی ہوئی تھی۔ زرمق نے باؤلی میں داخل ہوتے ہی پنسل ٹارچ روشن کر لی تھی۔ اس کی روشنی باؤلی کا جائزہ لینے کے لئے کافی تھی۔ سامنے اس سرنگ کا دوسرا دہانہ تھا۔ باؤلی کی چھت محرابی شکل میں تھی اور اگرچہ پختہ اینٹوں کی چنائی تھی لیکن چھت اور دیواروں کی اینٹیں بھی جگہ جگہ سے اکھڑ چکی تھیں۔ سرنگ کا آخری حصہ تھوڑا سا دب چکا تھا جس سے دوسری طرف کا راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ لیکن تازہ ہوا کی آمد و رفت جاری تھی۔ باؤلی کے اندر کی ہوا باہر کی ہوا سے نسبتاً ٹھنڈی تھی۔

زرمق نے سوٹ کیس ایک جگہ رکھ دیا۔ زریاب نے بھی پوٹلی فرش پر پٹخ دی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ خوشنما اور کندن بھی اس کے قریب بیٹھ چکی تھیں۔ زرمق ٹارچ کی روشنی میں آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایسی جگہوں پر زہریلے سانپ اور بچھوؤں کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بغلی سرنگ میں کارنس کی طرف بڑھ گیا۔ فرش پر کچھ اینٹیں پڑی ہوئی تھی۔ اس نے چند اینٹیں نیچے اوپر رکھیں اور ان پر کھڑے ہو کر ٹارچ کی روشنی میں کارنس کا جائزہ لینے لگا۔ دوسرے ہی لمحہ اسے نیچے جھک جانا پڑا۔ تین چار چمگادڑیں چیختی ہوئی اس کی طرف لپکی تھیں۔

چمگادڑیں اب پوری باؤلی میں اڑتی پھر رہی تھیں مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ چند سیکنڈ بعد زرمق دوبارہ اینٹوں پر چڑھ گیا۔ یہ کارنس اندر کی طرف کافی کشادہ تھی۔

تقریباً چار فٹ آگے گہرا کھڈ تھا جس میں اترنے کے لئے اینٹوں کی چار سیڑھیاں تھیں۔ اس کھڈ کی دیوار اور فرش بھی اینٹوں کا تھا۔ زرمق نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس باؤلی کے اندر یہ پختہ کھڈ کیوں بنایا گیا تھا۔

روشنی کی وجہ سے اس کارنس کے اندر چند چمگادڑیں اب بھی اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھیں۔ زرمق کارنس سے نیچے اتر آیا اور زریاب وغیرہ کے قریب آ کر روشنی میں ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

ان تینوں کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ رات کے پچھلے پہر پرسکون نیند سے جھنجوڑ کر جگایا جانا اور پھر یہ بھاگ دوڑ..... اور سب سے بڑھ کر ان انسان نما بھیڑیوں کا خوف جو موت کے فرشتوں کی طرح ان کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔

"اگر وہ لوگ اس طرف بھی آ گئے تو کیا ہو گا؟" زریاب نے زرمق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں زریاب بی بی!" زرمق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "کہ بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقت ور ہے۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" زریاب نے کہا۔

"بھیا.....!" خوشنما نے کہا۔ "بہت شدت کی پیاس لگی ہے۔ حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔"

"برداشت کرو۔" زرمق نے جواب دیا۔ "اس جگہ پانی کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا۔"

خوشنما خاموش ہو گئی۔ وہ زریاب کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ زریاب نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ کندن بھی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

زرمق نے ٹارچ بجھا دی۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر باؤلی کے دہانے پر آ گیا۔ وہ گاؤں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیچ میں بلند ٹیلا اور درختوں کے جھنڈ حائل ہونے کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

زرمق ایک جگہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اس صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا جو حقیقتاً بہت سنگین تھی۔ خامس موت کے فرشتے کی طرح ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ انہیں نامدار کے ہاں آئے ہوئے چند ہی گھنٹے ہوئے تھے کہ وہ اپنے خونخوار ساتھیوں کو لے کر آ گیا تھا۔ لیکن ایک بات کی زرمق کو حیرت ضرور تھی کہ خامس کو یہاں ان کی موجودگی کا پتہ کیسے چلا تھا؟ اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آ رہے تھے۔

جب وہ نامدار کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت کھیتوں میں دو تین آدمی بھی کام کر رہے تھے۔ نامدار رازداری کے خیال سے انہیں گاؤں لے جانے کی بجائے اس مکان میں لے آیا

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ اپنے ان آدمیوں کو اس نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ گاؤں میں کسی کو ان کے بارے میں نہ بتایا جائے۔ پھر وہ دوپہر اور رات کا کھانا اپنے گھر سے بنوا کر لایا تھا۔ ممکن ہے بستی کے کسی آدمی کو ان کے بارے میں پتہ چل گیا ہو کہ وہ کون ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ خامس کو کس طرح اطلاع دی گئی ہو گی؟ جبکہ خامس وہاں سے میلوں دور تھا۔ خامس تو اپنی جان بچا کر بھاگا تھا اور اس کی لینڈ کروزر یہ لوگ لے آئے تھے۔

دفعتاً رزمق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ لینڈ کروزر انہوں نے نہر میں پھینک دی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ پوری طرح پانی میں نہ ڈوبی ہو اور کسی کسان نے اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور قطب آباد کے تھانے کو اطلاع کر دی ہو اور اس طرح لینڈ کروزر کے بارے میں اطلاع رکھیل شاہ تک پہنچ گئی ہو۔ اس دوران خامس بھی کسی نہ کسی طرح درویش پور پہنچ چکا ہو گا۔ ان لوگوں کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی ہو گی کہ یہ لوگ کسی قریبی بستی میں موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے رکھیل شاہ یا خامس وغیرہ یہ بھی جانتے ہوں کہ آدم پور میں ان کا کوئی ایسا ہمدرد موجود ہے جو انہیں پناہ دے سکتا ہے۔

یقیناً یہی بات ہو گی۔ اسی لئے خامس اتنی جلدی یہاں پہنچ گیا تھا۔

رات کی تاریکی چھٹنے لگی تھی۔ اندھیرا رخصت ہو رہا تھا۔ دن کا بہت مدھم اجالا ظاہر ہونے لگا تھا۔ رزمق اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار انگڑائی لی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ درختوں کے جھنڈ والے ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے وہ چھل پڑا اور بڑی پھرتی سے جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا۔ وہ چار گھڑ سوار تھے۔ رزمق کو ان میں ایک گھڑ سوار پہچاننے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ خامس تھا۔

رزمق باؤلی کے اندر کی طرف دوڑا۔ کندن، زریاب اور خوشنما ایک دوسرے سے لپٹی اونگھ رہی تھیں۔ رزمق نے خوشنما کا بازو پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ خوشنما کے ساتھ زریاب اور کندن بھی جاگ گئیں۔

"وہ لوگ آ گئے۔" رزمق بولا۔ "باؤلی سے نکل کر بھاگنا بیکار ہے۔ چھپنے کی ایک ہی جگہ ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو!" اس نے جھک کر سوٹ کیس اور پوٹلی اٹھالی۔

وہ دوڑتے ہوئے اس کارنس کے قریب پہنچ گئے۔ رزمق نے پہلے ان تینوں کو سہارا دے کر باری باری اوپر چڑھایا اور پھر نیچے پڑی ہوئی اینٹیں اٹھا کر اِدھر اُدھر پھینکنے لگا تاکہ

ایک جگہ اینٹیں جمع دیکھ کر کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے۔

باؤلی کے دہانے کی طرف سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر رزمق کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے جلدی سے کارنس کی نگر پکڑ لی اور اپنے جسم کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔

"وہ لوگ باؤلی میں چھپے ہوں گے۔ اندر جا کر تلاش کرو۔ انہیں بچ کر نہیں جانا چاہئے۔"

یہ باریک چیختی ہوئی آواز خامس کی تھی۔ رزمق کا جسم پسینے میں تر ہونے لگا۔ اس کی ہتھیلیاں بھی پسینے میں تر ہو رہی تھیں۔ کارنس کی نگر پر اس کا ہاتھ پھسل رہا تھا اور اس سے پہلے کہ اس کی گرفت چھوٹ جاتی اوپر زریاب اور خوشنما نے اسے پکڑ لیا اور اسے آہستہ آہستہ اوپر کھینچنے لگیں۔ اسی لمحہ باؤلی میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں پھیلتی چلی گئیں۔

☆

بنجان جاگیردار کا بہت پرانا ملازم تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس نے بچپن سے لے کر پچپن برس کی عمر تک زندگی اسی حویلی میں گزاری تھی۔ وہ جاگیر کا نمک خوار تھا۔ وفادار تھا۔ جب حالات نے پلٹا کھایا تو وہ بھی رکھیل شاہ کے جال میں پھنس گیا۔ رکھیل شاہ نے جب حویلی میں قبضہ کیا تو بنجان ان دنوں حویلی ہی میں تھا۔ لیکن چند روز بعد رکھیل شاہ اسے درویش پور لے آیا اور وہ یہاں خدمات انجام دینے لگا۔

کئی مہینوں تک بنجان یہ سمجھتا رہا کہ جاگیردار نمران نے پرانے اختلافات بھلا کر رکھیل شاہ کو دوبارہ جاگیر کا منیجر مقرر کر دیا ہے۔ لیکن پھر یہ انکشاف اس کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ثابت ہوا کہ رکھیل شاہ نے جاگیردار کو قیدی بنا رکھا ہے اور وہ ایک سازش کے تحت اس کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔

اس روز اتفاق سے بنجان نے رکھیل شاہ اور گوپانگ کی باتیں سن لی تھیں اور تب اس پر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا تھا کہ جاگیردار کو قیدی بنا کر حویلی میں رکھا گیا ہے۔ رکھیل شاہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے لیکن اس سے پہلے وہ جاگیر سے متعلق تمام کاغذات مکمل کر کے ان پر جاگیردار کے دستخط کروانا چاہتا ہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حویلی کی نگرانی خامس کے سپرد تھی۔ اور خامس کو بنجان بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے خیال میں وہ تو انسانوں کے زمرے میں ہی نہیں آتا تھا۔ اس کا تعلق کسی اور ہی مخلوق سے تھا جس میں جذبات نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ صرف رکھیل شاہ کا حکم ماننا جانتا تھا۔

بنجان کو جب جاگیر دار کے خلاف اس سازش کا علم ہوا تو رگوں میں اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ وہ جاگیر دار کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن بہت معمولی سا آدمی تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ رکھیل شاہ جیسے لوگوں کا مقابلہ کر سکتا۔ وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھا کہ دس سال پہلے جاگیر دار کی اکلوتی بیٹی کندن کی موت کا ذمہ دار بھی رکھیل شاہ ہی تھا۔ اور یہی رکھیل شاہ جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے اب نمران کو موت کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

بنجان کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا تھا کہ وہ کسی پولیس آفیسر سے مل کر اسے رکھیل شاہ کی سازش سے آگاہ کر دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس نے ایسا نہیں کیا کہ درویش پور کے بہت سے پولیس آفیسر رکھیل شاہ کے وظیفہ خوار تھے۔ اس نے کئی پولیس افسروں کو رکھیل شاہ کے دفتر آتے دیکھا تھا۔ وہ رکھیل شاہ کے سامنے اس طرح ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہوتے جیسے وہ قانون کے محافظ اور سرکاری ملازم نہیں اس کے زر خرید ملازم ہوں۔ بنجان نے پولیس اور بعض دیگر بڑے افسروں کو رکھیل شاہ کے بنگلے پر بھی آتے دیکھا تھا۔ رکھیل شاہ ان لوگوں کی وقتاً فوقتاً دعوتیں کرتا رہتا تھا۔ ان دعوتوں میں افسروں کی عیاشی کا پورا پورا خیال رکھا جاتا۔ بنگلے میں ان کی شب بسری کے لئے خوبصورت لڑکیوں کا بندوبست بھی کیا جاتا۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بنجان کو یقین تھا کہ یہ پولیس آفیسر رکھیل شاہ کے خلاف کچھ نہیں سنیں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ الٹا اسی کو پکڑ کر بند کر دیا جائے۔

لیکن بنجان چین سے بیٹھنے والا نہیں تھا۔ اس نے جاگیر دار کے ایک دو وفاداروں سے بات کی مگر وہ بھی ٹال گئے۔ بلکہ انہوں نے تو بنجان کو مشورہ دیا تھا کہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھے۔ کیونکہ اگر رکھیل شاہ کو اس کے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بنجان خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔ وہ آزمائش کا وقت آ رہا تھا تو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سب نے زبان بند کر لی تھی۔ وہ بزدل تھے۔ ڈرتے تھے کہ رکھیل شاہ کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائیں۔ مگر بنجان بزدل نہیں تھا۔ اسے اپنے انجام کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جاگیر دار کی مدد کے منصوبے بناتا رہا لیکن ڈھنگ کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا اور درویش پور کے سب سے بڑے پولیس آفیسر کے نام گمنام خط میں ساری تفصیل لکھ دی۔ اسے یقین تھا کہ یہ اعلیٰ ترین پولیس آفیسر کچھ فرض شناسی اور دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس معاملے کی تحقیق کرے گا۔ لیکن اسے یہ جان کر بے حد دکھ ہوا کہ تیسرے ہی روز شہر کا وہ اعلیٰ ترین پولیس آفیسر رکھیل شاہ کے دفتر میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اسی گمنام خط کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ بنجان نے ان کی کچھ باتیں سنی تھیں جس سے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ اس گمنام خط میں رکھیل شاہ پر لگائے جانے والے الزامات کو کسی کا ذہنی فتور سمجھا گیا تھا۔

رکھیل شاہ نے اس پولیس آفیسر کو پوری طرح مطمئن کر کے رخصت کر دیا تھا۔

پولیس آفیسر کے جانے کے بعد بنجان نے چھپ کر رکھیل شاہ اور گوپانگ کی باتیں بھی سنی تھیں۔ رکھیل شاہ بڑا برہم تھا۔ اس کے لئے پریشانی کی بات یہ تھی کہ جاگیر دار کے حوالے سے یہ بات شہر کے اعلیٰ ترین پولیس آفیسر تک پہنچ گئی تھی۔ وہ پولیس آفیسر اگرچہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا تھا لیکن رکھیل شاہ کے خیال میں بات آگے بھی بڑھ سکتی تھی۔ اس صورت حال سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس نے گوپانگ کو یہ حکم دیا تھا کہ اس کالی بھیڑ کا پتہ چلایا جائے جس نے پولیس آفیسر کے نام وہ گمنام خط لکھا تھا۔

بنجان کو بروقت ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا اس لئے وہ محتاط ہو گیا تھا۔ دفتر کے ایک ایک آدمی کو چیک کیا گیا تھا۔ بنجان کو بھی آزمایا گیا۔ دفتر ہی کے ایک آدمی نے بنجان سے اس کے گھر پر بڑی رازداری سے ملاقات کر کے ایک بڑی رقم کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اگر وہ اس کا ساتھ دے تو دونوں مل کر رکھیل شاہ کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ لیکن بنجان کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا کہ اس چال میں آ جاتا۔ اس نے اپنے آپ کو رکھیل شاہ کا وفادار ظاہر کرتے ہوئے الٹا اس شخص کو دھمکی دے ڈالی کہ اگر اس نے مزید کوئی بات کی تو رکھیل شاہ سے اس کی شکایت کر دے گا۔

اس طرح بنجان [illegible] کر لیا تھا۔ لیکن اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں

چھوڑا تھا۔ گوپانگ اس شخص کا سراغ لگانے کی کوشش کرتا رہا جس نے پولیس کے افسر اعلیٰ کو گمنام خط لکھا تھا۔

اس واقعے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد فیروز آباد میں بنجان کے ایک عزیز کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر فیروز آباد چلا گیا۔ اور پھر ایک روز اتفاق سے رزمق سے آمنا سامنا ہو گیا۔

اس روز بنجان اپنے ایک جاننے والے کے ساتھ بازار کے ایک چھوٹے سے چائے خانے سے چائے پی کر نکل رہا تھا کہ دروازے پر ایک خوبرو نوجوان سے ٹکر بھیڑ ہو گئی۔ بنجان کو تانبے جیسی رنگت والے اس نوجوان کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔ لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نوجوان کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔

وہ نوجوان بھی بڑی گہری نظروں سے اس کے چہرے کو تک رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ اور وہ ''بنجان بابا'' کہتے ہوئے اس سے لپٹ گیا۔

''مجھے نہیں پہچانا بنجان بابا؟ غور سے دیکھو..... میں کون ہوں؟'' نوجوان اس کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''کچھ جانے پہچانے تو لگ رہے ہو لیکن یاد نہیں آ رہا۔'' بنجان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''تمہیں تمریز تو یاد ہے نا بنجان بابا..... تمہارا دوست تمریز۔'' نوجوان نے کہا۔

''او تیرا بھلا ہو..... تم تمریز کے بیٹے ہو نا رزمق؟'' بنجان نے کہا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی خوشی تھی۔

''ہاں بنجان بابا! میں رزمق ہوں۔'' رزمق نے جواب دیا۔

بنجان چند لمحے عجیب سی نظروں سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتا رہا پھر بڑے پرجوش انداز میں اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ اور جب وہ رزمق سے الگ ہوا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''کہاں تھے بیٹا تم؟ کہاں غائب رہے اتنا عرصہ؟ دس سال بعد تمہیں دیکھا ہے۔'' بنجان نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد خود ہی بولا..... ''اچھا ہوا تم کہیں چلے گئے تھے ورنہ وہ ظالم تمہارے باپ کی طرح تمہیں بھی قتل کروا دیتا۔''

''زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے بنجان بابا..... لیکن میں ایک طویل عرصہ کہاں غائب رہا؟ یہ ایک طویل داستان ہے۔ اطمینان سے سناؤں گا۔ لیکن یہ.....'' رزمق نے خاموش ہو کر بنجان کے ساتھ دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔

''یہ میرا دوست ہے۔'' بنجان نے کہا۔ پھر اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم جاؤ علی بخش! میں شام کو کسی وقت تم سے ملوں گا۔ میرا بیٹا مجھے مل گیا ہے۔ بہت عرصہ بعد ملا ہے۔ اس سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

علی بخش ان دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ بنجان، رزمق کو لے کر دوبارہ ریسٹورنٹ میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن رزمق نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

''یہاں نہیں بنجان بابا..... میرے ساتھ آؤ! ہم پرسکون جگہ پر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

رزمق، بنجان کو بودی شاہ کے گھر لے گیا۔ بودی شاہ بھی بنجان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ وہ تینوں دیر تک بیٹھے ایک دوسرے کے حالات معلوم کرتے رہے اور جب بودی شاہ اٹھ کر چلا گیا تو بنجان نے مطلب کی بات شروع کر دی۔

''اچھا ہوا تم آ گئے ہو رزمق!'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تم جیسے جوان اور دلیر آدمی کی ضرورت تھی۔ رکھیل شاہ نے جاگیردار کو قیدی بنا رکھا ہے۔ وہ جاگیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور بعض اعلیٰ سرکاری آفیسر بھی اس کی اس سازش میں شریک ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میرا دل کڑھتا رہتا ہے۔ میں اکیلا بھلا کیا کر سکتا ہوں ان کے خلاف۔ اب تم آ گئے ہو، مجھے بڑا حوصلہ ملا ہے۔''

''رکھیل شاہ کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔'' رزمق نے کہا۔ ''میں ہی نہیں جاگیر کی اصل وارث بھی واپس آ گئی ہے۔''

''اصل وارث؟ میں سمجھا نہیں۔'' بنجان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں بنجان بابا...! جاگیر کی اصل وارث کندن..... وہ زندہ ہے۔'' رزمق نے کہا۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' بنجان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہاں بنجان بابا!" رزمق نے کہا۔ اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے اپنے اور کندن کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ "اس طویل عرصہ کے دوران میں نے کندن کی اپنی جان سے بھی زیادہ حفاظت کی ہے۔ یہ درست ہے کہ میں نے اسے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ نہیں دیا لیکن اسے کبھی کسی کمی یا محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ تقریباً دو ہفتے پہلے میں اسے اور خوشنما کو لے کر یہاں آیا تھا۔ ہمیں یہ تو پتہ چل گیا کہ جاگیردار بیمار ہے اور کسی کو اس سے ملنے نہیں دیا جاتا۔ حویلی میں رکھیل شاہ کی موجودگی کا سن کر ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ میں نے اپنے طور پر تفتیش کی تو میرا شبہ درست نکلا۔ رکھیل شاہ نے جاگیردار کو اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔ کندن باپ سے ملنے کو بے چین تھی لیکن میں نے بڑی مشکل سے اسے حویلی سے دور رکھا۔ ہمیں کچھ ہمدرد مل گئے تھے جو اس سلسلے میں ہمارا ساتھ دینے کو تیار تھے لیکن انہوں نے ہمیں یہ مشورہ بھی دیا کہ ہمیں اس طرح کھل کر سامنے نہیں آنا چاہئے۔ حرمت ہمیں اپنی بستی لے گیا۔ بستی کے قریب ہی پرانے کھنڈر ہیں۔ اسے ان کھنڈروں کے نیچے تہہ خانے کا راستہ معلوم تھا۔ اس کھنڈر کے تہہ خانے میں ہمارے لئے ساری سہولتیں مہیا کر دی گئیں اور ہم نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔" رزمق چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

"اب میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔" بنجان نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "میں رکھیل شاہ کے دفتر میں ہوں۔ اسے ابھی تک مجھ پر شبہ نہیں ہو سکا۔ میں اس کی سرگرمیوں کے بارے میں تم لوگوں کو آگاہ کرتا رہوں گا۔"

ایک روز بنجان نے رزمق کے ساتھ جا کر کندن سے بھی ملاقات کی تھی اور اسے اپنی وفا کا یقین دلایا تھا۔ اس نے رزمق کو آدم پور میں مقیم پھوپھی زاد بہن اور اس کے شوہر نامدار کے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ کسی مشکل کے وقت اس کے ہاں بھی جا سکتے ہیں۔

بنجان نے اپنی وفاداری کا حق ادا کر دیا تھا۔ اس دوران وہ رزمق اور کندن کو اہم اطلاعات فراہم کرتا رہا تھا۔ اور پھر اس نے یہ اطلاع بھی دی تھی کہ حویلی سے زریاب کے فرار اور راتوں کو حویلی میں بعض نامعلوم لوگوں کی پراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے جاگیردار کو حویلی سے نکال کر درویش پور پہنچا دیا گیا ہے اور خامس پولیس کی ایک جمعیت لے کر دوبارہ حویلی گیا ہے۔ حویلی میں ان پراسرار سرگرمیوں کے سلسلے میں زریاب کا نام

لیا جا رہا تھا۔ لیکن زریاب ان کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔

اور پھر اس سے اگلے روز فیروز آباد سے بنجان کو رزمق کا پیغام ملا کہ وہ کل درویش پور آ رہے ہیں۔ بنجان نے ایک کچی آبادی میں ان کے رہنے کا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن وہ لوگ درویش پور نہیں پہنچے بلکہ رات کو اسے پتہ چلا کہ خامس نے زریاب، کندن اور رزمق کو ایک بس میں سفر کرتے ہوئے پکڑنے کی کوشش کی تھی مگر خامس کو خود اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کو بس کے مسافروں نے ڈکیتی اور راہزنی کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

بنجان خامس کی اس شکست پر بہت خوش تھا۔ زریاب کے ہاتھوں خامس کو پے در پے شکست اٹھانا پڑ رہی تھی۔ اور اب تو کندن اور رزمق بھی اس کے ساتھ تھے۔ رزمق وغیرہ درویش پور نہیں پہنچے تھے۔ وہ پریشان تھا کہ وہ لوگ کہاں جا سکتے ہیں۔ شام کے وقت اسے آدم پور سے نامدار کا ایک آدمی ملنے آ گیا اور اس سے ملنے والا پیغام بنجان کے لئے اطمینان بخش تھا۔ رزمق وغیرہ نامدار کے پاس پہنچ گئے تھے اور نامدار نے پیغام بھیجا تھا کہ وہ اپنی جان دیدے گا مگر اپنے مہمانوں پر آنچ نہیں آنے دے گا۔ اس نے یہ بھی پیغام بھیجا تھا کہ ایک دو دن میں حالات سازگار ہونے پر وہ خود مہمانوں کو لے کر درویش پور آئے گا۔

اس رات بنجان بہت خوش تھا۔ رکھیل شاہ نے جاگیردار نمران کو ابھی درویش پور ہی میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اسے زرغون بھیجنا چاہتا تھا مگر اس گڑبڑ کی وجہ سے اس کا یہ پروگرام بھی متاثر ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ جاگیردار کو ایک دو دن کے لئے درویش پور ہی میں رکھے۔ بنجان کو اگرچہ معلوم نہیں تھا کہ جاگیردار کو کہاں رکھا گیا ہے مگر یہ معلوم کر لینا زیادہ مشکل بھی نہیں تھا۔ وہ خوش اس لئے بھی تھا کہ زریاب، کندن، خوشنما اور رزمق کے آنے کے بعد وہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں گے اور جاگیردار کو ان کے شکنجے سے بازیاب کرا لیں گے۔

بنجان بہت خوش تھا کہ جاگیردار نمران کے مشکل دن اب ختم ہونے والے تھے۔ بس چند روز کی بات اور ہے۔ رکھیل شاہ اور اس کے گرگے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے اور جاگیر کے لوگوں کو ان کے ظلم و ستم سے نجات مل جائے گی۔ بنجان یہی سب کچھ سوچتا ہوا

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی بڑے زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ بنجان آنکھ کھلنے کے بعد چند لمحے تو یہ سوچتا رہا کہ کون ہو سکتا ہے۔ پھر دفعتاً اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ یہ کندن اور رزمق کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے نکل کر صحن میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کے قریب آگیا اور کنڈا ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی بنجان کو یوں لگا جیسے اس کی کھوپڑی میں راکٹ آلگا ہو۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی سی چنگاریاں رقص کرنے لگیں اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گرا۔

بنجان نے جلد ہی حواس پر قابو پالیا اور پھر اپنے سامنے دیو قامت خامس کو دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی۔ اسے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ چوٹ لگنے سے اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

خامس نے آگے بڑھ کر اسے زوردار ٹھوکر ماری۔ بنجان چیخ کر پیچھے الٹ گیا۔ خامس نے پے در پے تین چار اور ٹھوکریں رسید کر دیں۔ بنجان بری طرح بلبلا رہا تھا۔

"اٹھو کتے کے پلے!" خامس اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے چیخا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی اپنی آواز کتے کے پلے جیسی تھی۔

بنجان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے جسم کے ان حصوں کو سہلا رہا تھا جہاں ٹھوکریں پڑی تھیں۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ خامس کے ساتھ تین آدمی اور تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں آٹو میٹک رائفل تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں پستول اور تیسرے کے پاس خنجر تھا جسے اس نے اس انداز میں پکڑ رکھا تھا جیسے کسی بھی لمحہ حملہ کر دے گا۔

"کک..... کیا بات ہے؟" بنجان، خامس کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔ "کیا، کیا ہے میں نے؟ مم..... میں رکھیل شاہ سے تمہاری شکایت کر دوں گا۔"

"ضرور کرنا شکایت بشرطیکہ تم زندہ بچ گئے۔" خامس نے کہا۔ "تمہیں مارنے سے پہلے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ زریاب اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟"

"مم..... مجھے کیا معلوم؟" بنجان کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے سمجھنے میں دیر

نہیں لگی تھی کہ اس کا راز کھل گیا تھا۔ "مجھے کیا پتہ وہ کہاں ہیں۔ میرا ان سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

آدم پور میں تمہارا کوئی رشتے دار رہتا ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟" خامس نے پوچھا۔

"نامدار..... وہ میرا بہنوئی ہے۔" بنجان نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا زریاب والے معاملے سے کیا تعلق؟"

"آج صبح زریاب اور اس کے ساتھی میزی لینڈ کروزر چھین کر فرار ہو گئے تھے۔ وہ لینڈ کروزر ماچھی نہر میں ڈوبی ہوئی ملی ہے۔ اسے دھکا دے کر نہر میں گرایا گیا تھا جس کا مطلب ہے کہ زریاب اور اس کے ساتھی آدم پور ہی گئے ہوں گے۔ وہاں انہیں تمہارے رشتے دار کے پاس ہی پناہ مل سکتی ہے۔ حاتم نے بتایا تھا کہ آج آدم پور کا کوئی آدمی بھی تم سے ملنے آیا تھا۔ کیا پیغام لے کر آیا تھا وہ؟" خامس نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔" بنجان نے جواب دیا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو اور میں تم سے سب کچھ پوچھ لوں گا۔" خامس نے کہا۔

"ہاں..... جانتا ہوں..... میں سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن تم مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں پوچھ سکو گے۔ میں اپنے آقا کا وفادار ہوں۔ میں نے جاگیر دار کا نمک کھایا ہے۔ حق نمک ادا کرنا جانتا ہوں۔ رکھیل اور تم لوگوں کی طرح نمک حرام نہیں ہوں....." بنجان نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ وہ ایک دم تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

خامس چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پتلون کے پائنچے کے نیچے پنڈلی کے ساتھ فیتا نما بیلٹ میں اڑسا ہوا خنجر نکالا اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا بنجان کی طرف بڑھا۔ بنجان دوڑ کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر خامس نے بھی حیرت انگیز پھرتی سے آگے بڑھ کر دروازے کو ٹھوکر ماری۔

بنجان کمرے میں الٹے قدموں پیچھے پلٹ رہا تھا۔ خامس خنجر ہاتھ میں سنبھالے اس طرح آگے بڑھ رہا تھا جیسے کوئی درندہ حملہ آور ہونے سے پہلے اپنے شکار کی طرف بڑھتا ہے۔ بنجان الٹے قدموں چلتا ہوا چارپائی سے ٹکرا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر پشت کے بل چارپائی پر گرا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا خامس کا خنجر اس

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا۔

خامس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ وہ پے در پے خنجر کے وار کر رہا تھا۔ بنجان کے سینے پر جا بجا خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ خامس نے آخری وار کر کے خنجر اس کے سینے سے نکالا اور اس کی دھار بنجان کے گلے پر پھیر دی۔

خامس اٹھ کر سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک طمانیت کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔ بنجان کے خون نے اس کی پیاس کسی حد تک بجھا دی تھی۔ اس نے خنجر کا بلیڈ بنجان کے لباس سے صاف کیا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے دو ساتھی صحن میں تھے اور تیسرا رائفل سنبھالے بیرونی دروازے میں کھڑا تھا۔

بنجان کی چیخیں سن کر بستی کے کچھ لوگ گلی میں جمع ہو گئے تھے۔ مکان سے باہر نکلتے ہوئے خامس نے رائفل کا ایک برسٹ ہوا میں مارا۔ گلی میں جمع لوگ تتر بتر ہو گئے۔

خامس اور اس کے ساتھی کچی بستی کی گلیوں سے نکل کر سڑک پر آ گئے جہاں گاڑی کھڑی تھی۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے ایک حویلی نما مکان میں آ گئے۔ یہاں انہوں نے گاڑی چھوڑ دی اور اصطبل سے گھوڑے نکال لئے۔

یہ رکھیل شاہ کا مکان تھا جو صرف اس کے گھوڑوں کے لئے مخصوص تھا۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے وہاں تین ملازم بھی موجود تھے۔ درویش پور میں گھوڑے رکھنا ایک فیشن سمجھا جاتا تھا۔ ہر دولت مند شخص کے پاس دو تین گھوڑے موجود تھے اور بعض لوگوں کے پاس تو رکھیل شاہ کی طرح کئی کئی گھوڑے تھے۔ شہر سے نکلتے ہی انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ ماچھی نہر کے پل پر پہنچ کر وہ کچھ دیر کو رکے اور پھر گھوڑوں کو اس راستے پر ڈال دیا جو آدم پور کی طرف چلا گیا تھا۔

جب وہ بستی میں پہنچے تو رات کا آخری پہر تھا۔ بستی کے لوگ گہری نیند میں تھے لیکن کتے جاگ رہے تھے۔ انہوں نے بھونک کر خامس اور اس کے ساتھیوں کا استقبال کیا۔ کتوں کے مسلسل بھونکنے کی آوازوں سے ایک کسان اپنے مکان سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ اس نے گھڑ سواروں کو دیکھ کر دوبارہ مکان میں گھسنے کی کوشش کی مگر خامس کے ایک ساتھی نے گھوڑے سے کود کر اسے پکڑ لیا۔ اس کسان سے نامدار کے مکان کا پتہ معلوم کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

خامس جب اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں پہنچا تو اس انکشاف نے اس کا پارہ چڑھا دیا کہ نامدار گھر سے بھاگ گیا ہے۔ خامس غصے میں پاگل ہو گیا۔ اس نے نامدار کے جوان بیٹے کی پٹائی شروع کر دی۔ گھر کی عورتیں چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو انہیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ خامس ان سے زریاب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ نامدار نے اپنے گھر والوں کو زریاب وغیرہ کے بارے میں قطعی لاعلم رکھا تھا۔ وہ خامس کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکے تھے۔ شور کی آواز سن کر بستی کے لوگ لاٹھیاں، کلہاڑیاں اور بندوقیں لے کر گھروں سے نکل آئے۔ وہ یہی سمجھے کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا ہے لیکن حملہ آور ہونے والے ڈاکوؤں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ خامس اور اس کے ساتھی خون کے پیاسے تھے۔ رائفل کے ایک برسٹ سے تین دیہاتی ڈھیر ہو گئے۔ خامس کا ایک ساتھی لوگوں کو دور رکھنے کے لئے ہوائی فائرنگ کرتا رہا۔

مایوسی نے خامس کا دماغ ہی پلٹ دیا تھا۔ اس نے نامدار کے مکان کو آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ پھیلتی چلی گئی اور دو تین اور مکان بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ آگ کے شعلوں کے ساتھ بستی کے لوگوں کی چیخیں بھی آسمان تک پہنچ رہی تھیں۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہ شیطانی کھیل جاری رہا۔ پھر دفعتاً ایک آدمی کسی طرف سے دوڑتا ہوا سامنے آ گیا۔ وہ نامدار تھا۔

زریاب وغیرہ کے بارے میں پوچھنے کے لئے خامس نے نامدار پر بے پناہ تشدد کیا لیکن اس نے زبان نہیں کھولی مگر اس کا ایک مزارع نہ جانے کہاں سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس نے بتا دیا کہ زریاب وغیرہ باغ والے مکان میں موجود ہیں۔

اب نامدار کو بھی زبان کھولنی پڑی۔ اس نے بتا دیا کہ زریاب اور اس کے ساتھی ٹیلے کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ رزمق وغیرہ بہت دور نکل چکے ہوں گے اور یہ لوگ رات کی تاریکی میں انہیں تلاش نہیں کر سکیں گے۔

اور اب خامس اور اس کے ساتھی اس باؤلی کے سامنے پہنچ چکے تھے جہاں رزمق اور زریاب وغیرہ پناہ لئے ہوئے تھے۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر وہ چونک گئے۔

"وہ لوگ باؤلی کے سامنے کھڑے ہیں۔" رزمق نے سرگوشی کی۔ ہماری تلاش میں کسی بھی وقت اندر آسکتے ہیں۔ خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھی رہو۔ کسی کی کوئی معمولی سی حرکت ہم سب کی موت کا باعث بن سکتی ہے۔"

کندن، زریاب اور خوشنما دیوار کے ساتھ سمٹ کر بیٹھ گئیں۔ وہ تینوں خوفزدہ تھیں۔ اب تک اگرچہ ان تینوں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن اس وقت صورتحال مختلف تھی۔ وہ ایسی جگہ پر موجود تھے جہاں فرار کا کوئی راستہ نہیں تھے۔ گویا وہ چوہے دان میں پھنسے ہوئے تھے۔ اگر خامس اور اس کے ساتھی اندر آگئے تو کسی کو مزاحمت کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔ وہ لوگ انہیں گولیوں سے بھون کر رکھ دیں گے اور ان کی لاشیں یہاں پڑی سڑتی رہیں گی۔

رزمق نے خنجر ہاتھ میں پکڑ لیا اور رینگتا ہوا گڑھے سے اوپر جانے والی سیڑھی کے قریب دیوار سے چپک کر بیٹھ گیا۔ ان تینوں لڑکیوں کی حفاظت اس کی ذمے داری تھی اور یہ تو اس نے پہلے ہی طے کر رکھا تھا کہ ان میں سے کسی پر کوئی آنچ آنے سے پہلے وہ اپنی جان دیدے گا۔

باہر اگرچہ دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ لیکن باؤلی کے اندر ایک کونے میں بنے ہوئے کھڈ میں ابھی تک تاریکی تھی اور شاید دن کی روشنی کبھی وہاں تک پہنچتی بھی نہیں تھی۔

"یہاں کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" خامس کی چیختی ہوئی آواز رزمق کی سماعت سے ٹکرائی۔ "وہ لوگ یقیناً اس باؤلی میں موجود ہیں۔ اندر جاکر تلاش کرو انہیں۔ اگر اس مرتبہ ان میں سے کوئی بچ کر نکل گیا تو میں تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یہ باؤلی بہت عرصہ سے ویران پڑی ہے۔ اس میں سانپ اور بچھو وغیرہ بھی ہو سکتے

ہیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ یہاں نہیں ہوں گے۔" ایک اور آواز سنائی دی۔

"میں نے تمہاری رائے نہیں مانگی۔" خامس چیخا۔ اندر جاؤ اور تلاش کرو انہیں۔"

اس کے کچھ ہی دیر بعد باؤلی کے اندر قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ غالباً دو آدمی تھے جو باؤلی میں داخل ہو کر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"یہاں تو اندھیرا ہے۔ کچھ نظر نہیں آرہا۔" ایک آواز ابھری۔

"خامس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "بلاوجہ یہاں وقت ضائع کر رہا ہے۔ ان کے پاس اچھا خاصا وقت تھا۔ وہ لوگ کہیں دور نکل گئے ہوں گے۔"

"دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟ خامس کو تم جانتے ہو۔ وہ کس قدر خبیث آدمی ہے۔ جب تک اس کی تسلی نہیں ہو جائے گی یہاں سے آگے نہیں جائے گا۔" پہلے آدمی نے کہا۔ پھر دوسرے ہی لمحہ ان میں سے کسی کی خوفزدہ سی چیخ سنائی دی اور اس کے ساتھ چیں چیں کی باریک باریک اور پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"کیا ہوا؟" دوسرے آدمی نے پوچھا۔

"یہاں تو چمگادڑ بھرے ہوئے ہیں۔ نکلو یہاں سے۔" پہلے آدمی نے جواب دیا۔

"ایک منٹ!" دوسرا آدمی بولا..... "وہ آگے ایک چبوترا نظر آرہا ہے۔ ذرا وہاں دیکھ لینے دو۔"

رزمق چونک گیا۔ اگر وہ لوگ چبوترے پر چڑھ گئے تو ان کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ وہ خنجر کے دستے پر گرفت جما کر آنے والے لمحات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے اینٹیں ایک دوسرے پر رکھی جا رہی ہوں۔ یہ آوازیں سن کر زریاب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ خوشنما بیٹھی ہوئی تھی۔ زریاب نے محسوس کیا کہ خوشنما کا بدن ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ زریاب نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

رزمق تیار بیٹھا تھا۔ اینٹوں کی آواز اس نے بھی سن لی تھی۔ وہ خنجر کے دستے پر گرفت جمائے سانس روکے بیٹھا رہا۔

"اس سے آگے کوئی گہرا کھڈ ہے۔ وہ لوگ یہاں نہیں ہو سکتے۔ واپس چلو۔" رزمق کو یہ آواز اپنے سر کے بالکل اوپر سے سنائی دی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اینٹوں پر کھڑا اس کھڈ

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گہری تاریکی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ اینٹوں سے اتر گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد واپس جاتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

رزمق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس کے اعضا ایک دم ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔ اور پھر باؤلی کے باہر سے ایک آواز سنائی دی۔

''باؤلی کے اندر کوئی نہیں ہے۔ ہم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ یہاں چمگادڑیں بھری ہوئی ہیں۔''

''تو پھر وہ لوگ کہاں جا سکتے ہیں؟'' یہ خامس کی آواز تھی۔

''میرا خیال ہے وہ لوگ کہیں دور نکل گئے ہوں گے۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''اگر تم میرا مشورہ مانو تو ہمیں درویش پور کا رخ کرنا چاہئے۔ وہ لوگ اسی طرف گئے ہوں گے۔ راستے میں ایک دو چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں جہاں سے ہمیں ان کے بارے میں اطلاع مل سکتی ہے۔''

''ضروری نہیں کہ وہ درویش پور ہی کا رخ کریں۔'' خامس نے کہا۔ ''وہ لوگ قطب پور کی طرف بھی جا سکتے ہیں۔ میں اور بشیرا قطب پور کی طرف جا رہے ہیں اور تم دونوں درویش پور کی طرف چلے جاؤ۔ جہاں بھی نظر آئیں انہیں گولیوں سے بھون ڈالو۔''

''خامس!'' ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم تمہاری وجہ سے اپنے ہتھیار آزادی سے استعمال کر سکتے ہیں۔ تمہارے بغیر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو.....؟''

''بند کرو یہ بکواس.....'' خامس چیخا۔ ''رکھیل شاہ کا نام لوگوں پر دہشت طاری کرنے کے لئے کافی ہے۔ کوئی تمہارے سامنے مزاحمت نہیں کر سکتا۔ جاؤ! اب روانہ ہو جاؤ اور راستے میں اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔''

چند لمحے خاموشی رہی۔ اور پھر گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے۔

باؤلی کے اندر خاموشی تھی۔ رزمق اور زریاب وغیرہ اب بھی اپنی اپنی جگہوں پر بے

حس و حرکت بیٹھے تھے۔ تقریباً پانچ منٹ گزر گئے۔ پھر رزمق اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''تم لوگ ابھی یہیں بیٹھو۔ میں باہر کی صورتحال کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔''

''محتاط رہنا رزمق!'' کندن نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے یہ ان کی کوئی چال ہو اور وہ اب بھی باؤلی کے باہر گھات لگائے بیٹھے ہوں۔''

''مطمئن رہئے آقا زادی!'' رزمق کہتے ہوئے پتھر کی سیڑھی پر چڑھ گیا۔ وہ کچھ دیر تک کارنس پر سینے کے بل لیٹا رہا اور پھر لٹک کر نیچے اتر آیا۔ تاریکی میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ محتاط انداز میں قدم اٹھائے چلتا رہا۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا روشنی بڑھ رہی تھی۔ اور بالآخر وہ باؤلی کے اس حصے میں آ گیا جہاں سب سے پہلے انہوں نے ڈیرہ جمایا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں پر رکا سن گن لیتا رہا۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ دبے قدموں باؤلی کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کسی بھی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

دہانے کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر رک گیا۔ چند لمحوں تک سن گن لیتا رہا اور پھر کوئی آواز نہ پا کر وہ باؤلی سے باہر آ گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دور دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر اندر جا کر اس نے زریاب اور کندن وغیرہ کو بھی بتا دیا کہ خامس اور اس کے ساتھی واقعی جا چکے ہیں۔ وہ تینوں اس گڑھے سے نکل کر کارنس پر آ گئیں۔ رزمق نے انہیں سہارا دے کر نیچے اتار لیا اور وہ لوگ باؤلی سے نکل کر باہر آ گئے۔ خوشنما نے حسب معمول پوٹلی سنبھال رکھی تھی۔

دھوپ پھیل رہی تھی۔ دور دور تک لہلہاتی ہوئی فصلیں چمکتی ہوئی دھوپ میں بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔ باؤلی سے چند گز آگے کھیتوں میں ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ وہ ندی کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ ندی کا پانی گدلا تھا۔ کندن کنارے پر بیٹھ کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ وہ لوگ رات بھر جاگتے رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ اور چہرے ستے ہوئے تھے۔

''تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں اس ٹیلے پر چڑھ کر نامدار کے گاؤں کی صورتحال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' رزمق نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"محتاط رہنا..... ہو سکتا ہے ان کا کوئی جاسوس آس پاس کہیں موجود ہو۔" کندن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رزمق سر ہلاتا ہوا ٹیلے کی طرف چلنے لگا۔ چار سو گز، خاصا فاصلہ تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زریاب وغیرہ پودوں کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ محتاط انداز میں ٹیلے پر چڑھتا رہا۔ ہر چند قدم کے بعد وہ کسی درخت کے پیچھے چھپ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگتا۔

ٹیلے پر چڑھ کر وہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا ایک جگہ رک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ گاؤں اگرچہ وہاں سے خاصا دور تھا لیکن کئی مکانوں سے دھواں اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ رزمق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ خامس اور اس کے گرگوں نے گاؤں میں ٹھیک ٹھاک تباہی مچائی تھی۔ وہ نامدار اور اس کے گھر والوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ پتہ نہیں ان درندوں نے نامدار کو زندہ چھوڑا تھا یا نہیں؟

رزمق چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جب وہ لوگ وہاں پہنچے تھے تو کھیتوں میں لوگوں کو کام کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت دور دور تک کسی کھیت میں کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا حالانکہ کسان صبح پو پھٹتے ہی کھیتوں میں آ جایا کرتے تھے۔ آس پاس کی یہ ساری زمینیں اس گاؤں کے زمینداروں اور کاشت کاروں کی تھیں۔ گاؤں میں پھیلائی جانے والی تباہی کے بعد ظاہر ہے کسی کو کھیتوں کا ہوش نہیں رہا ہو گا۔

ایک بار تو رزمق کا دل چاہا کہ وہ خود جا کر گاؤں کی صورتحال کا جائزہ لے۔ لیکن پھر اس نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ اگر کسی نے اسے پہچان لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ لیکن وہ نامدار کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھا اور مسلسل چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید کسی کھیت میں کوئی آدمی نظر آ جائے تو اس سے صورتحال معلوم کرے۔

دفعتاً وہ چونک گیا۔ بہت دور کھیتوں میں پگڈنڈی پر ایک آدمی سائیکل پر آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ رزمق تقریباً دوڑتا ہوا ٹیلے سے اتر کر کھیتوں میں آ گیا اور پگڈنڈی سے ذرا ہٹ کر ٹاہلی کے درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ آدمی تقریباً پانچ منٹ

میں وہاں پہنچا تھا۔

رزمق درخت کی آڑ سے نکل کر پگڈنڈی پر آیا تو سائیکل سوار اسے دیکھ کر کسی قدر بدحواس ہو گیا۔ سائیکل کا ہینڈل لڑکھڑا گیا تھا۔

"رک جاؤ جوان! تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" رزمق نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

سائیکل لڑکھڑا رہی تھی۔ اس شخص نے ہینڈل پر قابو پانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور نیچے گر گیا۔ رزمق نے جلدی سے آگے بڑھ کر پہلے سائیکل اٹھائی اور پھر اس شخص کو سہارا دے کر اٹھا دیا۔

"ڈرو نہیں جوان! میں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں۔ تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ کہاں سے آ رہے ہو؟" رزمق نے کہا۔

"آدم پور سے جی!" اس شخص نے خوفزدہ سے لہجے میں جواب دیا۔ وہ تقریباً پچاس سال کی عمر کا ایک دبلا پتلا اور کمزور سا آدمی تھا۔ سرمئی رنگ کی شلوار قمیص اور کندھے پر ایک رومال پڑا تھا۔ "وہاں میری بہن رہتی ہے۔ کل شام میں اس سے ملنے گیا تھا لیکن رات کو تو اس گاؤں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔"

"کیا ہوا؟ گاؤں کے مکانوں سے دھواں کیسا اٹھ رہا ہے؟" رزمق نے پوچھا۔

"ساتھ والی جاگیر کے آدمیوں نے گاؤں پر حملہ کر دیا تھا جی۔" اس شخص نے بتایا۔ "انہیں کچھ لوگوں کی تلاش تھی اور ان کا خیال تھا کہ وہ لوگ نامدار کے گھر میں یا اس گاؤں کے کسی اور گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑی تباہی مچائی ہے جی۔ اس گاؤں میں ان کے ہاتھوں تین بندے مارے گئے ہیں اور انہوں نے کئی گھروں کو جلا ڈالا ہے۔"

"کیا نامدار بھی مارا گیا ہے؟" رزمق نے پوچھا۔

"صبح چار بجے تک تو زندہ تھا جی!" اس شخص نے جواب دیا۔ "اسے بہت مارا ہے ان لوگوں نے۔ اس کی تو ہڈیاں پسلیاں توڑ دی ہیں۔ گاؤں کے کچھ آدمی اسے اور دو تین اور زخمیوں کو ریہڑے پر ڈال کر شاہ پور ہسپتال لے گئے تھے۔ اب پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا نہیں۔"

"شاہ پور ہسپتال۔" رزمق بڑبڑایا۔ "کیا پولیس کو کسی نے اطلاع نہیں دی۔"

"اس علاقے کا تھانہ بھی شاہ پور میں ہے جی۔ اطلاع دے دی ہو گی۔ لیکن ابھی تک

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کوئی نہیں آیا۔ آپ پولیس والوں کو جانتے ہیں جی۔" اس شخص نے جواب دیا۔ پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم کون ہو جی؟"

"میں پردیسی ہوں۔ گاؤں کے مکانوں سے دھواں اٹھتے دیکھ کر ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ تم کہاں رہتے ہو؟" رزمق نے کہا۔

"ادھر چار کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ وہاں رہتا ہوں جی۔" اس شخص نے ایک صرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے! تم جاؤ۔" رزمق نے کہا۔

وہ شخص چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر سائیکل پر سوار ہو کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔ رزمق بھی کچھ دیر وہاں کھڑا گاؤں کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر ٹیلے کی طرف چل پڑا۔

جب وہ باؤلی کے سامنے کھیتوں میں پہنچا تو خوشنما، کندن کے گھٹنے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ کندن اور زریاب مدھم لہجے میں باتیں کر رہی تھیں۔ رزمق ان کے قریب بیٹھ گیا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ ان کی باتوں کی آواز سن کر خوشنما بھی جاگ گئی۔

"دھوپ تیز ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔" رزمق نے کہا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے بھائی!" خوشنما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فی الحال کچھ کھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہو سکتا۔ شاید راستے میں کچھ مل جائے۔" رزمق نے جواب دیا۔

وہ اٹھ کر کھیتوں میں چلنے لگے۔ کچھ دور اگرچہ بیل گاڑیوں وغیرہ کا کشادہ راستہ تھا مگر رزمق جان بوجھ کر کھیتوں میں تنگ سی پگڈنڈی پر چل رہا تھا۔ وہ سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے کندن، پھر خوشنما اور آخر میں زریاب تھی۔ جیسے جیسے دھوپ تیز ہو رہی تھی گرمی بڑھ رہی تھی۔ کھیتوں میں گرمی کچھ زیادہ ہی تھی۔ ان کے جسم پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ کندن اور زریاب تو جیسے تیسے اس کا ساتھ دے رہی تھیں لیکن خوشنما کا برا حال ہو رہا تھا۔ بھوک سے اس کی آنتوں میں گرہیں سی پڑ رہی تھیں اور وہ بار بار لڑکھڑا رہی تھی۔ زریاب اسے سہارا دیئے ہوئے تھی۔

"اب نہیں چلا جا رہا بھائی!" وہ کراہتے ہوئے بولی۔ "بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ ایک قدم نہیں اٹھایا جا رہا۔"

"خوشنما! میری بہن!" رزمق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "یہ دیکھو..... زریاب اور کندن بھی تو تمہارے ساتھ چل رہی ہیں۔ انہوں نے بھی تمہارے ساتھ ہی رات کا کھانا کھایا تھا۔ انہیں بھی بھوک لگ رہی ہو گی۔ ہمت سے کام لو میری بہن..... شاید آگے کوئی بستی مل جائے اور کھانے کا کچھ بندوبست ہو سکے۔"

وہ ایک بار پھر چلنے لگے۔ بھوک اور گرمی سے تینوں لڑکیاں نڈھال سی ہو رہی تھیں۔ رزمق کی اپنی حالت بھی قابل تعریف نہیں تھی۔ لیکن وہ کسی قسم کی کمزوری ظاہر کر کے ان لڑکیوں کے حوصلے پست نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر کے بارہ بجے کے قریب وہ لوگ درختوں کے ایک جھنڈ میں رک گئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی ندی تھی جو مشرق کی طرف سے آ کر درختوں کے جھنڈ میں ہوتی ہوئی مغرب کی طرف کھیتوں میں غائب ہو گئی تھی۔ اس ندی کا پانی اگرچہ گدلا تھا لیکن وہ سب پیاسے تھے۔ انہوں نے جی بھر کے پانی پیا۔ خالی پیٹ اس طرح پانی پینے سے زریاب کو متلی سی ہونے لگی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکی تھی۔

رزمق کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر ندی پھلانگ کر دوسری طرف پہنچ گیا۔ اس ندی سے کچھ آگے ایک کھیت کے کنارے پر وہ رک گیا۔ پودوں کے پتوں کو جھک کر غور سے دیکھتا رہا۔ پھر ایک پودا اکھاڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ شلجم تھا۔ اس نے اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کھیتوں میں دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے جھک کر کئی شلجم اکھاڑ لئے اور دوڑتا ہوا لڑکیوں کے قریب آ گیا۔

رزمق کے ہاتھ میں شلجم دیکھ کر ان تینوں کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ رزمق نے شلجم ندی کے پانی میں دھو کر ایک جھاڑی پر رکھ دیئے۔ اور پھر سب نے ایک ایک شلجم اٹھا لیا۔ اس طرح مزے لے لے کر کھانے لگے جیسے سیب کھا رہے ہوں۔

پیٹ بھر لیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹہ درختوں کے نیچے بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر چل پڑے۔ راستے کے لئے کچھ شلجم انہوں نے اپنے ساتھ لے لئے تھے۔ بائیں طرف بہت دور

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کھیتوں میں ایک جھونپڑا نظر آرہا تھا لیکن وہ لوگ اس طرف نہیں گئے۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر رک گئے۔ آگے ایک نہر تھی اور اس کے دوسری طرف چند مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی نظر آرہی تھی۔ وہ پلیا عبور کر کے اس بستی میں پہنچ گئے۔ بستی میں داخل ہوتے ہی چند ننگ دھڑنگ بچوں نے انہیں گھیر لیا۔ وہ چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ دو آدمی ایک مکان سے نکل کر ان کے سامنے آگئے۔

"پردیسی لگتے ہو تم لوگ۔ کہاں جانا ہے؟" ایک آدمی نے باری باری ان کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! ہم پردیسی ہیں۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر کچھ کھانے کو مل جائے تو....." رزمق چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "ہم کھانے کے پیسے دیدیں گے۔"

"مہمان کو تو اللہ کی رحمت سمجھا جاتا ہے۔ ان سے کھانے کے پیسے لینا گناہ ہے۔ آؤ۔ تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔" اس آدمی نے کہا۔ اور انہیں لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ بولا۔ "جیراں..... او جیراں.... دیکھ مہمان آئے ہیں۔ ان کے کھانے کا کچھ بندوبست کر۔"

ایک ادھیڑ عمر عورت کمرے سے نکل کر سامنے آگئی۔ پہلے تو وہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئی پھر ایک کمرے میں لے گئی جہاں چٹائی پر دری بچھی ہوئی تھی اور چند میلے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ تینوں لڑکیاں تو اندر داخل ہوتے ہی دری پر گر گئیں اور رزمق اس شخص سے باتیں کرنے لگا۔ عورت کھانا تیار کرنے کے لئے کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آج دن میں اس طرف کوئی اجنبی تو نہیں آیا تھا؟" رزمق نے پوچھا۔

"آیا تھا..... بلکہ آئے تھے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ اس کا نام راوت تھا۔ "وہ دو نوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہیں کسی کی تلاش تھی۔ تین خوبصورت لڑکیاں اور ایک مرد..... اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو وہ تم ہی لوگ ہو۔"

"ہاں! تمہارا خیال درست ہے۔ رزمق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "انہیں ہماری ہی تلاش ہے۔"

"کیوں؟" راوت نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ دونوں تو شکلوں ہی سے بہت خوفناک لگتے تھے۔ تم لوگوں کو کیوں تلاش کر رہے تھے؟"

"لمبی داستان ہے۔" رزمق بولا۔ "کچھ خاندانی دشمنی والا معاملہ ہے۔ ہم ان سے بچنے کے لئے آدم پور میں پناہ لئے ہوئے تھے کہ ان لوگوں نے پچھلی رات گاؤں پر حملہ کر دیا۔ تین بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کئی زخمی ہوئے اور کئی گھروں کو آگ لگا دی۔ ہم بڑی مشکل سے وہاں سے نکل سکے تھے۔ یہ لوگ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں جو ہماری تلاش میں قطب پور کی طرف گئے ہیں۔"

"تم لوگ کہاں جانا چاہتے ہو؟" راوت نے پوچھا۔

"درویش پور۔" رزمق نے جواب دیا۔

"اوہ!" وہ شخص چونک گیا۔ "وہاں جانا تم لوگوں کے لئے خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ وہ لوگ بھی اسی طرف گئے ہیں۔"

اسی دوران جیراں کھانا لے کر آگئی تھی۔ اس نے انڈوں کا آملیٹ تیار کر لیا تھا اور کچھ روٹیاں پکالی تھیں۔ تینوں لڑکیاں بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کھانا کھانے لگے۔

"میرا مشورہ مانو تو تم لوگ درویش پور جانے کا خیال ذہن سے نکال دو۔" راوت نے باری باری ان کے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" رزمق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رکھیل شاہ کے آدمی چپے چپے پر تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"کیا.....؟" کندن کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے راوت کی طرف دیکھنے لگی۔

"دو آدمی تم لوگوں کی تلاش میں کل بھی یہاں آئے تھے۔ اور دو گھڑ سوار آج آئے تھے۔ راوت نے کہا۔ "انہوں نے بتایا کہ تم لوگ رکھیل شاہ کے مفرور ہو۔ اور اگر کسی نے تم لوگوں کو پناہ دی تو اس کے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔ درویش پور میں تم لوگوں کے لئے بہت زیادہ خطرہ ہے۔ بہتر ہے ایک دو دن یہیں رہ جاؤ۔ یہ جگہ تم لوگوں کے لئے زیادہ محفوظ ہے۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان لوگوں نے ہمیں پناہ دینے والے کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دی ہے۔" کندن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہمدردی اور نیکی کا جذبہ ابھی ختم نہیں ہوا۔" راوت نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم لوگوں کا جاگیردار عمران یا جاگیر سے کیا تعلق ہے۔ لیکن یہ ضرور سنا ہے کہ رکھیل شاہ نے جاگیردار کو قید کر رکھا ہے اور ایک خوبصورت لڑکی اس کا یہ راز لے اڑی ہے۔ رکھیل شاہ کو اس لڑکی کی تلاش ہے۔ وہ لڑکی تم تینوں میں سے کون ہے؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ وہ رکھیل شاہ اور اس کے درندوں سے بچی رہے۔ میں نے جاگیردار کو زندگی میں صرف دو مرتبہ دیکھا تھا۔ کئی مرتبہ رکھیل شاہ سے بھی سامنا ہوا ہے۔ زمین آسمان کا فرق ہے دونوں میں۔ رکھیل شاہ کے آدمی اس لڑکی اور اس کے ساتھیوں کو شکاری کتوں کی طرح تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ درویش پور میں تم لوگوں کے لئے خطرہ ہے۔ دو چار دن یہاں رہ جاؤ۔ تلاش کسی قدر سرد پڑ جائے تو چلے جانا۔"

"یہ کون سی بستی ہے اور درویش پور یہاں سے کتنی دور ہے؟" رزمق نے پوچھا۔

"یہ بستی اور زمینیں بھی جاگیر ہی کی حدود میں واقع ہیں۔" راوت نے جواب دیا۔ "ہم لوگ اگرچہ جاگیردار کو ان زمینوں کی قیمتیں ادا کر چکے تھے لیکن رکھیل شاہ کے گرگوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ہر فصل کی کٹائی کے موقع پر رکھیل شاہ کے آدمی آ جاتے ہیں اور سب کچھ سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔ میری طرح جاگیر کے ہر شخص کو رکھیل شاہ سے نفرت ہے۔ ہر شخص جاگیردار کی مدد کرنا چاہتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ مدد کس طرح کی جائے۔ اگر تم لوگوں کا جاگیردار سے کوئی تعلق ہے تو تمہاری مدد کر کے مجھے بہت خوشی ہو گی۔"

خوشی ان لوگوں کو ہوئی تھی کہ انہیں ہمدرد مل گیا تھا اور بالآخر انہوں نے یہ طے کیا کہ آج کی رات اس بستی میں گزاری جائے اور صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے جائیں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے راوت کی بستی والوں کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔

وہ رات انہوں نے بستی میں گزاری۔ صبح روانگی سے پہلے کندن، زریاب اور خوشنما نے بستی کی عورتوں کے دیئے ہوئے کپڑے پہن لئے تھے۔ بڑے بڑے پھولوں والے پرنٹڈ کپڑے کا گھاگھرا، چولی اور بانہوں میں کلائی سے لے کر کہنیوں تک پلاسٹک کی چوڑی رنگ برنگی چوڑیاں، کانوں میں چاندی کے بڑے بڑے بالے، ناک میں نتھنی اور سر پر رنگ برنگی اوڑھنیاں۔ اس لباس میں اگرچہ انہیں الجھن ہو رہی تھی لیکن اس سے ان کی ایسی

بدل گئی تھی۔ اور ان تینوں کو ان کی اصل حیثیت سے نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔

درویش پور وہاں سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اور راوت نے بستی سے تین ریہڑوں کا بندوبست کیا تھا۔ تینوں ریہڑوں کے گھوڑے خوب پلے ہوئے تھے۔ رزمق نے بھی اپنا حلیہ بڑی حد تک بدل لیا تھا۔ ایک ریہڑے پر رزمق اور خوشنما تھی، دوسرے ریہڑے پر کندن اور تیسرے ریہڑے پر زریاب۔ ان تینوں کو الگ الگ کر دیا گیا تھا تاکہ راستے میں کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔

وہ لوگ صبح سویرے ہی بستی سے روانہ ہو گئے تھے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ رکھیل شاہ کے گرگے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ لوگ خیریت سے نکل گئے۔ صبح نو بجے کے قریب وہ لوگ سبزی منڈی کے قریب ریہڑوں سے اتر گئے اور راوت اور اس کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک طرف چل پڑے۔

"برا خیال ہے ہمیں سب سے پہلے بخان کے گھر جانا چاہئے۔ اس سے ہمیں وہاں کی تازہ ترین صورت حال کا علم ہو سکے گا۔" کندن نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" رزمق نے جواب دیا۔ "وہ ایک کچی بستی میں رہتا ہے۔ اس کا گھر تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

وہ مختلف سڑکوں پر چلتے رہے۔ شکل و صورت اور حلیوں سے وہ بنجارے ہی لگ رہے تھے۔ کچھ منچلوں نے لڑکیوں پر آوازے بھی کسے تھے۔ لیکن وہ تینوں ان کی پرواہ کئے بغیر چلتی رہیں۔

کچی بستی میں پہنچ کر انہیں بخان کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ مکان کا دروازہ ایک مجہول سے آدمی نے کھولا۔ اور جب اس آدمی نے یہ انکشاف کیا کہ بخان کو دو روز پہلے قتل کیا جا چکا ہے تو وہ لوگ سناٹے میں آ گئے۔ وہ مجہول سا آدمی انہیں اندر لے گیا۔ وہ کمرے میں بیٹھے دیر تک بخان کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا..... وہ سب بری طرح چونک گئے۔

رزمق کے اشارے پر اس مجہول سے شخص نے باہر کا دروازہ کھول دیا۔ دو آدمی اسے دھکا دیتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کو دیکھ کر زریاب کو سینے میں سانس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ رکھیل کا اسسٹنٹ گوپانگ تھا۔

☆

ان دونوں آدمیوں کو درویش پور کی طرف روانہ کرنے کے بعد خامس، بشیرے کے ساتھ قطب پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ قطب پور کا فاصلہ بھی آدم پور سے اتنا ہی تھا جتنا درویش پور تھا۔

خامس کو حیرت تھی کہ زریاب اور اس کے ساتھی رات ہی رات میں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ آس پاس کوئی بستی نہیں تھی۔ قریب ترین جگہ یہ باؤلی تھی جہاں کوئی چھپ سکتا تھا لیکن اس کے دو آدمی باؤلی کے اندر جا کر دیکھ آئے تھے۔ وہ لوگ یہاں نہیں تھے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ رات بھر کھیتوں یا کسی باغ میں چھپے رہے ہوں۔ اس کے خیال میں وہ یقیناً بھاگتے رہے ہوں گے۔ اسے افسوس اس بات کا تھا کہ زریاب ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

زریاب کے ہاتھ نہ آنے کا غصہ اس نے آدم پور کے لوگوں پر اتارا تھا۔ کم از کم تین آدمی اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور کئی زخمی ہوئے تھے۔ پانچ چھ گھروں کو اس نے آگ لگا دی تھی۔ نامدار کو اس نے گولی نہیں ماری تھی لیکن اس کی اتنی پٹائی کی گئی تھی کہ اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں گی۔ اگر وہ زندہ بچ بھی گیا تو وہ زندگی بھر کے لئے معذور ہو جائے گا۔

خامس اچھی طرح جانتا تھا کہ آدم پور جاگیر کی حدود سے باہر تھا۔ جاگیر میں وہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے تھے انہیں پولیس کا تحفظ حاصل تھا۔ پولیس رکھیل شاہ کی زر خرید تھی۔ لوگوں پر ان کی زیادتیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود پولیس والے سب کچھ نظر انداز کر رہے تھے۔ خامس جانتا تھا کہ جاگیر کی حدود میں کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن آدم پور کی بات اور تھی۔ یہ قصبہ اس جاگیر کی حدود میں شامل نہیں تھا۔ لیکن خامس نے وہاں جو کچھ کیا تھا اس پر وہاں کے لوگ خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ بات اس علاقے کی پولیس تک پہنچ گئی ہو گی۔ کوئی معمولی بات ہوتی تو شاید پولیس نظر انداز کر دیتی۔ لیکن صورت حال سنگین ہو گئی تھی۔ تین قتل ہوئے تھے۔ کئی آدمی زخمی ہوئے تھے اور کئی گھروں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔

آدم پور کے لوگ بھی جانتے تھے کہ خامس کون تھا۔ اسے کس کی آشیر باد حاصل تھی۔ اس کے ساتھ رکھیل شاہ کا نام بھی آئے گا۔ اور رکھیل شاہ پہلے ہی جھنجلایا ہوا تھا۔ اس سے دو دن پہلے انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس سے بھی رکھیل شاہ کے لئے مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ اس روز بس کے مسافروں نے بدری کو پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور بدری نے پولیس کو بتایا تھا کہ یہ سب کچھ رکھیل شاہ کے اشارے پر کیا جا رہا تھا۔ اور اب آدم پور کا یہ واقعہ! رکھیل شاہ تو پاگل ہو جائے گا۔ وہ خامس کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

گزشتہ رات خامس نے غصے اور جنون میں آدم پور میں قتل و غارت تو مچا دی تھی۔ لیکن اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے یہ سب کچھ کیوں کیا تھا۔ نامدار پر زریاب وغیرہ کو پناہ دینے کا شبہ تھا تو صرف اسی پر تشدد کر کے اس سے زریاب وغیرہ کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس نے غصے میں بے قابو ہو کر جو کچھ کیا تھا اس پر اب وہ ڈر رہا تھا۔ اس پر خوف نہ تو پولیس کا تھا اور نہ ہی لوگوں کا..... خوف تو رکھیل شاہ کا تھا۔ رکھیل شاہ دنیا کا واحد شخص تھا جس سے وہ ڈرتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو وہ خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اور رکھیل شاہ کو جب اس تازہ ترین صورت حال کا پتہ چلے گا تو وہ اپنے حواس کھو بیٹھے گا۔ نہ صرف یہ کہ زریاب ان کے ہاتھ نہیں آئی تھی بلکہ اس قتل و غارت سے سنگین مسائل بھی پیدا ہو سکتے تھے۔

خامس نے گھوڑا روک لیا۔ وہ اس باؤلی سے تین کوس دور نکل آئے تھے۔ تیز دھوپ میں اس کا دماغ پلپلا ہو رہا تھا۔ پسینے کی دھاریں گردن پر کیچوؤں کی طرح رینگ رہی تھیں۔ وہ گھوڑے پر اچک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بائیں طرف کافی فاصلے پر ایک جھونپڑا نما مکان نظر آ رہا تھا۔ اس نے بشیرے کو اشارہ کرتے ہوئے گھوڑے کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

بشیرا بھی نڈھال سا گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کل دوپہر سے خامس کے ساتھ دوڑا دوڑا پھر رہا تھا۔ اس نے کل دوپہر کو تھوڑا بہت کھانا کھایا تھا اس کے بعد ایک کھیل تک اڑ کر منہ میں نہیں گئی تھی۔ صرف پانی پر گزارہ ہو رہا تھا۔ اور اب تو کئی گھنٹوں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں ملا تھا۔ اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔ تیز دھوپ میں اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ کئی مرتبہ اس کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ خامس کو چھوڑ کر بھاگ جائے لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے نکال دیا۔ وہ پچھلے دو دن سے خامس کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ساتھ مل کر جو کچھ بھی کر تا رہا تھا وہ اسے پھانسی پر چڑھا دینے کے لئے کافی تھا۔ اب تک اس کے ہاتھوں کئی قتل ہو چکے تھے۔ اور ایک آدمی تو کل رات ہی اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس نے دو مکانوں کو بھی آگ لگائی تھی۔ وہ خامس کو چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا تھا۔ خامس دنیا کے آخری کونے تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اور پھر اس کی بھلائی خامس کے ساتھ رہنے ہی میں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ خامس، رکھیل شاہ کا دست راست تھا اور رکھیل شاہ انہیں ہر مصیبت سے بچا سکتا تھا۔ خامس سے الگ ہونے کی صورت میں وہ پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے پھانسی کے تختے تک پہنچنے سے نہیں روک سکے گی۔

وہ جھونپڑے کے قریب پہنچ گئے۔ آس پاس کوئی نہیں تھا۔ لیکن آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کوئی رہائش پذیر ضرور ہے۔ جھونپڑے کے سامنے بان کی ایک جھلنگ سی چارپائی پڑی تھی۔ اس کے قریب ہی پانی کا ایک مٹکا بھی رکھا ہوا تھا جس پر پلاسٹک کا ایک میلا سا گلاس بھی پڑا تھا۔

خامس گھوڑے سے اتر کر مٹکے کی طرف لپکا۔ اس نے گلاس اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا اور دونوں ہاتھوں سے مٹکا اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ کچھ پانی اس کے منہ میں جا رہا تھا اور کچھ نیچے بہہ رہا تھا۔ پانی پینے کے دوران اس نے دو مرتبہ سانس لیا تھا۔ اس نے مٹکا نیچے رکھ دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بشیرا تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے زمین پر پڑا ہوا گلاس اٹھایا اور مٹکے سے پانی نکال کر پینے لگا۔ دو تین گلاس پینے کے بعد وہ بھی متجسس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس جگہ ٹاہلی کے پانچ چھ درخت تھے جنہوں نے جھونپڑے کو اپنے سائے میں لے رکھا تھا۔

"بشیرے!" خامس اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کا بندوبست کرو۔"

"دیکھتا ہوں..... شاید جھونپڑے میں کچھ مل جائے۔" بشیرا کہتے ہوئے جھونپڑے میں گھس گیا۔

جھونپڑے کے اندر بھی ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی جس پر ایک کھیس بچھا ہوا تھا اور میلا تکیہ پڑا تھا۔ کچھ اور چیزیں بھی تھیں لیکن کھانے کی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ وہ جھونپڑے سے باہر نکلا تو خامس چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔

"یہاں تو کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔" اس نے بتایا۔

"کچھ تلاش کرو۔ مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" خامس چیخا۔ اس سے پہلے کہ بشیرا کوئی جواب دیتا جھونپڑے کے پچھلی طرف سے کسی بکری کے ممیانے کی آواز سنائی دی۔ خامس ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جھونپڑے کے پچھلی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد واپس آیا تو اس نے بغل میں ایک بکری دبا رکھی تھی۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے کسی بچے نے بغل میں کوئی کھلونا دبا رکھا ہو۔ بکری بری طرح ممیا رہی تھی۔

"تم کہتے تھے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ یہ کیا ہے؟" خامس نے بکری کو اس طرح دونوں ہاتھوں میں لٹکا لیا جیسے وہ اس کے لئے معمولی سا کھلونا ہو۔ "لکڑیاں جمع کرو۔ اسے بھون کر کھائیں گے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

خامس نے بکری کو زمین پر پٹخ دیا اور خنجر اس کی گردن پر پھیر دیا۔ بکری زمین پر تڑپنے لگی۔ خامس قریب کھڑا دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ بشیرا یہ منظر دیکھ کر لرز اٹھا تھا۔

"لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ! میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو؟" خامس چیخا۔

بشیرا فوراً ہی ایک طرف دوڑ گیا۔ چند منٹ بعد جب وہ لکڑیاں جمع کر کے واپس آیا تو خامس اپنے خنجر سے بکری کی کھال اُتار رہا تھا۔ بشیرے نے اینٹوں کا بڑا سا چولہا بنا کر اس میں آگ جلا دی۔ خامس نے بکری کی آلائش صاف کر کے اس کے ٹکڑے کر دیئے اور دونوں رانیں اور دستیاں چولہے پر رکھ دیں۔

وہ ابھی گوشت بھون ہی رہے تھے کہ کھیتوں میں ایک آدمی دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں کھرپی تھی۔ وہ جھونپڑے سے بہت دور کسی کھیت میں کام کر رہا تھا اور دھواں دیکھ کر اس طرف آ رہا تھا۔

"کون ہو تم لوگ؟ اور..... اور..... میری یہ بکری....." وہ ایک طرف پڑی ہوئی بکری کی کھال اور آلائشوں کو دیکھنے لگا۔

"تم کون ہو؟" خامس کسی غصیلے بچے کی طرح چیخا۔

"مم..... میں..... یہاں کا رکھا ہوں۔ اور تت..... تم....." وہ ہکلا کر رہ گیا۔ اس نے خامس کو پہچان لیا تھا۔ یہ زمینیں اگرچہ جاگیر میں شامل نہیں تھیں لیکن خامس

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھے ں کو آس پاس کے علاقے کے لوگ بھی جانتے تھے۔

"ہاں..... میں خامس ہوں۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔" خامس چیخا۔ "تمہیں! بھاگو مت..... بشیرے! اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دو تاکہ یہ دیکھ سکے کہ اس کی بکری کہاں گئی۔"

بشیرے نے اس شخص کو باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے گوشت کے باقی پارچے بھی چولہے پر رکھ دیئے۔ لیکن آگ دھیمی ہو رہی تھی۔

"اور لکڑیاں لے کر آؤ۔" خامس نے بشیرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور لکڑیاں نہیں ہیں۔ بڑی مشکل سے یہ جمع کر کے لایا تھا۔" بشیرے نے جواب دیا۔

خامس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اور پھر چارپائی اٹھا کر پٹخ دی۔ اس نے چارپائی کے دو پائے توڑ کر چولہے میں جھونک دیئے۔ اور پھر کچھ دیر بعد چارپائی کے باقی حصے بھی چولہے کی نذر ہو گئے۔ ایک طرف بندھا ہوا کسان بے بسی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

گوشت پوری طرح تیار نہیں ہوا تھا لیکن خامس کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے ایک ران چولہے سے اٹھالی اور ٹھنڈی ہونے کا انتظار کئے بغیر وحشیوں کی طرح اسے دانتوں سے بھنبھوڑنے لگا۔ بشیرے نے بھی ایک دستی اٹھالی اور بوٹیاں نوچ نوچ کر کھانے لگا۔

دونوں رانیں اور کئی پارچے خامس کے پیٹ میں پہنچ چکے تھے۔ اس نے مٹکا اٹھا کر منہ سے لگالیا۔ پھر پانی پینے کے بعد وہ ایک درخت کے سائے میں لیٹ گیا۔ پیٹ بھر جانے کے بعد اس پر خمار سا طاری ہونے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

بشیرے پر بھی غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ وہ بھی زمین پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ رسیوں سے بندھا ہوا کسان بے بسی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

خامس گہری نیند میں تھا۔ جسم پر پڑنے والی ایک زوردار ٹھوکر سے وہ گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ دوسری ٹھوکر پڑی تو صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے

اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نصف درجن پولیس والوں نے اسے گھیر رکھا تھا اور ان کی رائفلوں کا رخ اس کی طرف تھا۔

☆

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

خامس نے زندگی میں پہلی بار اپنے آپ کو بے بس محسوس کیا تھا۔

وہ چاروں طرف سے پولیس کی رائفلوں کی زد پر تھا۔ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ زمین پر پڑا بے بس نظروں سے باری باری پولیس والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس طرح ہمیں گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟ اٹھو!" پولیس پارٹی کے انچارج اے ایس آئی نے اس کے کولہے پر زور سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

اس دوسری ٹھوکر نے خامس کا دماغ گھما دیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"تم..... تم مجھے ٹھوکریں مار رہے ہو۔" وہ چیخا۔ "جانتے نہیں میں کون ہوں؟ کچا چبا جاؤں گا تمہیں۔" اور پھر اے ایس آئی کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر خامس نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اے ایس آئی کو غالباً اس حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ خامس کی گرفت میں آ گیا۔ خامس نے ایک ہاتھ سے اس کا گلا دبوچ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ریوالور والی کلائی پکڑ لی۔ اس دوران ریوالور کا ٹرائیگر دب گیا۔ گولی سامنے کھڑے ہوئے ایک کانسٹیبل کے بازو پر لگی۔ وہ چیختا ہوا اپنا زخمی بازو پکڑ کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ خامس نے اے ایس آئی کے ہاتھ کو ایک اور جھٹکا دیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا دور جا گرا۔ اے ایس آئی پوری طرح خامس کی گرفت میں تھا۔ خامس نے اب دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی اور اسے زور زور سے جھٹکا دے رہا تھا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ جیسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ دوسرے پولیس والے پہلے تو صورت حال کو سمجھ نہیں سکے۔ جب ان کے حواس بحال ہوئے تو سب بیک وقت آگے بڑھے۔ ایک کانسٹیبل نے رائفل کا بٹ پوری قوت سے خامس کے کندھے پر رسید کر دیا۔ دوسرے نے اس کے کولہے پر زوردار ضرب لگائی تھی لیکن خامس پر اس کا کوئی اثر

نہیں ہوا۔

خامس پر جنون طاری تھا۔ اس کے حلق سے خوفناک غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ وہ اے ایس آئی کو اوپر لٹکائے زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔ اے ایس آئی بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے اور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"چھوڑ دو! چھوڑ دو اسے ورنہ گولی مار دوں گا۔" ایک کانسٹیبل چیخا جبکہ دوسرے نے اپنی رائفل کو لٹھ کی طرح گھما کر اس کی کمر پر زوردار ضرب لگائی تھی۔ مگر خامس پر نہ تو اس ضرب کا کوئی اثر ہوا اور نہ ہی دھمکی کا۔

پولیس والے بری طرح بدحواس ہو رہے تھے اور غالباً اسی بدحواسی میں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دیوزاد سے کس طرح نمٹا جائے۔ ان کا پولیس آفیسر اس دیوزاد کی گرفت میں تھا اور وہ اسے بچانا چاہتے تھے۔ دو پولیس والے لاٹھیوں کی طرح خامس پر رائفلیں برسا رہے تھے۔ خامس اے ایس آئی کو دبوچے بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے گھوم گیا۔ اس کے ہاتھوں میں جھولتا ہوا اے ایس آئی دو پولیس والوں سے ٹکرایا اور کراہتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ تیسرا پولیس والا خامس کی طرف لپکا۔ خامس نے اے ایس آئی کو پوری قوت سے اس کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں آپس میں ٹکرا کر زمین پر گر گئے۔ اے ایس آئی تو بے حس و حرکت پڑا رہا جبکہ کانسٹیبل اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ خامس نے آگے بڑھ کر اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ایک اور کانسٹیبل رائفل کو نال کی طرف سے پکڑے خامس کی طرف لپکا۔ وہ رائفل کے بٹ سے خامس کے سر پر وار کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت خامس پیچھے مڑا۔ رائفل کا بٹ اس کے سر کی بجائے کندھے پر لگا۔ اس سے پہلے کہ کانسٹیبل دوسرا وار کرتا خامس نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے گھٹنے پر اس طرح مارا کہ رائفل دو ٹکڑے ہو گئی۔

کانسٹیبل پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خامس نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اور دونوں ہاتھوں پر سر سے اوپر اٹھا کر دور اچھال دیا۔ وہ ایک اور کانسٹیبل کے اوپر گرا۔ ایک اور کانسٹیبل رائفل نال کی طرف سے پکڑے خامس کی طرف لپکا۔ اس نے خامس کی ٹانگ پر وار کیا۔ ضرب خامس کے گھٹنے کے پچھلے حصے پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر بے ہوش پڑے ہوئے اے ایس آئی کے اوپر گرا۔ اسی کانسٹیبل نے ایک اور وار

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا۔ خامس بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ رائفل کا بٹ اے ایس آئی کے سر پر لگا۔ وار پوری قوت سے کیا گیا تھا۔ اے ایس آئی کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی۔ پولیس کانسٹیبل دہشت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

خامس بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ جیسے ہی کانسٹیبل کی طرف بڑھا۔ اس کانسٹیبل نے رائفل پھینک دی اور ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ چیختا ہوا اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے جہنم کی بلائیں اس کا پیچھا کر رہی ہوں۔ یہ صورت حال دیکھ کر دوسرے کانسٹیبل بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہیں اپنی رائفلوں تک کا ہوش نہیں رہا تھا۔ صرف ایک کانسٹیبل رہ گیا تھا۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی اور وہ اپنے زخمی بازو کو پکڑے اکڑوں بیٹھا تھا۔ خامس اس کی طرف بڑھا تو کانسٹیبل خوف سے کانپنے لگا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خامس کی طرف دیکھ رہا تھا جو موت کے فرشتے کی طرح اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں خامس انسان نہیں تھا کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی جو چھ آدمیوں کے قابو میں نہیں آسکا تھا۔ کانسٹیبل نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر خامس نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ کانسٹیبل بری طرح چیخ رہا تھا۔ اور بالآخر اسے موقع مل گیا۔ وہ اٹھ کر کھیتوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

میدان خالی ہو گیا تھا۔ ایک طرف اے ایس آئی کی لاش پڑی تھی۔ اس کی کھوپڑی سے بہنے والا خون چاروں طرف بکھرا ہوا تھا۔ کانسٹیبلوں کی رائفلیں اِدھر اُدھر پڑی تھیں۔ خامس ایک ہی جگہ پر کھڑا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ اے ایس آئی نے جب اسے ٹھوکریں مار کر سوتے سے جگایا تھا تو اس نے بشیرے کو بھی پولیس کی حراست میں دیکھا تھا۔ لیکن اب وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ البتہ اس کا گھوڑا موجود تھا۔ بشیرا غالباً کھیتوں میں کہیں چھپ گیا تھا یا موقع سے فائدہ اٹھا کر بھاگ گیا تھا۔

جھونپڑے کے پچھلی طرف پولیس کی بغیر چھت والی جیپ کھڑی تھی۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر اس کسان کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب بھی جھونپڑے کے سامنے بندھا ہوا پڑا تھا۔ خامس نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آگیا اور اس کے کولہے پر ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔

"یہ پولیس والے جب آئے تھے تو تم نے مجھے بتایا نہیں۔ تم سمجھتے تھے کہ یہ مجھے پکڑ

لیں گے۔ ان کا انجام دیکھ لیا تم نے۔ اب تمہارا بھی یہی حشر ہو گا۔"

"مجھے..... معاف کر دو۔" وہ شخص گھگھیایا۔ "میں بے قصور ہوں میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تم تو میری ایک بکری بھی بھون کر کھا گئے ہو۔ میں....."

"خامس سے آج تک کوئی نہیں ٹکرایا۔" خامس چیخا۔ "جو ٹکراتا ہے تباہ ہو جاتا ہے۔ تم نے مجھے پولیس کے بارے میں نہیں بتایا۔ تمہیں بھی اس کی سزا ملے گی۔"

"نن..... نہیں..... مجھے معاف کر دو۔" وہ شخص رحم کی بھیک مانگنے لگا۔

"تمہیں اپنی بکری کی فکر ہے نا..... ابھی میں تمہیں تمہاری بکری کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔" خامس نے کہتے ہوئے جھک کر اسے اٹھا لیا اور جھونپڑے کے اندر لے جا کر چارپائی پر پٹخ دیا۔ باہر آکر وہ ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چولہے پر ابھی تک کوئلے دہک رہے تھے۔ اس نے کچھ کوئلے اٹھا کر جھونپڑے کی گھاس پھونس کی چھت پر ڈال دیئے۔ چند سیکنڈ بعد ہی چھت سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھنے لگا۔ خامس نے زمین پر پڑا ہوا مٹکا اٹھا کر اس میں بچا کھچا پانی حلق میں انڈیلا۔ خالی مٹکا ایک طرف اچھال دیا اور اپنے گھوڑے کے قریب آگیا۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے اس نے اپنی رائفل اٹھالی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھا اور گھوڑے کو کھیتوں میں ایک طرف دوڑا دیا۔ جھونپڑی میں بندھے ہوئے کسان کی چیخیں دور تک اس کا پیچھا کرتی رہیں۔ ایک مرتبہ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جھونپڑے کی چھت سے اب شعلے اٹھنے لگے تھے جو بڑی تیزی سے پھیل رہے تھے۔

خامس اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ علاقہ جاگیر میں شامل نہیں تھا۔ ان پولیس والوں کا تعلق بھی شاہ پور سے تھا۔ آدم پور کے واقعے کی اطلاع غالباً صبح سویرے ہی شاہ پور پہنچ گئی تھی۔ پولیس نے چاروں طرف ان کی تلاش شروع کر دی تھی۔ وہ تو پھنس ہی گیا تھا لیکن قسمت اچھی تھی جو بچ نکلا۔

خامس کا رخ اب بھی قطب پور کی طرف تھا۔ لیکن قطب پور سے تقریباً ایک میل پہلے اس نے گھوڑا روک لیا۔ ابھی دن کی روشنی تھی اور وہ قطب پور میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک طرف ایک ٹوٹا پھوٹا سا مکان نظر آیا۔

مکان کھنڈر بن چکا تھا۔ غالباً طویل عرصہ پہلے کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے یہاں کوئی

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کسان رہتا ہو گا۔ پھر کسی وجہ سے یہ مکان چھوڑ دیا گیا تھا جو اب کھنڈر بن چکا تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے خیال میں شام کا وقت اس کھنڈر میں گزارا جا سکتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو چھڑیاں مار کر ایک طرف بھگا دیا اور خود کھنڈر میں آ گیا۔ دیوار کے قریب جگہ صاف کر کے وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اب اسے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں درد کی لہریں سی اٹھتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔ پولیس والوں نے اسے رائفلوں کے بٹوں سے مارا تھا۔ اس وقت جوش اور جنون میں اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

خامس نے تکلیف پر قابو پانے کے لئے اپنے دانت سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔ لیکن چند منٹ بعد حیرت انگیز طور پر اس کی تکلیف کم ہونے لگی۔ اب اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کرتا رہا لیکن نیند کا خمار بڑھتا چلا گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ خراٹے لے رہا تھا۔

☆

"تم لوگ سمجھتے تھے کہ شاید ہمیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔" گوپانگ نے باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ جیسے ہی سبزی منڈی کے سامنے ریہڑوں سے اترے تھے مجھے خبر ہو گئی تھی۔ اگر میں چاہتا تو تم لوگوں کو وہیں ختم کر دیا جاتا لیکن میں نے اپنے آدمیوں کو تمہاری نگرانی کا حکم دیا۔ کیونکہ ہم یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ تم لوگ کہاں جاتے ہو اور یہاں تمہارے ہمدرد کون ہیں۔ سیلولر فون پر مجھے تمہارے بارے میں مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ تم لوگ کس طرف جا رہے ہو۔ میں تم لوگوں سے پہلے ہی اس کچی بستی کے باہر سڑک پر پہنچ گیا تھا۔ اور جب تم لوگ بستی میں داخل ہوئے تو مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ میرا خیال ہے میں نے تم لوگوں کو اطمینان سے بیٹھ کر سانس لینے کا موقع بھی نہیں دیا۔" وہ خاموش ہو کر ایک بار پھر باری باری سب کی شکلیں دیکھنے لگا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو۔ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟" زریاب نے کہا۔ وہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ کندن کی طرف دھیان نہ دے سکے۔

"معاملہ ایک جاگیر کا ہے۔" گوپانگ نے جواب دیا۔ "اور تم جانتی ہو ایسے معاملوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اور پھر تم تو بہت بڑے راز سے واقف ہو چکی ہو۔ ایک ایسا راز جس کا انکشاف رکھیل شاہ کی برسوں کی ریاضت پر پانی پھیر سکتا ہے۔ رکھیل شاہ ہر قیمت پر تمہیں اپنے قبضہ میں دیکھنا چاہتا ہے تاکہ اس راز کو راز ہی رکھا جا سکے جس سے تم آگاہ ہو چکی ہو۔"

"دیکھو مسٹر گوپانگ!" زریاب نے کہا۔ "تمہارا رکھیل شاہ پرلے درجے کا احمق آدمی ہے۔ وہ زمانے بیت گئے جب کسی جاگیردار یا حکمران کو قتل کر کے اس کی ریاست پر قبضہ کر لیا جاتا تھا۔ اس جدید دور میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ آج کل تو سوگز کے ایک پلاٹ پر قبضہ کرنے کے لئے بھی بیسیوں مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ رکھیل شاہ اتنی بڑی جاگیر پر کیسے قبضہ کر لے گا؟"

"تم رکھیل شاہ کو نہیں جانتیں۔ اس کی لغت میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے۔ اس کے بعد تم دیکھو گی کہ اس جاگیر پر رکھیل شاہ کا قبضہ ہو گا۔ جائز اور قانونی قبضہ! جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکے گا۔ ویسے....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر رزمق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے سنا ہے کہ تمہارا یہ ساتھی بہت بہادر ہے۔ یہ کون ہے؟"

"میرا ایک دوست اور جاگیر کا وفادار۔" زریاب نے جواب دیا۔ "ان جیسے لوگوں کے ہوتے ہوئے جاگیر پر قبضے کا رکھیل شاہ کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکے گا۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" گوپانگ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ویسے بہادری میں تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔ تم نے خامس جیسے آدمی کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اپنی اس شکست پر بہت شرمندہ ہے اور تم سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہے۔ وہ تمہاری ہی تلاش میں آدم پور کی طرف گیا ہوا ہے۔ اگر تم اس کے ہاتھ آ جاؤ تو وہ تمہاری بوٹیاں تک نوچ ڈالے گا۔ وہ انسان نہیں درندہ ہے۔ اس نے زندگی میں پہلی بار شکست کھائی ہے اور وہ بھی ایک عورت سے۔ تم اس کی جھنجلاہٹ کا اندازہ لگا سکتی ہو۔"

"خامس واقعی درندہ ہے۔" زریاب نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔ "گزشتہ سے پیوستہ رات اس نے [illegible] کیا ہے وہ اس جیسا درندہ ہی کر سکتا ہے۔"

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوہ!" گوپانگ چونک گیا۔ "تو اس رات تم آدم پور میں موجود تھیں؟"

"ہاں!" زریاب نے جواب دیا۔ "شاہ پور کی پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس مرتبہ رکھیل شاہ بھی اسے نہیں بچا سکے گا۔"

"پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔" گوپانگ بولا۔ "خامس آج کسی وقت درویش پور پہنچنے والا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ قطب پور پہنچ گیا ہو۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ تم ہمارے قبضے میں ہو تو وہ یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائے گا۔ لیکن میں تمہیں اس کے حوالے نہیں کروں گا۔ رکھیل شاہ تمہیں اور ان دونوں حسین لڑکیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ رکھیل شاہ خوبصورت لڑکیوں کا دیوانہ ہے اور تم تینوں کو دیکھ کر تو اس کی باچھیں کھل جائیں گے۔" وہ ایک بار پھر کندن اور خوشنما کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی باتوں سے زریاب کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کندن کو پہچان نہیں پایا تھا۔ دس سال پہلے اس نے کندن کو دیکھا بھی ہوگا تو اس طویل عرصے میں بہت سی تبدیلیاں آچکی ہوں گی۔ اور پھر کندن اس وقت مختلف حلیے میں تھی۔

"اطمینان رکھو مسٹر گوپانگ!" رزمق نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "رکھیل شاہ جیسے گھٹیا اور بدمعاش آدمی کو ان لڑکیوں کے سلسلے میں خوش ہونے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ ایسا موقع آنے سے پہلے ہی اسے موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔"

"اگر تم لوگ ایک موقع پر خامس کی پٹائی کر چکے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رکھیل شاہ کو بھی نیچا دکھا سکو گے۔ رکھیل شاہ کیا ہے؟ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ تم اس کی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" گوپانگ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر اپنے ساتھی کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "کوبی! لے چلو انہیں۔"

کوبی نے انہیں رائفل سے اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "باہر نکلو! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔"

"اے! رک جاؤ۔" رزمق دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔ گوپانگ اور کوبی نے بیک وقت دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ رزمق نے ایک گھسا پٹا سا نفسیاتی حربہ استعمال کیا اور وہ اس میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ رزمق نے بڑی تیزی سے اچھل کر کوبی کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ جھٹکا دیتے ہی رائفل اس کے ہاتھ میں آگئی۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔" رزمق چیخا۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر دونوں کو رائفل کی زد پر لے لیا تھا۔ "اس دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ہونے چاہئیں۔"

"تم لوگ بچ کر نہیں جا سکو گے۔ اس بستی کو چاروں طرف سے میرے آدمیوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔" گوپانگ نے غراتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو تم دونوں میرے گھیرے میں ہو۔" رزمق نے کہا۔ "جو کہا گیا ہے اس پر عمل کرو۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" اس نے انگلی ٹرائیگر پر رکھ لی۔

گوپانگ دانت کچکچاتا ہوا دیوار کی طرف مڑ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ٹکا دیئے تھے۔ کوبی نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ رزمق نے کندن اور زریاب کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں آگے بڑھ کر گوپانگ اور کوبی کی جیبیں تھپتھپانے لگیں۔ گوپانگ کی جیب سے ایک آٹو میٹک پستول، دوسری جیب سے سیلولر کارڈلیس ٹیلی فون اور کوبی کی جیب سے ایک چاقو برآمد ہوا تھا۔ یہ تینوں چیزیں انہوں نے اپنے قبضے میں لے لیں۔

"اس مکان میں پہلے سے موجود مجہول سا آدمی ایک کونے میں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ رزمق نے اسے رسیاں لانے کو کہا تو وہ آنگن میں پڑی ہوئی دو ٹوٹی ہوئی چارپائیوں کی رسیاں نکال لایا۔ رزمق نے رائفل کندن کو تھما دی اور خود گوپانگ اور کوبی کو رسیوں سے باندھنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی وہ دونوں رسیوں سے بندھے فرش پر پڑے تھے۔

"کیوں گوپانگ!" رزمق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

"کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔" گوپانگ غرایا۔ "تمہیں دنیا کے کسی کونے میں رکھیل شاہ سے پناہ نہیں ملے گی۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"فی الحال تو ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔" رزمق نے کہا۔ "فکر مت کرو۔ تمہیں زیادہ دیر تک یہاں بندھے نہیں رہنا پڑے گا۔ میں رکھیل شاہ کو فون کر دوں گا۔ وہ آکر تمہیں یہاں سے لے جائے گا۔"

وہ لوگ کمرے سے باہر آگئے۔ رزمق نے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگا دیا تھا۔ رائفل اس نے کندن کے ایک کونے میں رکھے ہوئے غسل خانے میں پھینک دی

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

رزمق کے خیال میں رافعل ساتھ لے جانا مناسب نہیں تھا۔

"تمہارا اس شہر میں کوئی اور رشتے دار ہے یا نہیں؟" رزمق نے اس مجہول سے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"غریب آباد میں میرا تایا رہتا ہے۔ میں وہاں چلا جاتا ہوں۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے! اپنے تایا کے پاس چلے جاؤ اور دو چار دن تک گھر سے باہر مت نکلنا ورنہ مارے جاؤ گے۔" رزمق نے کہا۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ گلی میں چند ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے۔ اس نے مجہول سے شخص کو ہاتھ سے پکڑ کر دروازے سے باہر نکالا۔ وہ شخص گلی میں بائیں طرف مڑ گیا۔ رزمق نے مڑ کر زریاب وغیرہ کو اشارہ کیا اور ان سے پہلے خود دروازے سے باہر نکل آیا۔ زریاب، کندن اور خوشنما بھی باہر آ گئیں تو چاروں گلی میں دائیں طرف مڑ گئے۔ وہ تنگ اور گندی گلیوں میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل رہے تھے۔ وہ جلد سے جلد اس کچی بستی سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔ اس لباس سے بھی جلد سے جلد نجات حاصل کرنا ضروری تھا۔ یہ لباس اب ان کی شناخت بن گیا تھا اور وہ کسی کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ گلیوں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ بعض لوگ مڑ مڑ کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ گلیوں میں گھومتے ہوئے آبادی کے پچھلی طرف نکل گئے۔

"کہاں جا رہے ہو رزمق؟" کندن نے اسے روک کر پوچھا۔

"ابھی کوئی منزل میرے سامنے نہیں ہے۔" رزمق نے جواب دیا۔ "اس شہر میں میرا ایک جاننے والا رہتا تو ہے لیکن مجھے اس کے گھر کا پتہ نہیں ہے۔ ہاں! سکول ماسٹر زرقند نے تمہیں کوئی پتہ بتایا تھا۔"

"اس نے اپنے بیٹے کا نام بتایا تھا۔ وہ کالج میں پروفیسر ہے۔ لیکن کیا ان حالات میں وہاں جانا مناسب ہوگا؟ میں نہیں چاہتی کہ ہماری وجہ سے انہیں کوئی نقصان پہنچے۔"

"ہمیں صرف چند گھنٹوں کے لئے پناہ چاہئے۔ اس دوران میں کوئی اور بندوبست کر لوں گا تو ہم وہاں سے نکل جائیں گے۔" رزمق نے جواب دیا۔

"اس کے بیٹے کا نام بدران ہے۔ وہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہے۔" کندن نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ آؤ.... گورنمنٹ کالج یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ رزمق نے کہا اور وہ چاروں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ایک طرف چلنے لگے۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ گورنمنٹ کالج کے سامنے پہنچ گئے۔ رزمق نے ان تینوں لڑکیوں کو دور ہی روک دیا اور خود تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا گیٹ کی طرف چل پڑا۔ کالج کے طلباء کی آمد و رفت جاری تھی۔ چوکیدار ایک طرف کرسی پر بیٹھا آتے جاتے لڑکوں اور لڑکیوں کو گھور رہا تھا۔

"لالہ....." رزمق اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "اس کالج میں بدران نام کے ایک پروفیسر ہیں۔ مجھے ان سے ملنا ہے۔ میں بہت دور سے آیا ہوں۔"

"پروفیسر بدران!" چوکیدار کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "یار تم ادھر میرا جگہ پر بیٹھو میں پروفیسر صاحب کو بتا کر آتا ہوں۔"

رزمق کرسی پر بیٹھنے کی بجائے گیٹ کے آس پاس ٹہلتا رہا۔ وہ بار بار اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں لڑکیوں کو چھوڑا تھا۔ کالج کی دیوار کے ساتھ ساتھ باہر کی طرف تقریباً دس فٹ چوڑا لان تھا جس کے آگے تقریباً تین فٹ اونچی گارڈینیا کی باڑھ تھی۔ کندن وغیرہ اس باڑھ کے پیچھے لان میں بیٹھ گئی تھیں اس طرح انہیں سڑک کی طرف سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ رزمق کسی قدر مطمئن سا ہو گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد چوکیدار کے ساتھ ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ ایک خوبرو آدمی تھا۔ سفید جوتے، سفید پینٹ اور سفید شرٹ اس کی گوری رنگت پر خوب جچ رہی تھی۔ اس نے قریب آ کر رزمق سے ہاتھ ملایا اور اجنبی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ رزمق اسے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور سرگوشیوں میں اسے اپنے اور کندن کے بارے میں بتانے لگا۔

"آقا زادی کہاں ہیں؟" بدران نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔ اس کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"وہ لان میں بیٹھی ہیں۔" رزمق نے اشارہ کیا۔

"ایک منٹ یہیں رکو..... میں ابھی آتا ہوں۔" بدران کہتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دوبارہ گیٹ میں داخل ہو گیا۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کے ہاتھ میں کسی گاڑی کی چابیاں تھیں۔ وہ رزمق کے ساتھ لان میں آگیا۔ رزمق نے اشارے سے بتایا کہ کندن کون ہے۔ اس نے خوشنما اور زریاب کا تعارف بھی کروادیا تھا۔

"آپ کو جو تکلیفیں اٹھانا پڑ رہی ہیں میں اس پر افسوس کا اظہار ہی کر سکتا ہوں آقا زادی۔" بدران نے کندن کو سلام کرنے کے بعد کہا۔ "یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے ہمیں آپ کی خدمت کا موقع دیا ہے۔ بابا آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

"زرقند بابا کیسے ہیں؟ تین چار روز پہلے ان سے مختصر ملاقات ہوئی تھی۔ تفصیل سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔" کندن نے کہا۔

"بابا نے ذکر کیا تھا۔" بدران بولا۔ "آپ لوگ یہیں پر تشریف رکھئے۔ میں گاڑی لے آتا ہوں۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے جا کر کالج کی دیوار کے دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرف پارکنگ ایریا تھا جہاں کاریں، موٹر سائیکلیں اور سائیکلیں وغیرہ کھڑی تھیں۔ وہ نیلے رنگ کی ایک کار میں بیٹھ گیا اور اسے سٹارٹ کر کے پارکنگ ایریا سے نکال کر گیٹ کی طرف لے آیا۔ رزمق اور کندن وغیرہ کار کے قریب آگئے۔ تینوں لڑکیاں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور رزمق آگے پسنجر سیٹ پر..... بدران کار کو سڑک پر لے آیا اور اسے تیزی سے ایک طرف دوڑا دیا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد کار ایک کشادہ گلی میں ایک مکان کے سامنے رک گئی۔ بدران نے انجن بند کر دیا اور نیچے اتر کر مکان کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جوان اور خوبصورت عورت تھی جس نے گود میں چھ سات ماہ کا ایک بچہ بھی اٹھا رکھا تھا۔ بدران نے مڑ کر اشارہ کیا اور رزمق وغیرہ کار سے اتر کر مکان میں داخل ہو گئے۔ بدران نے دروازہ بند کر دیا اور انہیں دائیں طرف والے ایک کمرے میں لے گیا۔ یہ کشادہ کمرہ تھا۔ فرش پر سرخ دری بچھی ہوئی تھی اور اوسط درجے کا فرنیچر تھا۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔ میں بابا کو بتاتا ہوں۔" بدران کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ وہ عورت بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ بدران نے ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون تھی۔ لیکن کندن کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔ چند

پیار سے کندن اور دوسری دونوں لڑکیوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔

"آقا زادی!" وہ کندن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "زہے نصیب! آج تو اس گھر کے بھاگ جاگ اٹھے ہیں۔ ہمیں آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔"

"تمہاری آقا زادی کے بھاگ سو رہے ہیں زرقند بابا!" کندن نے کہا۔ "اسے چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر رکھا ہے۔ وہ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگی پھر رہی ہے۔ ہم چند گھنٹے یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ کوئی اور پناہ گاہ مل جائے گی تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ ہماری وجہ سے دکھ اور مصائب اس گھر کا بھی راستہ دیکھ لیں۔"

"میں قسمت پر یقین رکھتا ہوں آقا زادی۔" زرقند نے جواب دیا۔ "ہمارے بارے میں کوئی بات ذہن میں نہ لائیے۔ میرے خیال میں میرا یہ غریب خانہ آپ کے لئے محفوظ ہے۔ جب تک کوئی مناسب بندوبست نہیں ہو جاتا آپ یہیں رہئے۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "یہ باتیں تو بعد میں اطمینان سے ہو جائیں گی۔ پہلے آپ کے کھانے پینے کا کچھ بندوبست ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا ہوگا۔ آپ نے جوہی کو نہیں پہچانا۔ یہ میری وہی بیٹی ہے جو بچپن میں ایک دو مرتبہ میرے ساتھ سندس محل آئی تھی۔" اس نے دروازے میں کھڑی ہوئی خوبصورت عورت کی طرف اشارہ کیا جس نے گود میں بچہ اٹھا رکھا تھا۔

"میں نے پہچان لیا ہے۔" کندن مسکرائی۔

"جوہی بیٹے!" زرقند نے اس طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لاؤ! بچے کو مجھے دے دو اور تم مہمانوں کے لئے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔"

"جی بابا!" جوہی نے آگے بڑھ کر بچے کو زرقند کے حوالے کر دیا اور خود باہر نکل گئی۔

"میں کالج جا رہا ہوں بابا! پروفیسر ظہور کی گاڑی واپس کر کے آتا ہوں۔" بدران نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! آج ذرا تم جلدی واپس آ جانا۔" زرقند نے کہا۔ بدران باہر چلا گیا۔ زرقند، رزمق سے باتیں کرنے لگا۔ رزمق، زریاب کے بارے میں اسے تفصیل بتا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ہماری وجہ سے یہ بھی مصیبت میں پھنسی ہوئی ہے۔ رکھیل شاہ کو ابھی تک آقا زادی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ وہ زندہ ہے۔ اسے صرف زریاب کی تلاش ہے جو اس کی گھناؤنی سازش سے واقف ہو چکی ہے۔ ہمارے بارے میں وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ ہم اس کے ہمدرد ہیں اور اس کی مدد کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ ہمیں بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن اگر اسے آقازادی کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ جاگیر کی وارث زندہ ہے تو شاید وہ زریاب کو بھول کر اپنی تمام تر قوت آقازادی کو تلاش کرنے میں صرف کر دے۔"

"رکھیل شاہ کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" زرقند نے کہا۔ "وہ زہریلا سانپ ہے۔ اس سے جتنا دور رہا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"لیکن ہم اس سے دور نہیں رہ سکتے۔" رزمق نے کہا۔ "جاگیر دار اس کی قید میں ہے۔ ہم جلد سے جلد جاگیر دار کو اس کی قید سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ ہمیں شبہ ہے کہ اگر زیادہ دیر ہو گئی تو رکھیل شاہ انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔"

"پولیس سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟" زرقند نے کہا۔

"پولیس!" زرقند نے گہرا سانس لیا۔ "جب قانون کے محافظ اپنی قیمت وصول کر لیں تو کسی کا جان و مال محفوظ نہیں رہتا۔ پولیس رکھیل شاہ کے ہاتھوں بکی ہوئی ہے۔ ہماری طرف سے ایک کوشش ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں بنجان کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ نہیں زرقند بابا..... پولیس اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی، جاگیر دار کو اس درندے کی قید سے رہائی دلانے کے لئے جو کچھ بھی کرنا ہے ہمیں ہی کرنا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ جاگیر دار کو کہاں رکھا گیا ہے۔"

اس سے پہلے کہ زرقند کوئی جواب دیتا جوہی نے کمرے میں داخل ہو کر بتایا کہ ناشتہ تیار ہو چکا ہے۔ دوسرے کمرے میں آ جائیں۔ وہ لوگ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ جوہی نے مختصر وقت میں بڑا اہتمام کر لیا تھا۔ پراٹھے، ہاف فرائی انڈے، خاگینہ، مکھن، جام اور ایک دو اور چیزیں موجود تھیں۔ وہ لوگ بیٹھ کر اطمینان سے ناشتہ کرنے لگے۔ زرقند بھی بچے کو گود میں لے کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ کندن نے جوہی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"جوہی کے ساتھ تو بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے آقازادی [illegible]

جواب دیا۔ "کئی سال پہلے اس کی شادی ہو گئی تھی۔ بڑی پر سکون اور مطمئن زندگی گزار رہی تھی لیکن فلک کج رفتار کو اس کی خوشیاں پسند نہیں آئیں۔ آٹھ مہینے پہلے اس کا شوہر دونوں بڑے بچوں کو سکول چھوڑنے گیا۔ وہ موٹر سائیکل پر تھا۔ اینٹوں سے لدے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے ان تینوں کو کچل دیا۔ یہ بچہ اپنے باپ کے انتقال کے ایک ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ خدا اسے سلامت رکھے۔" وہ بچے کا منہ چومنے لگا۔

"بڑا افسوس ہوا۔" کندن نے افسردہ سے لہجے میں کہا اور جوہی کی طرف دیکھنے لگی جس کی آنکھیں اس تذکرے پر بھیگ گئی تھیں۔ ماحول افسردہ ہو گیا تھا۔ اب ناشتہ کرنے کو بھی ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ لوگ اٹھ کر دوبارہ بیٹھک میں آ گئے۔ یہاں باتوں کے دوران اچانک ہی رزمق کو گوپانگ اور اس کے ساتھی کوبی کا خیال آ گیا جنہیں وہ بنجان والے مکان میں باندھ آئے تھے۔

"بابا! آپ کے پاس ٹیلی فون ہے یا نہیں؟" اس نے زرقند سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" زرقند کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ ٹیلی فون کا کارڈلیس سیٹ لے آیا۔

"رکھیل شاہ کا نمبر معلوم ہے؟" رزمق نے اس سے کارڈلیس لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" زرقند نے سر ہلاتے ہوئے اسے نمبر بتا دیا۔

رزمق نے سیٹ آن کر دیا اور بٹن دبا کر نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ کال ایک لیڈی آپریٹر نے ریسیو کی تھی۔

"رکھیل شاہ سے بات کراؤ۔" رزمق نے بارعب لہجے میں کہا۔

"کون صاحب بات کریں گے؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"رزمق میرا نام ہے۔" رکھیل شاہ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتا لیکن جاگیر دار نمران کا حوالہ دو گی تو وہ بات کرنے سے انکار نہیں کرے گا۔"

"ہولڈ کریں پلیز!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ چند لمحے لائن پر خاموشی رہی اور پھر ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔ "یس، رکھیل شاہ سپیکنگ!"

"آپریٹر نے شاید تمہیں میرا نام نہیں بتایا یا پھر تم میرے نام سے واقف نہیں ہو۔" رزمق نے کہا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ درست ہے میں تمہارے نام سے واقف نہیں ہوں یا ہو سکتا ہے یہ نام میرے ذہن میں نہ ہو۔ بہر حال! کون ہو تم؟" رکھیل شاہ بولا۔

"میرا خیال درست تھا۔" رزمق نے کہا۔ "تمہیں اپنے آدمیوں کا ہوش نہیں تو دوسروں کے بارے میں کیا جانتے ہو گے۔ تم پر تو صرف زریاب کا بھوت سوار ہے۔"

"کون ہو تم؟" رکھیل شاہ کی چونکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "زریاب سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں زریاب کا محافظ ہوں۔ اسے اب تک تمہارے ظلم سے بچائے ہوئے ہوں۔ لیکن تم کیسے آدمی ہو کہ اپنے گرگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" رزمق نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" رکھیل شاہ بولا۔

"تمہارا اسسٹنٹ گوپانگ اپنے ایک گرگے کوبی کے ساتھ زریاب کو پکڑنے کے لئے بنجان کے گھر گیا تھا۔ بنجان کے بارے میں بھی نہیں جانتے تو میں یہ بھی بتا دوں کہ وہ جاگیر دار کا وفادار تمہارے دفتر کا ملازم ہے جسے دو تین روز پہلے اس وحشی خامس نے بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ گوپانگ اس گھر میں زریاب کو پکڑنے گیا تھا لیکن تقریباً دو گھنٹوں سے وہاں اپنے ساتھی کے ساتھ رسیوں سے بندھا پڑا ہے۔ میں اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن اس مرتبہ انہیں زندہ تحفے کے طور پر تمہاری خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور ہو سکتا ہے اگلی مرتبہ تمہیں ان کی لاشیں ہی ملیں۔"

"اب میں سمجھ گیا تم کون ہو رزمق!" رکھیل شاہ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "رکھیل شاہ اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ میں دنیا کے آخری سرے تک تمہارا اور زریاب کا پیچھا کروں گا۔ تم لوگ زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے رکھیل شاہ!" رزمق نے کہا۔ "اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہے۔ بہر حال تم گوپانگ کو وہاں سے لے آؤ۔ تم سے بعد میں بات ہو گی بلکہ بہت جلد ہماری ملاقات ہو گی۔" دوسری طرف سے ہیلو ہیلو کی آواز سنائی دیتی رہی لیکن رزمق نے فون بند کر دیا تھا۔

"کیا رکھیل شاہ کو یہ سب کچھ بتانا ضروری تھا؟" زریاب نے کہتے ہوئے سوالیہ نظروں

سے رزمق کی طرف دیکھا۔

"ہاں!" رزمق نے گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اسے یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اب ہم کمزور نہیں ہیں اور ڈٹ کر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ابھی ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔" زریاب نے کہا۔ "جب تک ہمیں کوئی مضبوط سہارا نہیں ملتا اس وقت تک ہم رکھیل شاہ کو چیلنج نہیں کر سکتے تمہیں رکھیل شاہ کے وسائل کا بخوبی اندازہ ہو گا۔ یہاں کی پولیس اس کے قبضے میں ہے۔ اسے پتہ چل گیا ہے کہ ہم اسی شہر میں ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں اس شہر کا کونا کونا چھان مارے گا۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے جاگیر دار کا سراغ لگایا جائے۔ اس کے بعد ہی ہم رکھیل شاہ کے گرگوں کے بارے میں سوچ سکیں گے۔"

"جاگیر دار کی تلاش ہمارا سب سے اہم مقصد ہے۔" رزمق نے کہا۔ "ہم درویش پور میں آ گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم جلد ہی انہیں تلاش کر لیں گے۔ ہمیں یہاں چند ایسے دوست مل جائیں گے جو اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے۔"

وہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ بدران بھی واپس آ گیا۔ وہ دو ٹوکریوں میں بہت سے پھل لایا تھا۔ جوہی نے پھل پلیٹوں میں سجا کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔ بدران بھی اب ان کی باتوں میں شامل ہو گیا تھا۔

"ہمیں شیران نامی ایک آدمی کو تلاش کرنا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس کے پاس بابا کی کچھ اہم دستاویزات ہیں۔ اگر ہمیں شیران کے بارے میں پتہ چل جائے تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔" کندن نے کہا۔

"شیران....." زرقند سوچنے والے انداز میں بولا۔ "جب میں سندس محل آیا جایا کرتا تھا تو اس شخص سے میری ایک دو ملاقاتیں ہوئی تھیں لیکن طویل عرصہ سے میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔"

"سنا ہے وہ اسی شہر میں ہے۔" کندن نے کہا۔ "بابا کو تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں شیران کو بھی تلاش کرنا ہے۔"

"اگر شیران اسی شہر میں ہے تو اسے تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔ میرے کچھ دوست یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی اسے ضرور جانتا ہو گا۔" بدران نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

جواب دیا۔ وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بدران نے قریب پڑا ہوا کارڈلیس اٹھایا اور بٹن آن کر کے باتیں کرنے لگا۔

"کیا.....؟" وہ اچھل پڑا۔ اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک فون پر باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے فون بند کر دیا اور رزمق کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے بے پناہ تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"بابا! بہت برا ہوا۔ رزمق بھائی! آپ نے رکھیل شاہ کو فون کیا تھا؟" دوسرا جملہ اس نے رزمق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں! فون تو کیا تھا۔ لیکن کیا ہوا؟ تم بتاتے کیوں نہیں؟" رزمق کی بجائے زرقند نے جلدی سے کہا۔

"بابا! رکھیل شاہ نے ہمارا فون ٹریس کر لیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس کے آدمی اس وقت تک ہمارے گھر تک پہنچ چکے ہوں گے۔" بدران نے جواب دیا۔

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا۔ رزمق بیٹے! اب ہمیں جلدی سے یہاں سے نکل جانا ہو گا۔" ابھی زرقند کا جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ گھر کے دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔

"بابا! آپ ان سب کو لے کر عقبی دروازے سے نکل جایئے اور کسی محفوظ جگہ پہنچا دیجئے۔ میں یہیں رکوں گا اور کچھ دیر تک رکھیل شاہ کے آدمیوں کو الجھانے کی اور روکنے کی کوشش کروں گا۔" بدران نے تیزی سے اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

باہر سے دروازہ اور بھی زیادہ زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا۔ کوئی آدمی زور زور سے پروفیسر بدران کو دروازہ کھولنے کی ہدایت دے رہا تھا اور نہ کھولنے کی صورت میں نقصان کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ زرقند اپنی بیٹی جوہی اور رزمق وغیرہ کو مکان کے عقبی دروازے کی طرف لے کر چل پڑا تھا۔

☆

"دروزاہ کھولو..... پروفیسر بدران..... دروازہ کھولو۔ ورنہ ہم اسے توڑ دیں گے۔" باہر سے ایک چیختی ہوئی بھاری آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی دروازے پر کسی چیز سے زور زور سے ضربیں لگائی جانے لگیں۔

زریاب رک گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جوہی کا چہرہ خوف کی شدت سے سرسوں کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے بچے کو سینے سے لپٹا رکھا تھا۔ بوڑھا زرقند اسے بازو سے پکڑے پچھلے دروازے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ کندن کو آگے دھکیل رہا تھا۔ رزمق نے زریاب کو اشارہ کیا کہ وہ بھی جلدی سے ان کے ساتھ دروازے کے قریب پہنچ جائے۔ دروازے کو اوپر سے زنجیر والا کنڈا لگا ہوا تھا۔ رزمق نے جلدی سے آگے بڑھ کر کنڈا اتارا اور دروازہ کھول دیا۔ یہ دروازہ عقبی گلی میں کھلتا تھا۔ وہ سب باہر نکل آئے۔ باہر آتے ہی اس نے دروازہ بھیڑ دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسری طرف مکان کا سامنے والا دروازہ توڑنے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی۔ دروازہ خاصا مضبوط تھا۔ اگر کمزور ہوتا تو اب تک ٹوٹ چکا ہوتا۔ دروازے پر لگائی جانے والی ضربوں کی آواز دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

"زرقند بابا....." رزمق نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم ان لڑکیوں کو لے کر کسی طرف بھی نکل جاؤ۔ بدران مکان میں اکیلا ہے۔ میں اس کے ساتھ مل کر ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بعد میں ہم تم لوگوں کو تلاش کر لیں گے۔"

"نہیں بیٹا!" زرقند جلدی سے بولا۔ "بدران انہیں کچھ دیر کے لئے تو روک ہی لے گا۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔ اگر میں اکیلا ہوا تو شاید ان لڑکیوں کی حفاظت نہ کر سکوں گا۔"

"لیکن بدران اکیلا ہے اور....."

"اس کی تم فکر مت کرو۔" رزمق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر آقا زادی کی

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

سلامتی کے لئے اس کی جان بھی کام آ جائے تو مجھے خوشی ہو گی۔ تم انہیں لے کر تیزی سے چلو۔"

رزمق دل ہی دل میں تڑپ اٹھا۔ کیسی وفا تھی اس بوڑھے کے دل میں۔ اپنی آقا زادی کو بچانے کے لئے اپنی زندگی کے واحد سہارے، اپنے بیٹے کو ان درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا تھا۔

مکان کا دروازہ غالباً ٹوٹ چکا تھا۔ کیونکہ اب ضربوں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے برعکس شور سنائی دے رہا تھا اور پھر فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

بوڑھا زرقند حیرت انگیز طور پر تیزی سے چل رہا تھا۔ چاروں لڑکیاں اس کے پیچھے تھیں اور رزمق سب سے آخر میں۔ وہ کئی تنگ گلیوں میں گھومنے کے بعد ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ زرقند نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھل گیا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ کھولنے والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ ان کے اس طرح اندر آنے پر وہ کچھ بدحواس سا ہو گیا لیکن پھر اس نے زرقند اور جوہی کو پہچان لیا۔

"کیا بات ہے زرقند؟ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو؟ اور یہ لوگ کون ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"سب کچھ بتا دوں گا سارنگ!" زرقند نے اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "پہلے اندر چلو اور یہ دروازہ بند کر دو۔ یہ بھی اچھا ہے کہ کسی نے ہمیں مکان میں داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اندر چلو۔"

ادھیڑ عمر سارنگ کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا چڑھا دیا اور انہیں ایک کمرے میں لے آیا اور باری باری سب کی شکلیں دیکھنے لگا۔ آخر میں اس کی نظریں بوڑھے زرقند کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کی نظروں میں کئی سوال تھے۔

"تم میرے پرانے دوست اور جاگیردار نمران کے نمک خوار ہو سارنگ!" زرقند اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جاگیردار نے ہم پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی وفا کا تھوڑا بہت حق ادا کر دیں۔ یہ سمجھ لو کہ یہ ہمارے امتحان کا وقت ہے۔"

"میں سمجھا نہیں زرقند! کھل کر بات کرو۔" سارنگ بولا۔

"میں بتا رہا ہوں۔" زرقند کہنے لگا۔ "گزشتہ ڈیڑھ دو سال سے جاگیردار نمران کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بیمار ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ جاگیر کے منیجر رکھیل شاہ نے اسے قید کر رکھا ہے۔ وہ اسے قتل کر کے جاگیر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اب تک اسے جاگیردار کے قتل سے روکے ہوئے ہیں۔ جاگیر کے کاغذات ہم جیسے ہی کسی وفادار کی تحویل میں ہیں۔ ممکن ہے رکھیل شاہ کسی وقت ان کاغذات تک بھی پہنچ جائے۔ لیکن اب صورت حال کچھ بدل چکی ہے۔ کاغذات پر قبضہ کر لینے کے باوجود وہ جاگیر پر قبضہ نہیں کر سکتا کیونکہ جاگیر کی وارث تمہارے سامنے کھڑی ہے۔" اس نے کندن کی طرف اشارہ کیا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم کیا..... ساری دنیا اسے مردہ تصور کئے ہوئے تھی۔ رکھیل شاہ کو ابھی پتہ نہیں چل سکا کہ کندن زندہ ہے لیکن وہ اس لڑکی کی جان لینا چاہتا ہے جو اس کے بہت سے راز جان چکی ہے۔" اس نے زریاب کی طرف اشارہ کیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔

"زرقند بھائی!" سارنگ اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آقا زادی نے میرے غریب خانے کو رونق بخشی۔ ہم تو جان بھی دے دیں تو حق نمک ادا نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے تم سے اسی جواب کی امید تھی سارنگ۔" زرقند نے کہا۔ "تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اسے کچھ باتیں سمجھانی ہیں۔"

"وہ اپنی بیمار بہن کو دیکھنے گئی ہوئی ہے، تمہارے ہی محلے میں۔ بس آنے ہی والی ہو گی۔ تم لوگ بیٹھو! میں چائے وغیرہ کا بندوبست کرتا ہوں۔" سارنگ نے جواب دیا۔

"فی الحال ٹھنڈا پانی پلا دو بابا! ابھی چائے کی ضرورت نہیں۔" کندن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں آقا زادی!" سارنگ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

سارنگ کے جانے کے بعد رزمق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں پرانی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ دری پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد سارنگ پانی سے بھرا ہوا ایک جگ اور دو

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گلاس لے آیا۔ وہ لوگ پانی پی رہے تھے کہ باہر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھٹکھٹانے والا جو کوئی بھی تھا بڑی عجلت میں تھا۔ رزمق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا خنجر بھی نکال لیا تھا۔

"میں دروازے کے پیچھے رہوں گا۔ تم دروازہ کھول دینا۔" وہ سارنگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ سارنگ کے چہرے پر ہلکا سا خوف ابھر آیا تھا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل آئے۔ سارنگ نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ رزمق صحن والے دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ اب بھی کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ رزمق نے سارنگ کو اشارہ کیا۔

"کون ہو بھئی، رک جاؤ۔ دروازہ کھولتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ سامنے اس کی بیوی ہالہ کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ارے غضب ہو گیا سارنگ!" ہالہ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "بدمعاشوں نے زرقند بھائی کے گھر کو آگ لگا دی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ رکھیل شاہ کے آدمی تھے۔ وہ لوگ..... اچانک ہی وہ خاموش ہو گئی۔ دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ رزمق کو کھڑے دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

سارنگ نے دروازہ بند کر دیا۔ "ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آؤ..... اندر آؤ۔" وہ اسے لے کر اس کمرے میں آ گیا جہاں زرقند اور کندن وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر ہالہ کچھ اور پریشان سی ہو گئی۔

"زرقند بھائی! تم یہاں بیٹھے ہو اور دشمنوں نے تمہارا گھر جلا ڈالا ہے۔" ہالہ نے کہا۔

"ان سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔ وہ انسان نہیں درندے ہیں اور درندوں سے کسی بھلائی کی توقع ہرگز نہیں کی جانی چاہئے۔" زرقند نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

"ہالہ....." سارنگ بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم ان لوگوں کے لئے چائے بناؤ میں وہاں جا کر صورت حال معلوم کر کے آتا ہوں۔ اور سنو! باہر کا دروازہ مت کھولنا۔"

سارنگ باہر چلا گیا۔ ہالہ نے باہر کے دروازے پر کنڈا چڑھا دیا اور کچن میں چائے بنانے

لگی۔ پندرہ بیس منٹ بعد چائے بنا کر لے آئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد سارنگ بھی واپس آ گیا۔

"بڑی تشویش ناک خبر ہے۔" سارنگ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "وہ رکھیل شاہ کے آدمی تھے جو زریاب اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں آئے تھے۔ وہ دروازہ توڑ کر گھر میں گھس آئے۔ بدران نے مزاحمت کی تو انہوں نے اسے مارا پیٹا۔ گھر کا سارا سامان توڑ پھوڑ دیا اور فائرنگ کرتے رہے۔ بدران کو ادھ موا کر کے گلی میں پھینک دیا اور مکان کو آگ لگا کر بھاگ گئے۔ وہ بدران کو مردہ سمجھ کر پھینک گئے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اسے اٹھایا تو پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے۔ اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے لیکن سنا ہے اس کی حالت تشویش ناک ہے۔"

زرقند خاموش بیٹھا رہا۔ لیکن جوہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کا بچہ بھی بلک بلک کر رو رہا تھا۔ زریاب نے بچے کو لے لیا اور کندن، جوہی کو دلاسہ دینے لگی۔

"مجھے افسوس ہے! یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا۔ لیکن یقین کرو ان ظالموں کو ایک نہ ایک دن اس کا حساب دینا ہو گا۔"

جوہی بڑی مشکل سے اپنے حواس پر قابو پا سکی تھی۔ اس نے زریاب سے بچے کو لیا اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ رزمق، زرقند کی طرف دیکھ رہا تھا جو خاموش بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا۔ اس کا بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کے گھر کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر مایوسی نہیں تھی۔ اس جھریوں بھرے بوڑھے چہرے پر عزم تھا۔ حوصلہ تھا۔ ہر طوفان سے ٹکرا جانے والا عزم اور حوصلہ۔

☆

پروفیسر بدران نے اسی روز ہسپتال میں دم توڑ دیا۔ بوڑھے باپ اور بیوہ بہن کا سہارا چھن گیا تھا۔ لیکن مرنے والا ایثار و وفا کی مثال قائم کر گیا تھا۔ بوڑھے زرقند کا سر اپنی آقا زادی کے سامنے فخر سے بلند ہو گیا تھا۔ بیٹے کو وفا کی راہ پر قربان کر دینے کے بعد وہ خود بھی اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھا۔

زرقند کے مکان کی آتشزدگی اور بدران کے قتل سے اتنا ضرور ہوا تھا کہ قانون اس کے خلاف حرکت میں آ گیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ہی روز اور ایک ہی شہر میں ہوا

ندیم
Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ جب زرقند کے مکان پر حملہ ہوا تو وہ منظر علاقے کے بیسیوں لوگوں نے دیکھا تھا۔ حملہ آوروں نے نہ صرف مکان میں توڑ پھوڑ کی تھی بلکہ لوگوں کے سامنے بدران کو بھی مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور مکان کو آگ لگا دی تھی۔ حملہ آور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ رکھیل شاہ کے آدمی ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ علاقے کی پولیس نے نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف مقدمہ درج کیا تھا لیکن اخبارات نے اسے کھلی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے رکھیل شاہ کے خلاف اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا۔

رزمق وغیرہ تقریباً ایک ہفتہ تک سارنگ کے گھر میں چھپے رہے۔ اس دوران وہ نہ صرف اخبارات بلکہ سارنگ کے ذریعے بھی صورت حال سے آگاہ ہو رہے تھے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ پولیس کے بعض افسران اس معاملے کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ وہ افسران تھے جو رکھیل شاہ کے نمک خوار اور قانون سے زیادہ رکھیل شاہ کے مفادات کی حفاظت کرتے تھے۔

زریاب جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس طرح چھپ کر نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر خاموشی اختیار کر لی گئی تو پولیس کے راشی اور بے ضمیر افسران اس معاملے کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جبکہ وہ قاتلوں کو ان درندوں کے خلاف پوری طرح حرکت میں لانا چاہتی تھی اور یہ کام گھر میں چھپے رہنے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر اس نے خود بھی حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے شہر کے سب سے بڑے اخبار کے ایڈیٹر کے نام خط لکھا جس میں پروفیسر بدران کے قتل اور مکان کو نذر آتش کئے جانے کا پس منظر تفصیل سے بیان کیا۔ اس بیان میں اس نے رکھیل شاہ پر الزام لگایا کہ جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے اس نے جاگیر دار نمران کو اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔ اگر جاگیر کے تمام کاغذات اس کے قبضے میں ہوتے تو وہ جاگیر دار کو ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔ لیکن محض ان کاغذات کی وجہ سے اس نے جاگیر دار کو ابھی تک زندہ رکھا ہوا ہے۔ مزید یہ کہ اس سازش میں بعض پولیس افسران کے علاوہ حکومت کے بعض اعلیٰ افسران بھی شریک ہیں۔ رکھیل شاہ نے اپنے غنڈوں کے ذریعے ریاست میں دہشت گردی پھیلا رکھی ہے۔ لیکن کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے۔

خط مکمل کرنے کے بعد زریاب نے اسے دو تین مرتبہ پڑھا اور مطمئن ہو کر [illegible]

ہلا دیا اور جب اس نے خود اخبار کے دفتر جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو رزمق آڑے آ گیا۔

"خود جانے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ بولا۔ "اخبار کے دفتر میں دروازے کے قریب ہی ایک لیٹر بکس رکھا ہوتا ہے لوگ اپنے خطوط اس میں ڈال دیتے ہیں۔ تم بھی یہ خط سارنگ کو دے دو۔ وہ اس بکس میں ڈال آئے گا اور یہ ایڈیٹر تک پہنچ جائے گا۔"

"نہیں!" زریاب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں خود بھی اخبار کے ایڈیٹر سے ملنا چاہتی ہوں۔ جو باتیں اس خط میں نہیں لکھ سکی وہ زبانی بتاؤں گی۔"

"لیکن..... رکھیل شاہ کے آدمی اب بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔ اگر کسی نے تمہیں دیکھ لیا تو زندہ نہیں بچ سکو گی۔ تمہیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔" رزمق نے کہا۔

"رسک لئے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔" زریاب نے جواب دیا۔ "ہم باہر تھے تو قدم قدم پر ان کا راستہ روک رہے تھے اب چھپ کر اندر بیٹھے ہیں تو انہیں سب کچھ کرنے کی آزادی مل گئی ہے۔ اگر معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا تو بات بگڑ جائے گی۔ نہیں رزمق.....! مجھے خود ہی جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے!" رزمق نے کہا۔ "تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم....."

"ٹھیک ہے!" زریاب نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم شام کے وقت گھر سے نکلیں گے۔"

"میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔" کندن باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہم جلوس کی صورت میں کوئی مظاہرہ کرنے نہیں جا رہے۔" زریاب نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں گھر میں رہو گی۔ اچھی بچیوں کی طرح..... ٹھیک؟"

زریاب نے یہ بات اس انداز میں کہی تھی کہ کندن مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی۔ اور پھر اس نے ساتھ جانے پر اصرار نہیں کیا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد زریاب اور رزمق گھر سے نکلے۔ ان دونوں نے لباس بدل رکھے تھے۔ زریاب نے کندھے پر اس کا بیگ لٹکا ہوا تھا جس میں جاگیر دار نمران کے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

حوالے سے چند ایسے کاغذات تھے جنہیں وہ ایڈیٹر کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کرنا چاہتی تھی۔ رزمق اس کے پہلو بہ پہلو تھا۔ وہ محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اخبار کے دفتر پہنچنے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اور پھر ایڈیٹر تک رسائی میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ زریاب نے خط ایڈیٹر کے سامنے رکھ دیا۔ ایڈیٹر جیسے جیسے خط پڑھ رہا تھا اس کے چہرے کے تاثرات بدل رہے تھے۔ بالآخر اس نے خط میز پر رکھ دیا اور زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ کون ہیں؟ اور اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

زریاب چند لمحے خاموش رہی اور پھر اپنے بارے میں بتانے لگی کہ وہ کون ہے اور جاگیر کے اس معاملے میں کیسے ملوث ہوئی تھی۔ اس نے بیگ سے کچھ کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ ایڈیٹر ان کاغذات کو دیکھتا رہا۔ پھر عجیب سی نظروں سے زریاب کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب آپ نے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ میں رکھیل شاہ کے لئے کتنی اہم ہوں۔" زریاب مسکراتے ہوئے بولی۔ "میں اس کے چند ایسے راز جان چکی ہوں جن کا انکشاف اسے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتا ہے۔ وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اسے سب سے زیادہ میری تلاش ہے۔ میری تلاش میں وہ اب تک کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ چند روز پہلے آدم پور میں قتل و غارت بھی اس کے آدمیوں نے کی تھی۔ گورنمنٹ کالج کے پروفیسر بدران کو بھی اس کے آدمیوں نے قتل کیا تھا۔ وہ ان سے میرے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ رکھیل شاہ کے گرگے اب بھی میری تلاش میں ہیں۔ وہ صرف میرے بارے میں جانتا ہے کہ میں اس کے بہت سے رازوں سے واقف ہو چکی ہوں۔ لیکن اسے ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ دس سال پہلے اس نے جاگیردار نمران کی جس بیٹی کی عزت لوٹنے کے لئے اس پر ہاتھ ڈالا اور اس لڑکی نے اپنی عزت بچانے کے لئے حویلی کی دیوار سے چھلانگ لگادی تھی۔ رکھیل شاہ سمجھا تھا کہ جاگیردار کی بیٹی کندن مر چکی ہے لیکن وہ اب تک اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ جاگیر کی وارث کندن زندہ ہے۔ جب اسے یہ پتہ چلے گا تو وہ پاگلوں کی طرح اپنے ہی بال نوچنے لگے گا اور اس شہر میں تباہی مچادے گا۔ وہ ہر اس لڑکی کو قتل کردے گا جس پر اسے کندن ہونے کا شبہ ہوگا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں

کہ ایسا وقت آنے سے پہلے آپ میرا یہ خط اخبار میں شائع کر دیں۔ تاکہ حکومت کے وہ اعلیٰ افسران بھی اس حقیقت سے واقف ہو سکیں جو رکھیل شاہ کو اپنا ان داتا سمجھتے ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ اگر ایک بھی ایماندار پولیس آفیسر یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لے اور خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے تحقیقات کرے تو ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔"

"ہمارا فرض سچائی کو سامنے لانا ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔ "میرا خیال ہے آپ کی صداقت کے لئے یہ ثبوت کافی ہیں۔" اس نے میز پر پڑے ہوئے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم آپ کا یہ خط ضرور شائع کریں گے اور رکھیل شاہ جیسے لوگوں کو بے نقاب کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔"

"شکریہ!" زریاب مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ رزمق کے ساتھ اخبار کے دفتر سے باہر آرہی تھی۔ اخبار کا دفتر جس علاقے میں واقع تھا وہاں زیادہ تر تجارتی دفاتر تھے جو پانچ چھ بجے بند ہو جاتے تھے اور شام کے بعد یہاں سناٹا چھا جاتا تھا۔ اس سے تقریباً دو فرلانگ آگے رہائشی علاقے تھے۔ بڑی بڑی عمارتوں پر مشتمل یہ فلیٹوں کی آبادی تھی اور اس طرف شام کے بعد بھی رونق رہا کرتی تھی۔ اگلے چوک پر واقع دو ریسٹورنٹ رات دیر تک کھلے رہتے تھے۔ محلے کے بے فکرے نوجوان ان ریستورانوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے رہتے تھے۔

"اس چوک کی طرف چلیں۔ وہاں سے ہمیں ٹیکسی مل سکتی ہے۔" رزمق نے کہا۔

"چلو! اسی طرف چلتے ہیں۔" زریاب نے کہا۔

وہ دونوں سڑک پار کر کے دوسری طرف آگئے۔ ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ دو آدمی ایک گلی سے نکل کر اچانک ہی سامنے آگئے۔ ان کے انداز سے لگتا تھا جیسے وہ پہلے سے یہاں کھڑے ان کا انتظار کر رہے ہوں۔ وہ دونوں ان کے دائیں بائیں آگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے پستول ان کے پہلوؤں سے لگادیئے۔

"خاموشی سے چلتے رہو۔ اگر کوئی گڑبڑ کی تو گولیوں سے چھلنی ہو جاؤ گے۔" دائیں طرف والے نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھیڑیئے جیسی غراہٹ تھی۔

زریاب کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکلا۔ اس نے گردن گھما کر رزمق کی طرف دیکھا۔ دونوں خاموشی سے ان کے ساتھ چلتے رہے۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

☆

کار قطب آباد کے جس مکان میں داخل ہوئی تھی وہ آبادی سے قدرے ہٹ کر اور حویلی کی طرح بہت بڑا تھا۔ گیٹ میں داخل ہو کر کار سے اترتے ہی دائیں طرف سے لید کی بو ان کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ دونوں آدمی بھی کار سے اتر آئے تھے اور اب بھی انہیں پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ حویلی میں بھی ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔ وہ لوگ انہیں ایک کمرے میں لے آئے۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟ تم لوگ ہمیں یہاں کیوں لائے ہو اور کیا چاہتے ہو ہم سے؟" زریاب نے ایک گن مین سے پوچھا۔ وہ سب کے سب شکلوں سے چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔

"یہ تو رکھیل شاہ ہی بتائے گا کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔" اس شخص نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن تمہیں رکھیل شاہ کے سامنے پیش کرنے سے پہلے گوپانگ اور خامس کے حوالے کیا جائے گا۔ خامس تمہارے ہاتھوں پے در پے شکست کھانے کے بعد بری طرح تلملا رہا ہے۔ وہ جب تک تم سے اپنی شکست کا بدلہ نہیں لے لے گا اسے چین نہیں آئے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "رکھیل شاہ کے سارے آدمی پورے شہر میں تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ تم ہمیں اخبار کے دفتر میں جاتے ہوئے نظر آ گئیں اور ہم سامنے والی گلی میں کھڑے تم لوگوں کا انتظار کرتے رہے۔ خامس تم دونوں کو دیکھ کر کتنا خوش ہو گا۔" وہ اپنے ایک ساتھی کی طرف مڑ گیا۔ "بابو! خامس کو اطلاع دو کہ زریاب اور اس کا ساتھی رزمق ہمارے قبضے میں ہے۔ وہ تمہیں درویش پور والے نمبر پر ملے گا۔ اور گوپانگ کو بھی بتا دینا۔"

"میں ابھی فون کرتا ہوں۔" وہ آدمی کمرے سے نکل گیا۔

"بیٹھ جاؤ!" اس گن مین نے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ "خامس کے آنے تک ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن اگر تم میں سے کسی نے شرارت کرنے کی کوشش کی تو اس کی کھوپڑی اُڑا دوں گا۔"

وہ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے۔ ان کے درمیان تین چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ دونوں گن

مین ان کے سامنے کھڑے تھے۔ ان دونوں کے درمیان بھی تقریباً آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا۔ ان کے ساتھ آنے والا ڈرائیور باہر ہی تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آدمی بھی آ گیا جو فون کرنے گیا تھا۔

"خامس نے کہا ہے کہ وہ ایک گھنٹے میں یہاں پہنچ جائے گا لیکن اس کے آنے سے پہلے رکھیل شاہ کو ان کے بارے میں اطلاع نہ دی جائے۔" اس شخص نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ رکھیل شاہ کو خامس خود ہی بتائے گا۔ تم مجھے پانی پلاؤ۔ بڑے زور کی پیاس لگ رہی ہے۔" گن مین نے کہا۔ اور وہ شخص باہر نکل گیا۔ گن مین زریاب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم بہت حسین ہو اور جوان بھی۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں خامس جیسے درندے کے حوالے کبھی نہ کرتا۔ ہاں! وہ درندہ ہی ہے۔ وہ تمہارا جو حشر کرے گا، اس کا میں اندازہ لگا رہا ہوں اور مجھے یہ سب کچھ سوچ کر افسوس ہو رہا ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"اگر ہمدردی ہے تو ہمیں چھوڑ دو۔" زریاب مسکراتے ہوئے بولی۔

"اب ایسی ہمدردی بھی نہیں کہ تمہاری وجہ سے اپنی گردن کٹوا لوں۔" گن مین نے جواب دیا۔ تیسرا آدمی ایک جگ میں پانی لے کر آ گیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا۔ اس نے گلاس میں پانی انڈیل کر گلاس گن مین کی طرف بڑھا دیا۔ وہ پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ دوسرا گلاس بھی اس نے اسی طرح سانس لئے بغیر پیا تھا۔ وہ آدمی جگ اور گلاس لے کر دوسرے گن مین کی طرف بڑھ گیا اور اسے بھی پانی پلانے لگا۔

زریاب اور رزمق نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ٹھیک اسی لمحہ باہر سے آہٹ سنائی دی۔

"بابا! رک جاؤ۔" رزمق بیٹھے بیٹھے چیخا۔

دونوں گن مین مڑ کر دیکھنے لگے۔ بار بار کا آزمایا ہوا یہ نفسیاتی حربہ ایک بار پھر کام آ گیا۔ رزمق اور زریاب نے بیک وقت ان دونوں پر چھلانگ لگائی تھی۔ رزمق نے تو اپنے شکار کو قابو کر لیا تھا لیکن زریاب سے اندازے کی ذرا سی غلطی ہو گئی تھی جس کے نتیجہ میں گن مین کو پستول کا ٹریگر دبانے کا موقع مل گیا تھا۔ گولی زریاب کے سر کے قریب سے گزرتی ہوئی اس شخص کی کھوپڑی میں پیوست ہو گئی جو جگ لئے کھڑا تھا۔ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

گیا۔اس مرتبہ زریاب نے غلطی نہیں کی۔اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر رسید کر دی۔ پستول اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔اس سے پہلے کہ وہ شخص سنبھلتا، زریاب نے لپک کر پستول اٹھالیا۔اس دوران رزمق بھی اپنے شکار پر قابو پاچکا تھا۔

''خبردار!'' زریاب چیخی۔''اب اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔'' وہ دونوں نہ صرف اپنی اپنی جگہ پر رک گئے بلکہ انہوں نے ہاتھ بھی سر سے اوپر اٹھا لئے تھے۔گولی چلنے کی آواز سن کر کار کا ڈرائیور بھی دوڑتا ہوا اندر آگیا تھا۔اندر کی صورت حال دیکھ کر وہ بد حواس سا ہو گیا۔

''چلو.... تم بھی ادھر کھڑے ہو جاؤ۔'' زریاب نے پستول سے اشارہ کیا اور وہ شخص بھی ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

''رزمق!'' زریاب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔''پستول مجھے دو اور رسیاں تلاش کر کے لاؤ۔ان دو کو باندھ دو۔ایک کو ہم ساتھ لے جائیں گے۔''

رزمق نے پستول زریاب کے حوالے کر دیا اور باہر نکل گیا۔زریاب دونوں پستولیں تانے کھڑی رہی۔پانچ منٹ بعد رزمق کئی رسیاں لے آیا۔اس نے دونوں گن برداروں کو باندھ کر فرش پر ڈال دیا اور اپنا پستول زریاب سے لے لیا۔

''خامس جب یہاں پہنچے گا تو تم لوگوں کو اس حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہو گا۔'' زریاب نے بندھے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''اس کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا کہ مجھ سے اپنی کسی شکست کا بدلہ لے سکے۔وہ میرے ہاتھوں اسی طرح ذلیل ہوتا رہے گا۔'' وہ کار کے ڈرائیور کو دھکیلتے ہوئے باہر آگئے۔کار برآمدے کے سامنے ہی کھڑی تھی۔

''زریاب! تم سٹیئرنگ سنبھالو میں اسے لے کر پیچھے بیٹھ جاتا ہوں۔'' رزمق نے کہا۔ زریاب نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن سٹارٹ کر دیا۔رزمق اس شخص کو لے کر پیچھے بیٹھ گیا۔پستول کی نال رزمق نے اس شخص کے پہلو میں گاڑھ رکھی تھی۔کار اس مکان سے نکل کر آبادی کی مخالف سمت میں دوڑنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ نواح میں واقع پہاڑیوں پر پہنچ گئے۔ان چھوٹی سرسبز پہاڑیوں پر سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔جگہ جگہ دولت

مندوں نے عالیشان بنگلے اور کاٹیج بنا رکھے تھے۔زریاب نے کار ایک ایسی سڑک پر موڑ دی جہاں کچھ آگے جا کر آبادی ختم ہو گئی تھی۔ مزید آدھا گھنٹہ ڈرائیو کرنے کے بعد اس نے کار سڑک سے ہٹا کر ایک چٹان کے پیچھے روک لی۔

''میرا خیال ہے یہ جگہ مناسب رہے گی۔'' زریاب نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔

''بہت مناسب جگہ ہے۔'' رزمق بھی اس شخص کو پستول کی زد پر لے کر نیچے اتر آیا۔

وہ شخص خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ سامنے نشیب میں شہر کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

''تت..... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ؟'' اس شخص کا لہجہ بھی خوف سے تھرتھرا رہا تھا۔

''تم سے کچھ سوال پوچھیں گے۔اگر تم نے ٹھیک جواب دیا تو تمہیں چھوڑ دیں گے لیکن اگر جواب نہ دیا تو تمہیں اس کھڈ میں دھکیل دیا جائے گا۔'' زریاب نے کہا۔

''کک..... کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' وہ شخص ہکلایا۔

''رکھیل شاہ کے پاس کب سے ہو؟'' زریاب نے پوچھا۔

''دو..... دو سال سے۔''

''تب تو تمہیں معلوم ہو گا۔'' زریاب بولی..... ''رکھیل شاہ نے جاگیر دار نمران کو کہاں چھپا رکھا ہے؟''

''مم..... مجھے نہیں معلوم۔'' وہ شخص بولا۔''جاگیر دار کے بارے میں صرف تین آدمی جانتے ہیں۔خود رکھیل شاہ، گوپانگ اور خامس..... ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

رزمق چند لمحے اس شخص کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اچانک ہی اس کے منہ پر گھونسہ رسید کر دیا۔وہ شخص چیختا ہوا لڑکھڑایا۔اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر رزمق نے اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔وہ شخص تقریباً آدھے گھنٹے تک پٹتا رہا لیکن اس کا ایک ہی جواب تھا کہ جاگیر دار نمران کے بارے میں ان تینوں کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

''میرا خیال ہے یہ واقعی کچھ نہیں جانتا۔'' رزمق اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے ایک کان، ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو پھر چلو! اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔ کندن، خوشنما اور زرقند بابا پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اس شخص کو گاڑی میں ڈال لو۔ راستے میں کسی جگہ پھینک دیں گے۔"

رزمق نے اس شخص کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

زریاب گاڑی سٹارٹ کر کے اسے دوبارہ سڑک پر لے آئی۔ پہاڑیوں پر کئی سڑکیں گھومنے کے بعد اس نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ قرب و جوار میں بنگلے تھے اور نشیب میں قطب آباد کی آبادی نظر آ رہی تھی۔ وہ آبادی کی طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ خامس پہنچ گیا ہوگا اور قطب آباد میں ان کی تلاش شروع ہو گئی ہوگی۔

وہ شخص بے ہوش ہو چکا تھا۔ رزمق نے اسے سڑک کے کنارے پر ڈال دیا اور دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ زریاب نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

درویش پور پہنچنے کے لئے انہیں بہت طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ گاڑی انہوں نے شہر کی ایک ویران سڑک پر چھوڑ دی اور چھپتے چھپاتے سارنگ والے محلے میں پہنچ گئے۔ اور جب وہ سارنگ کے مکان میں داخل ہوئے تو رات کا ایک بج رہا تھا۔

☆

وہ سب لوگ پریشان بیٹھے تھے۔ زریاب اور رزمق کو دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔

"میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تم لوگ مزید ایک گھنٹے تک نہ آتے تو میں ہر قسم کے خطرات کی پرواہ کئے بغیر زرقند بابا کو لے کر پولیس کے سب سے بڑے اور بااختیار آفیسر کے بنگلے پر پہنچ جاتی اور اسے رکھیل شاہ کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور کر دیتی۔" کندن نے کہا۔ "پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "بہر حال! تم لوگوں کے لئے ایک خوشخبری یہ ہے کہ شیران کا پتہ چل گیا ہے۔"

"کیا واقعی؟" زریاب کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"ہاں! وہ اسی شہر میں ہے۔" کندن نے جواب دیا۔ "اس کا سراغ سارنگ کے ایک دوست کے ذریعے ملا ہے۔ وہ درویش پور ہی میں ہے۔ ہم صبح اس سے ملیں گے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" رزمق بولا۔ "اب ہمیں یہ پتہ کرنا ہے کہ جاگیر دار کو کہاں رکھا گیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف تین آدمی جانتے ہیں۔ رکھیل شاہ، گوپانگ اور خامس۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں گوپانگ کو قابو کرنا ہوگا۔"

"ہاں! میرے خیال میں وہی ایک ایسا شخص ہے جس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔" زریاب نے کہا۔ پھر سارنگ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "شیران کہاں ہے؟"

"شہر سے تقریباً تین میل دور نہر کے پل کے قریب ایک کچی بستی ہے تورستان۔ وہاں اپنے پوتے کے پاس وہ رہ رہا ہے۔ اس کا پوتا مہربان علی ایک فیکٹری میں ملازم ہے۔ ہم کل شام کو شیران سے ملنے کے لئے جائیں گے۔" سارنگ نے جواب دیا۔

"کل شام کو کیوں؟ صبح کیوں نہیں؟" زریاب بولی۔

"تم جانتی ہو دن کے وقت تم لوگوں کا گھر سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں۔" سارنگ نے کہا۔ "آج کے واقعہ کے بعد تو وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے! ہم کل شام ہی کو چلیں گے۔" زریاب نے سر ہلا دیا۔

وہ لوگ کچھ دیر اور باتیں کرتے رہے۔ پھر سو گئے۔ سارنگ صبح اٹھتے ہی باہر چلا گیا۔ دوپہر کے وقت اس نے آ کر بتایا کہ پورے شہر میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ایک طرف رکھیل شاہ کے آدمی بڑی شد و مد سے انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں اور دوسری طرف عوامی حلقے رکھیل شاہ کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ اخبار میں زریاب کا خط شائع ہونے کے بعد لوگ اب کھل کر رکھیل شاہ کے خلاف باتیں کرنے لگے ہیں۔ سارنگ اخبار لے آیا تھا۔ اخبار میں زریاب کے خط کے علاوہ اداریہ بھی لکھا گیا تھا جس میں اس خط اور گزشتہ واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے رکھیل شاہ کے خلاف فوری طور پر تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

اخبار پڑھ کر زریاب مسکرا دی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ رکھیل شاہ کی سازش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ اور رکھیل شاہ کی تمام قوت اپنے آپ کو بچانے پر صرف ہو گی۔ لیکن زریاب یہ بھی جانتی تھی کہ وہ اسے بھی نہیں چھوڑے گا اور وہ پہلے سے زیادہ شدت سے اسے تلاش کرے گا۔

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد زریاب، کندن اور رزمق سارنگ کے ساتھ نورستان کی طرف روانہ ہوگئے۔ کندن کی موجودگی اس لئے ضروری تھی کہ شیران اسے پہچان لے۔ رکھیل شاہ کے آدمی اگرچہ پاگل کتوں کی طرح پورے شہر میں انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے لیکن نورستان پہنچنے میں انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اس بستی کا نام نورستان تھا مگر تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے بالکل پہلو میں واقع ہونے کے باوجود یہاں نہ تو بجلی تھی اور نہ زندگی کی دوسری سہولتیں۔

دستک کے جواب میں مکان کا دروازہ ایک لمبے تڑنگے نوجوان نے کھولا۔ وہ شیران کا پوتا مہران علی تھا۔ اس نے سارنگ کو پہچان لیا اور انہیں اندر لے گیا۔ شیران ایک کمرے میں چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بہت بوڑھا تھا۔ اس کے جسم پر گوشت برائے نام ہی تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہا تھا۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ مدھم روشنی کے باوجود اسے کندن کو پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ جاگیردار نمران کا سائیس تھا اور کندن اس کے سامنے پل کر جوان ہوئی تھی۔

"آقازادی!" وہ کندن کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل سارنگ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ زندہ ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج میں اس قابل ہو سکا کہ جاگیردار کی امانت اس کے وارث کے حوالے کر سکوں۔ آج میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ خدا تمہیں اور جاگیردار کو سلامت رکھے۔ آپ بیٹھئے۔ میں ابھی آپ کی امانت لے کر آتا ہوں۔"

شیران اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے چارپائی کے نیچے سے ایک پرانا سا زنگ خوردہ ٹرنک کھینچا جس میں کپڑے بھرے ہوئے تھے۔ اس نے ان کپڑوں کے نیچے سے ایک پوٹلی نکال لی اور دوبارہ اسی کمرے میں آگیا۔

"یہ لیجئے آپ کی امانت! اللہ کا شکر ہے آج میں سرخرو ہوا ہوں۔" اس نے میلے سے کپڑے کی پوٹلی کندن کی طرف بڑھا دی۔

کندن نے پوٹلی کھول کر دیکھی۔ اس میں کاغذات تھے۔ وہ لالٹین کی روشنی میں کاغذات کا جائزہ لینے لگی۔ یہ جاگیر کی ملکیت کے کاغذات اور دوسری اہم دستاویزات تھیں۔ رکھیل شاہ کو انہی کاغذات کی ضرورت تھی جن میں ردوبدل کر کے وہ جاگیر پر قابض ہو سکتا تھا۔

کندن نے شیران کا شکریہ ادا کیا اور اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ واپسی پر بھی انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ سارنگ کے گھر پہنچ کر انہوں نے کھانا کھایا اور پھر کندن اور زریاب کاغذات کی وہ پوٹلی کھول کر بیٹھ گئیں۔

زریاب، سندس خاندان کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے گھر سے نکلی تھی۔ جاگیردار نمران کی دعوت پر وہ سندس محل آئی تھی جہاں سے یہ شیطانی چکر شروع ہو گیا تھا اور وہ بھی سازشوں کے جال میں پھنستی چلی گئی تھی۔ اور اب یہ کاغذات اس کے سامنے تھے۔ ان کاغذات کی تحریر کی ایک ایک سطر اس کے لئے سنسنی خیز انکشاف کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور یہ انکشاف سب سے زیادہ سنسنی خیز تھا کہ اس کا دادا روشن ضمیر اور کندن کا دادا سگے بھائی تھے اور جاگیر کا بانی ان کا پردادا بیدار بخت تھا۔ زریاب کا باپ شجراع کسی بات پر اپنے باپ سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا اور جاگیر اس کے کزن نمران کے حصے میں آئی تھی۔ نمران نے شجراع کو بہت تلاش کیا تھا لیکن اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔ جبکہ شجراع جان بوجھ کر غائب تھا۔ اس کے انتقال کے بعد زریاب نے اس خاندان کی تاریخ لکھنے کا سوچا تھا اور آج یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ وہ بھی کندن کی طرح اس جاگیر کی وارث ہے۔ کندن نے بھی یہ حقیقت جان لی تھی کہ زریاب اس کی اپنی ہے۔ وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں پھر بے اختیار ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

☆

شہر میں واقعی ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اخبارات نے شہ سرخیوں سے یہ خبر شائع کی تھی کہ جاگیر کی وارث کندن زندہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی رکھیل شاہ کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا گیا تھا۔ قانون اس کے خلاف پوری قوت سے حرکت میں آگیا تھا۔

رکھیل شاہ روپوش ہو گیا تھا اور پولیس اس کی تلاش میں تھی۔ اس روز پہلی مرتبہ زریاب، کندن اور رزمق بلا خوف و خطر دن کی روشنی میں گھر سے باہر نکلے۔ زریاب نے پولیس کے اعلیٰ افسر سے فون پر رابطہ کیا اور پھر یہ سب لوگ اس سے باجماعت ملاقات کے لئے روانہ ہو گئے۔

پولیس کا سربراہ بڑی ہمدردی سے ان سے پیش آیا تھا۔ کندن، رزمق اور زریاب نے

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

بڑی تفصیل سے اسے سب کچھ بتا دیا اس نے وعدہ کیا کہ رکھیل شاہ کو کسی صورت میں بھی بخشا نہیں جائے گا۔ پولیس کے سربراہ نے گیسٹ ہاؤس میں ان کی رہائش کا بندوبست کر دیا تھا اور ان کی حفاظت کے لئے گارڈز بھی مقرر کر دیئے تھے لیکن انہیں محافظوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ چھپ کر نہیں بیٹھنا چاہتے تھے۔ اب تو وہ اس پوزیشن میں آ گئے تھے کہ باہر نکل کر رکھیل شاہ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف کارروائی کر سکیں۔ سب سے پہلے انہیں جاگیردار نمران کو تلاش کرنا تھا۔ اندیشہ تھا کہ مایوس ہو کر رکھیل شاہ اسے جان سے نہ مار دے۔

رزمق اور زریاب بڑی شد و مد سے خامس یا گوپانگ کو تلاش کر رہے تھے۔ صورت حال اب تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کے بہت سے ہمدرد اب کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ ایک روز شام کو رزمق کو ایک ایسے ہی ہمدرد سے اطلاع ملی کہ رکھیل شاہ کا ایک خاص آدمی قطب آباد کی پہاڑیوں پر واقع ایک مکان میں چھپا ہوا ہے۔ اس نے جو حلیہ بتایا تھا وہ سو فیصد گوپانگ پر فٹ بیٹھتا تھا۔

رزمق نے اس مکان کا پتہ نوٹ کر لیا اور زریاب کو ساتھ لے کر قطب آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ رزمق کا اندازہ درست نکلا۔ وہ گوپانگ ہی تھا جو اس مکان میں چھپا بیٹھا تھا۔

وہ اکیلا ہی تھا۔ انہیں مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے قابو کرنے میں رزمق کو زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

"رکھیل شاہ کا کھیل ختم ہو چکا ہے۔" رزمق نے اس کے جبڑے پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ "اب وہ خود چھپتا پھر رہا ہے اس لئے تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ بہتر ہے کہ تم جو کچھ بھی جانتے ہو سب کچھ اگل دو۔"

"نہیں..... میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" گوپانگ چیخا۔ "وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"اگر تم نے زبان نہ کھولی تو زندہ تو ہم بھی تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔" رزمق نے اسے ایک اور گھونسہ رسید کر دیا۔ "تمہارے جرائم کے بارے میں تو پولیس تم سے پوچھے گی۔ ہم صرف ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔ صرف ایک بات..... جاگیردار نمران کہاں ہے؟"

"نہیں..... میں نہیں بتاؤں گا۔" گوپانگ نے جواب دیا۔

رزمق نے زریاب کی طرف دیکھا۔ اور پھر وہ دونوں گوپانگ پر پل پڑے۔ گوپانگ ان دونوں کے بیچ میں فٹ بال بنا ہوا تھا۔ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر ان کی ٹھوکریں نہ پڑی ہوں۔ وہ بہت سخت جان ثابت ہوا تھا۔ لیکن بالآخر اسے زبان کھولنا ہی پڑی۔

"بب..... بتاتا ہوں....." وہ ناک سے بہنے والا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

"بتاؤ! کہاں ہے جاگیردار نمران؟" زریاب اسے ٹھوکر مارتے ہوئے چیخا۔

"سس..... سندس محل میں۔" گوپانگ نے رُک رُک کر جواب دیا۔ "رکھیل شاہ اسے کل ہی یہاں سے لے کر گیا ہے۔ میں بھی صبح یہاں سے جانے والا تھا۔"

"سندس محل میں کس جگہ؟" زریاب نے پوچھا۔

"رکھیل شاہ کے رہائشی کمرے کے نیچے والے تہہ خانے میں۔" گوپانگ نے جواب دیا۔

زریاب اور رزمق نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گوپانگ کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور وہ لوگ تیز رفتاری سے درویش پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆

پولیس کی بھاری نفری نے سندس محل کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ پولیس پارٹی کا انچارج ایس پی کئی مرتبہ میگافون پر رکھیل شاہ کو وارننگ دے چکا تھا کہ وہ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے۔ لیکن اس طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اور جب آخری مرتبہ وارننگ دی گئی تو دوسری طرف سے فائرنگ شروع کر دی گئی۔ ایس پی نے بھی فائرنگ کا حکم دے دیا۔ اس زبردست شور میں رکھیل شاہ کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا۔ میں آگ لگا دوں گا اس حویلی کو..... جلا کر راکھ کر دوں گا اس جاگیر کو..... جو بھی آگے بڑھا اسے بھون کر رکھ دوں گا۔"

"میں اندر جا رہا ہوں ایس پی صاحب!" رزمق نے کہا۔ "جاگیردار تہہ خانے میں قید ہیں۔ اگر رکھیل شاہ نے حویلی کو آگ لگا دی تو وہ بچ نہیں سکیں گے۔"

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem

ایس پی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حویلی کے اندر اچانک شعلے بھڑک اٹھے۔ مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگادی گئی تھی۔ تیل کی بو صاف محسوس ہو رہی تھی۔ رزمق پولیس والوں کے ساتھ مین گیٹ کے اندر کی طرف کھڑا تھا۔ آگ اس بلاک کو لگائی گئی تھی جس کے تہہ خانے میں جاگیردار قید تھا۔ رزمق اس طرف بھاگنے لگا۔ اچانک انسپکٹر اور دو کانسٹیبل بھی چیختے ہوئے دوڑے۔ رزمق اس بلاک سے ابھی دور ہی تھا کہ اچانک ہی خامس اس کے سامنے آگیا۔ وہ کسی دیو کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔ رزمق نے اچھل کر اس کے سینے پر فلائنگ کک لگائی مگر خامس اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ رزمق سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ خامس نے اسے اٹھا کر دور پھینک دیا اور پولیس والوں کی طرف بڑھا۔

"رک جاؤ! ورنہ گولی مار دوں گا۔" انسپکٹر چیخا۔ مگر خامس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ انسپکٹر نے اپنے آدمیوں کو فائرنگ کا حکم دے دیا۔ کئی گولیاں خامس کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ خون کی دھاریں بہہ نکلیں مگر وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگے بڑھتا رہا۔ کانسٹیبلوں کی رائفلیں تڑتڑاتی رہیں۔ خامس آگے بڑھتا رہا۔ اس کا جسم چھلنی ہو چکا تھا۔ پولیس والوں کی آنکھیں وحشت سے پھٹی جا رہی تھیں۔ خامس ایک پولیس والے کے قریب پہنچ گیا۔ اس مرتبہ چند گولیاں اس کی کھوپڑی میں لگیں۔ وہ پہلی مرتبہ لڑکھڑایا اور پھر ڈھیر ہو گیا۔

رزمق تہہ خانے میں اتر چکا تھا۔ آگ پھیل رہی تھی۔ ہر طرف دھواں تھا۔ اس نے پلنگ پر پڑے ہوئے جاگیردار نمران کو گود میں اٹھایا اور باہر کی طرف دوڑا۔ وہ عمارت سے نکل کر گیٹ کی طرف دوڑ رہا تھا کہ اوپر سے رکھیل شاہ کی چلائی ہوئی ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ لیکن رکا نہیں۔ جاگیردار کو گود میں اٹھائے گیٹ کی طرف دوڑتا رہا۔

ایس پی کے حکم پر کئی پولیس والوں نے رکھیل شاہ پر فائرنگ شروع کر دی لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ زریاب اور کندن دوڑ کر رزمق کے قریب پہنچ گئیں اور اس طرح وہ جاگیردار کو لے کر گیٹ کے قریب پہنچ گئے۔

حویلی کا پورا بلاک آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور ان شعلوں میں رکھیل شاہ کے قہقہوں کی آواز گونج رہی تھی۔

جاگیردار نمران، کندن اور زریاب سے لپٹ گیا۔ رزمق بھی ان کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا لیکن اسے اپنے زخم کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے تو خوشی تھی کہ بالآخر اس نے اپنے آقا کو بچا لیا۔ دور کھڑی ہوئی خوشنما بھی قریب آگئی اور اپنا دوپٹہ رزمق کی ٹانگ کے زخم پر باندھنے لگی۔

وہ سب گیٹ میں کھڑے آگ کے بلند ہوتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہے تھے۔ اب قہقہوں کی بجائے رکھیل شاہ کی بھیانک چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اور پھر وہ چیخیں بھی معدوم ہو گئیں۔ پھیلتی ہوئی آگ نے اسے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ وہ اپنی سازشوں سمیت اس جہنم میں جل گیا تھا۔

وہ لوگ چند لمحے آگ کے شعلوں کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر جاگیردار نمران کو سہارا دے کر باہر کی طرف چل پڑے۔ برائی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی اور اب کوئی خوف نہیں رہا تھا۔

(ختم شد)

ندیم

Scanned And Uploaded By Muhammad Nadeem